هر آئینہ کیمیائے سعادت مشتمل بر فضائل و مناقب رسالت

و اصحاب و عترت مآب ... منہج ششم از جلد اول کتاب جامع حامدی موسوم بہ

النبوة

حسب ارشاد جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر

فرمانروائے ریاست مصطفیٰ آباد عرف رامپور دام اقبالہم [illegible]

[illegible]

تالیف ... حامی الدین ... [illegible]

جناب مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہم العالی

[illegible]

فلولاهم ما عاش فى الارض نسمة	ولو عاش امسى فى الوحوش من

واشرف الصلوة وافضل السلام على خير من اصطفاه وافضل من ارسله لهداية كافة الانام الى اتباع مطاوى دينه المرضى وامتثال نحاوى شرع الاسلام - رسوله المجتبى ونبيه المرتجى عند تراكم شدائد الاهوال وتفاقم الكرب الفوادح العظام وصفيه الخالص المنتجب ونجيه المخالص المنتخب الطاهر المعتام - الباقى ناسخ شرعه وشامخ اصله وفرعه الى قيام الساعة وساعة يوم القيام **محمد** المعرق فى المعالى المتلألئ المشرق انواره والمونق اثاره فى وجنات النهر وجبهات الليالى كالشمس فى حنادس الغسق وحوالك الظلام الشافع لمقترف الجرائم ومجترف العظائم المشفع عند المليك المقتدر والمحسن المتكرم والمفضل المنعام ه

هدى الناس بالهدى الجميل مكارما	عواقبها محمودة والاوائل
اتاهم ببراهين قد جلى كل شبهة	فاسفر صبح الحق وانزاح باطل

وعلى افاضل اسرته وآله الناسجين على هديه ومنواله فى تتميم مكارم الاخلاق وتهذيب نفائس الآداب وتبليغ محاسن الاحكام والتحرى فى نشرها من امرها ونهيها غاية اسباب الاتقان ونهاية وسائل الاحكام المتجلى متألقات بوارق بيض وبركاتهم فى غرر نواصى الشهور وعواطل اعناق الايام والمتحلى بمتبلجات عقود شوارق هداياتهم مناحر خرائد الدهور وصفحات ترائب اوانس الاعوام ه

لقد وضحوا طرق الرشاد فاصبحت	منارا تحاكيها مصابيح رهبان
ارى الناس اذ لم يهتدوا بسبيلهم	لقد خبطوا فى طرق غى وطغيان

عليهم سلام الله الملك العلام ما تطاعن اقران البيان و

تضارب فرسان الکلام بشبا اسنۃ شواجر الیراع وحدود
مضارب صوارم الاقلام - **امّا بعد** پس واضح ہو کہ کتاب مستطاب
جامع حامدی جو حضور پرنور اعلحضرت فلک رفعت سکندر حشمت مرکز محیط عظمت و اقبال
قدر افزائے علم وکمال حامی ذمار دین اسلام مروج علوم اہل بیت کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ عالیجاہ مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامراء ہز ہائینس کرنل
عالی جناب نواب سر سید محمد حامد علی خان صاحب بہادر
مستعد جنگ جی - سی - ایس - آئی ، جی سی آئی ای ، جی - سی - وی - او ، اے - ڈی - سی ،
ٹو ہز مجسٹی دی کنگ ایمپرر فرمانروائے ریاست رامپور دام اقبالہم وملکہم کے ارشاد سے
تالیف ہوئی ہے - اُسکی جلد اول کا تیسرا حصّہ **اَلنُّبُوَّۃ** ہے - لیکن ازبسکہ وہ بہ نسبت
التوحید اور **العدل** کے زائد طولانی ہے اس لئے دو جزوں پر منقسم کیا گیا ہے -
پہلا جزو **نبوّتِ مطلقہ** جسمیں دراصل اُن اُمور سے بحث کی گئی ہے جنکا ہر ایک نبی
میں موجود ہونا ضروری ہے - اور دوسرا جزو **نبوّتِ خاصّہ** جسمیں فقط اُن اُمور سے
بحث کی گئی ہے جو ہمارے حضرت محمد مصطفےٰؐ کے ساتھ مخصوص ہیں - اس تقدیر پر جامع حامدی
کی جلد اول کے تیسرے حصہ کا یہ پہلا جزو ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے اپنی آپ ہی نظیر ہے
حضرات ناظرین سے اُمید ہے کہ اُسکو اول سے آخر تک نہایت غور و امعان کے ساتھ
ملاحظہ فرمائینگے - اور اپنے برادران ایمانی کو اُسکے مطالب سے منتفع ہونے کی طرف رغبت دلائینگے
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب -

نبوّت مطلقہ کا بیان

نبی کی تعریف | نبی سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر واسطۂ بشر احکام الٰہیہ حاصل کرے
خواہ ہدایت پر مامور ہو یا نہ ہو اور اُسپر کوئی امام ہو یا نہ ہو -

نبی کے اقسام

نبی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وہ نبی ہے جو محض اپنے نفس کی اصلاح و تہذیب پر مامور ہو اور لوگوں کی ہدایت اُس سے متعلق نہو دوسری قسم وہ نبی ہے جو لوگوں کی ہدایت پر مامور ہو۔ اور ایسے نبی کی دو قسمیں ہیں اوّل وہ نبی جو صاحب شریعت ہو خواہ اُسکی شریعت ابتدائی ہو جیسے حضرت آدم علیہ السلام اسلئے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے کوئی انسان ہی نہ تھا جسپر کوئی شریعت نازل ہوتی یا کسی پہلی شریعت کے لئے ناسخ ہو جیسے حضرت نوح علیہ السلام اس لئے کہ حضرت نوحؑ سے پہلے حضرت آدمؑ کی شریعت موجود تھی جسکو حضرت نوحؑ کی شریعت نے منسوخ کیا دوم وہ نبی جو صاحب شریعت نہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

اور اُصول کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت ہشام بن سالم و درست بن ابی منصور منقول ہے کہ

الانبیاء والمرسلون علی اربع طبقات فنبیٌ منبأ فی نفسه لا یعدو غیرها ونبیٌ یری فی النوم ویسمع الصوت ولا یعاینه فی الیقظة ولم یبعث الی احد وعلیه امام مثل ما کان ابراهیمؑ علی لوطؑ ونبیٌ یری فی منامه ویسمع الصوت ویعاین الملك وقد ارسل الی طائفة قلّوا او کثروا کیونسؑ قال الله تعالی لیونس

انبیاء و رسل کے چار طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ نبی جو اپنے نفس میں خبر دیا جاتا ہے۔ اور اپنے نفس کے سوا کسی دوسرے تک اُسکی سرایت نہیں ہوتی دوسرا طبقہ وہ نبی جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا اور اُسکی آواز کو سنتا ہے اور اُسے بیداری میں معائنہ نہیں کرتا۔ اور کسی شخص پر مبعوث نہیں ہوتا۔ اور اُسپر امام ہوتا ہے جیسے حضرت لوطؑ پر حضرت ابراہیمؑ امام تھے تیسرا طبقہ وہ نبی جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا اور اُسکی آواز کو سنتا اور بیداری میں اُسکا معائنہ کرتا ہے اور کسی گروہ کی ہدایت پر خواہ وہ گروہ کم ہو یا زیادہ مامور ہوتا ہے۔ جیسے حضرت یونسؑ چنانچہ خداوند عالم

وَاَرْسَلْنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ
یَزِیْدُوْنَ قَالَ یَزِیْدُوْنَ
ثَلٰثِیْنَ اَلْفًا وَعَلَیْھِمْ
اِمَامٌ وَالَّذِیْ
یَرٰی فِیْ مَنَامِہٖ
وَیَسْمَعُ الصَّوْتَ وَیُعَایِنُ فِی الْیَقْظَۃِ
وَھُوَ اِمَامٌ مِثْلُ اُولِی الْعَزْمِ
وَقَدْ کَانَ اِبْرَاھِیْمُ نَبِیًّا وَلَیْسَ بِاِمَامٍ
حَتّٰی قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ذِکْرُہٗ
اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا
قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۔ قَالَ لَا یَنَالُ
عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ "
مَنْ عَبَدَ صَنَمًا اَوْ وَثَنًا لَا یَکُوْنُ اِمَامًا۔

ارشاد فرماتا ہے کہ "اور اُن کو ایک لاکھ یا اس سے
بھی زیادہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا"، حضرتؑ
ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیۂ شریفہ میں زائد سے
تیس ہزار مراد ہیں۔ اور اُن پر امام بھی ہے۔
چوتھا طبقہ وہ نبی جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے
آواز اُسکی آواز سنتا اور بیداری میں اُسکا معاینہ
کرتا ہے۔ اور وہ امام ہے جیسے انبیاء اولو العزم
اور حضرت ابراہیمؑ نبی تھے اور امام نہ تھے تا اینکہ
خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ
"میں تم کو لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں (حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی
کہ میری اولاد میں سے (خداوند عالم) فرمایا جو ظالم ہونگے
اُنکو میرا عہدہ نہ پہونچیگا"
حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ) جو شخص بت پرستی کریگا وہ امام نہ ہوگا

اِس حدیث شریف کے فقرہ نبیّ منبّأ فی نفسہ لا یعدو غیرھا (وہ نبی جو اپنے
نفس ہیں خبر دیا جائے اور اُس کے نفس سے غیر کی طرف سرایت نکرے) میں کئی احتمال ہیں
پہلا احتمال یہ کہ غیر سے فرشتہ اور اُمت دونوں مراد لئے جائیں اِس تقدیر پر یہ معنی ہونگی
کہ اُسکو جو خبر دیجاتی ہے وہ فرشتہ یا اُمت کسی کی طرف سرایت نہیں کرتی اس صورت میں
اس طبقہ کی نبوت فقط الہام کے ذریعہ سے ثابت ہوگی۔ اور فرشتہ کو اُسکے حاصل ہونے میں
کسی قسم کا دخل نہوگا خواہ وہ الہام خواب میں حاصل ہو یا بیداری میں۔
دوسرا احتمال یہ کہ غیر سے فقط اُمت مراد لیجائے۔ اِس تقدیر پر یہ معنی ہونگے کہ اُس کو
فرشتہ کے ذریعہ سے جو خبر دیجاتی ہے وہ کسی بشر کی طرف سرایت نہیں کرتی اِس صورت میں

اِس طبقہ کی نبوت بھی وحی کے ذریعہ سے ثابت ہوگی اور وہ کسی بشر کی ہدایت کے لئے مبعوث نہوگا خواہ وہ وحی رویا رہو یا بیداری میں حاصل ہوئی ہو۔

تیسرا احتمال یہ کہ غیر سے فقط فرشتہ مراد لیا جائے۔ اِس تقدیر پر یہ معنے ہونگے کہ اُس کو بذریعۂ الہام جو خبر دیگئی ہے اُسی کے ذریعہ سے وہ نبی ہوا اور بشر کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہو اس صورت میں اس طبقہ کی نبوت فقط الہام سے حاصل ہوگی۔ اور ہدایت پر مامور ہوگا خواہ وہ الہام بیداری میں ہو یا خواب میں۔

چوتھا احتمال یہ کہ اُسکے فی نفسہ خبر دیے جانے کا یہ مطلب ہو کہ اُسکو جو خبر دیجاتی ہے وہ خود اُسی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اُسکو کسی دوسرے کی ہدایت سے تعلق نہیں ہوتا اِس صورت میں خبر دیئے جانیکا کوئی طریقہ مذکور نہ ہوگا۔ پس ممکن ہیگا کہ اُسکو الہام ہو یا وحی۔ بیداری میں ہو یا خواب میں فرشتہ کو معائنہ کرتا ہو یا نہیں لیکن ہر ایک صورت میں اُسکا غیر مبعوث ہونا ضروری ہوگا۔

اِن احتمالات میں تیسرا احتمال خلاف متبادر ہے اِس لئے کہ فقرۂ لا یعد وغیرہا سے بظاہر اُسکا ہدایت پر مامور نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے لہذا تیسرا احتمال ساقط از اعتبار ہوگا۔

اب اگر چوتھے احتمال کا صحیح ہونا فرض کر لیا جائے تو بعض علماء اسلام کا حدیث مذکور کے بیان میں یہ کہنا کہ اس سے وہ پیغمبر مراد ہے جو خواب میں اُمور صادقہ کو شاہدہ کرتا ہو بعد ازاں اپنے نفس کو خبر دیتا ہو۔ اور اُسکو حالت بیداری میں فرشتہ کی آواز سننے کے کوئی تعلق نہ ہو درست نہوگا۔ اِس لئے کہ الفاظ حدیث میں بلا وجہ کسی قید کا اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اِس تقدیر پر معنی حدیث کا پہلے دو احتمالوں میں انحصار ہو جاتا ہے۔

اب اگر حدیث شریف میں غیر نفس سے فقط اُمت ہی کا مراد لینا متبادر فرض کیا جائے تو اِس طبقہ کی نبوت کا بذریعۂ وحی ثابت ہونا بے اشکال ہوگا اگرچہ وہ کسی بشر کی ہدایت کیلئے مبعوث نہو لیکن عبارت حدیث میں فقط پہلے احتمال کا مراد ہونا بھی محتمل ہے۔ مگر اِس احتمال کی

بنا پر خواب اور بیداری کا فرق کرنا بظاہر صحیح نہ ہوگا۔ اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ پہلے اور دوسرے طبقہ میں جو فرق مذکور ہوا ہے وہ خالی از اشکال نہیں ہے اور اُسکی دو طرح توجیہ ہو سکتی ہے۔

(۱) یہ کہ حضرتؑ کے قول منبّأ فی نفسہ لا یعدو غیرھا سے یہ مراد ہو کہ اُسکی نبوت اُسکے نفس کے سوا کسی دوسری چیز کا تعلق نہو یا یعنے کہ وہ نہ فرشتہ کی آواز سُننے اور نہ اُسکا معائنہ کرے اور نہ کسی کی طرف مبعوث ہو۔ اور دوسرے طبقہ میں اتنے پر اکتفا نہو بلکہ وہ فرشتہ کا کلام بھی سُنتا ہو لیکن اُسکو بیداری میں نہ دیکھتا ہو۔ پس دونوں طبقے اس امر میں مشترک ہونگے کہ وہ کسی شخص کی ہدایت کے لئے مبعوث نہیں ہوئے۔ اور اُن دونوں میں اسیقدر فرق ہوگا کہ دوسرا طبقہ فرشتہ کی آواز کو بیداری میں سُنتا ہے اور پہلا طبقہ نہیں سُنتا۔ اور اس حدیث شریف میں حضرت لوطؑ کے ساتھ فقط اس امر میں تشبیہ فرض کیجائیگی کہ اُنپر دوسرے نبی امام تھے اس لئے کہ وہ حضرت لوطؑ رسول تھے اور ایک اُمت کی طرف مبعوث ہوئے تھے جبپر اُن کی مخالفت کی سبب سے عذاب نازل ہوا تھا۔

(۲) یہ کہ پہلے طبقہ میں وہ نبی مراد لئے جائیں جو کسی شخص کی طرف مطلقاً مبعوث نہ ہوں نہ خداوند عالم کی طرف سے نہ اپنے امام کی طرف سے۔ اور دوسرے طبقہ میں وہ نبی مراد لئے جائیں جو خدا کی طرف سے مبعوث نہوں بلکہ اپنے امام کی طرف سے مبعوث ہوں اس صورت میں حضرت لوطؑ کا حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے مبعوث ہونا فرض کیا جائیگا۔ اگرچہ حضرت لوطؑ کا نبی ہونا قابلِ انکار نہیں ہے۔ پس تشبیہ کامل ہوگی اور قول واجب تعالیٰ

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ | اور یقیناً لوطؑ رسولوں میں سے تھے۔

میں یہ مراد ہوگی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور فرشتہ کے معائنہ نہ کرنے کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ فرشتہ کا اسوقت معائنہ نہ کرتے تھے۔

اور نہ اُسکی آواز کو سنتے تھے جبکہ وہ (فرشتہ) کوئی حکم شرعی لیکر اُن کے پاس آتا تھا۔
اس صورت میں حضرت لوطؑ کا اُن فرشتوں کو معائنہ کرنا اور اُنکی آواز سننا جو اُنکی قوم پر عذاب کرنیکی غرض سے آئے تھے۔ اِس مطلب کے منافی نہ ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کے نہ دیکھنے کا یہ مطلب ہو کہ اُن (فرشتوں کو اُنکی اصلی صورت میں نہ دیکھیں اور حضرت لوطؑ نے اُن (فرشتوں) کو بشری صورت میں معائنہ کیا تھا نہ اُنکی اصلی صورت میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کے نہ دیکھنے سے یہ مطلب ہو کہ اُن کو اُسوقت معائنہ نہ کریں جبوقت کہ اُنکا فرشتہ ہونا معلوم ہو جائے پس محتمل ہو گا کہ حضرت لوطؑ کو جبکہ اُنکا فرشتہ ہونا معلوم ہو گیا ہو اُسوقت اُنکا معائنہ نکرتے ہوں۔ اور فقط اُن کی آواز سنتے ہوں اور مراد یہ ہو کہ حالت بیداری میں فرشتوں کا معائنہ نکرتے ہوں اور فقط اُن کی آواز سنتے ہوں (انتہی بجا علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی اِس عبارت سے دو مطلب مستفاد ہو سکتے ہیں۔

پہلا مطلب یہ کہ پہلے طبقہ کے نہ سننے سے فقط بیداری میں نہ سننا مراد لیا جائے۔
اِس صورت میں وہ (پہلا طبقہ) امام سے ممتاز ہو گا اِس لئے کہ القاء حکم کے وقت فرشتہ کی آواز کا سُننا بھی نبی کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ خواب ہی میں ہو۔ اِس تقدیر پر علامہ مجلسی کے کلام سے دوسرے احتمال کی تائید ہوگی۔

دوسرا مطلب یہ کہ ہر ایک قسم کا نہ سننا مراد لیا جائے۔ پس اِس طبقہ کی نبوت فقط الہام کے ذریعہ سے ثابت ہو گی۔ اور اِس صورت میں وہ امام سے ممتاز نہ ہو گا۔ اِس لئے کہ الہام دونوں میں مشترک ہو گا اور اِس اشکال کا یہ جواب ممکن ہے کہ امام (خلیفہ رسول) کا نائب ہونا ضروری ہے بخلاف پہلے طبقہ کے نبی کے کہ وہ کسی کے نائب نہیں ہوتے لہٰذا عدم وحی کی صورت میں بھی وہ خلیفہ رسولؐ کے ساتھ مشتبہ نہ ہوں گے بخلاف اُس نبی کے جسکے لئے خلیفہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہاں پر نبی کا صاحب وحی ہونا لازم ہوگا ورنہ نبی اور خلیفہ میں کوئی امتیاز باقی نہ رہیگا۔

اور بعض علماء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے طبقہ کے نبی پر بھی وحی نازل ہوتی ہے لیکن اُس وحی کا کسی دوسرے شخص سے تعلق نہیں ہوتا۔ اِس تقدیر پر فقرہ لا یعدو غیرھا میں غیر سے خصوص بشر مراد ہوگا اور فرشتہ کا خواب میں دیکھنا اور اُسکی آواز کا سُننا اور معائنہ کرنا اِس مطلب کے منافی نہ ہوگا خواہ بیداری میں معائنہ فرض کیا جائے یا خواب میں اور بظاہر یہی احتمال راجح معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ فقرہ لا یعدو غیرھا سے اُسکا غیر کی طرف مبعوث نہ ہونا ہی متبادر ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اور بہر تقدیر کلام معصومؑ میں جو انبیاء مرسلین کے چار طبقے مذکور ہوئے ہیں اُس سے یہ مراد ہوگی کہ باعتبار واقع کوئی نبی یا رسول ان چار طبقوں کے علاوہ موجود نہیں ہوا۔ اور یہ مراد نہ ہوگی کہ ان چار طبقوں سے زائد ہونا باعتبار عقل بھی محتمل نہیں ہے۔

اور ہماری غرض اس رسالہ میں فقط اُس نبی سے متعلق ہے جسکو پروردگار عالم اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مقرر فرماتا ہے اور اُسکے مقرر ہونے میں کسی بشر کا توسط[ل] نہیں ہوتا۔

اور چونکہ بندوں کو نبی کے ذریعہ سے خداوند عالم کے احکام معلوم ہوتے ہیں اس لئے اُس نبی کو رسول اور پیغامبر اور سفیر بھی کہتے ہیں۔

نبی اور رسول کا فرق

اگرچہ لغت میں نبی اور رسول کا ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتا ہے لیکن علماء اعلام نے باعتبار اصطلاح اُن دونوں میں دو[۲] وجہوں سے فرق کیا ہے۔

پہلی وجہ رسول وہ شخص ہے جس کو حقتعالیٰ کی طرف سے تازہ شریعت عطا ہوئی ہو خواہ وہ (شریعت) ابتدائی ہو جیسے شریعت حضرت آدمؑ یا کسی پہلی شریعت کے لئے ناسخ ہو جیسے شریعت حضرت نوحؑ اور نبی کے لئے شریعت کا عطا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس صورت میں ہر ایک رسول کا نبی ہونا ضروری ہوگا لیکن ہر ایک نبی کا رسول ہونا ضروری نہ ہوگا

[ل] وہ شخص جس کے منجانب اللہ مقرر ہونے میں بشر کا توسط ہوتا ہے اُسکو امام اور خلیفہ رسول کہتے ہیں ۱۲

جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ اس لئے کہ یہ دونوں بزرگوار نبی تھے لیکن رسول نہ تھے۔ کیونکہ اُن کے لئے کوئی تازہ شریعت عطا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے لیکن فرق مذکور بظاہر صحیح نہیں ہے ورنہ حضرت یونسؑ اور حضرت لوطؑ کا رسول ہونا باطل ہوگا حالانکہ اُنکا رسول ہونا قابل انکار نہیں ہے۔

دوسری وجہ۔ رسول وہ شخص ہے جو نزول وحی کے وقت فرشتہ کی آواز بھی سُنتا اور بیداری میں اُسکا معائنہ بھی کرتا ہے اور اُسکو خواب میں بھی دیکھتا ہے۔

اور نبی کے لئے فرشتہ کا بیداری کی حالت میں معائنہ کرنا لازمی نہیں ہے پس اس صورت میں بھی ہر ایک رسول کا نبی ہونا ضروری ہوگا لیکن ہر ایک نبی کا رسول ہونا ضروری نہ ہوگا۔ اور اسی مطلب کی احادیث معصومین علیہم السلام میں بکثرت تصریح ہوئی ہے۔ اس مقام پر بعض احادیث کا وارد کرنا مناسب ہے۔

پہلی حدیث وہ ہے جسکو زرارہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ (زرارہ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ سے سوال کیا کہ

من الرسول و النبی من المحدث	رسول کون ہے نبی کون ہے اور محدث کون ہے۔

پھر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔

الرسول الذی یاتیه جبرئیل فیکلمه قبلا فیراه	رسول وہ شخص ہے جسکے پاس حضرت جبرئیلؑ آتے ہیں اور بالمشافہ اس سے ہمکلام ہوتے ہیں اور وہ انکو اسی طرح دیکھتا ہے

لہ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اور وقتوں میں فرشتہ کی آواز کو وہ لوگ بھی سن سکتے ہیں جو نبی یا رسول نہیں ہیں جیسے حضرت ہاجرہ اور جناب سیدہؑ کا اسکی آواز کو سننا اسیطرح فرشتہ کا اور وہ لوگ بھی معائنہ کر سکتے ہیں جو رسول نہیں ہیں جیسے حضرت سلیمانؑ نے ملک الموت کو معائنہ کیا تھا حالانکہ آپ نبی تھے اور رسول نہ تھے یا حضرت مریمؑ نے حضرت جبرئیلؑ کو اور آسیہ بنت مزاحم نے دیگر فرشتوں کا معائنہ کیا تھا حالانکہ وہ دونوں نبی اور رسول نہ تھیں۔ پس معلوم ہوا کہ فقط نزول وحی کے وقت فرشتہ کی آواز کا سُننا یا اُسکا معائنہ کرنا رسول کے ساتھ مخصوص ہے ۱۲

كما يرى احدكم صاحبه
الذي يكلمه
فهذا الرسول
والنبي الذي يؤتى في النوم
نحو رؤيا ابراهيم ونحو ما كان
يأخذ رسول الله من السبات
اذا اتاه جبرئيل في النوم فهكذا النبي
ومنهم من يجتمع له الرسالة
والنبوة فكان رسول الله
رسولا نبيا يأتيه
جبرئيل قبلا فيكلمه
ويراه ويأتيه في النوم
واما المحدث فهو الذي يسمع كلام
الملك فيحدثه من غير ان يراه
ومن غير ان يأتيه في النوم

جسطرح تم لوگوں میں سے کوئی شخص اپنے رفیق کو
دیکھتا ہے جو اُس سے ہمکلام ہوتا ہے
پس یہ شخص رسول کہلاتا ہے۔
اور نبی وہ شخص ہے جسکے پاس خواب کی حالت میں حضرت
جبرئیل آتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم کا خواب تھا اور جیسا کہ
ہمارے حضرت پر خواب طاری ہوتا تھا جبکہ آپکے پاس
حضرت جبرئیل آتے تھے پس نبی ایسا ہی شخص کہلاتا ہے
اور کسی شخص کے لئے نبوت و رسالت دونوں جمع ہوجاتی ہیں
پس ہمارے حضرت رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ اور
حضرت جبرئیل آپکے پاس (بیداری میں بھی) آتے اور
آپسے ہمکلام ہوتے تھے آپ اُنکا معائنہ کرتے تھے
اور خواب میں بھی آتے تھے۔
اور محدث وہ شخص ہے جو فرشتہ کا کلام سنتا ہے اور
اُس سے ہمکلام ہوتا ہے لیکن اُسکو دیکھ نہیں سکتا اور
اور نہ اُسکے پاس وہ (فرشتہ) خواب میں آتا ہے

دوسری حدیث وہ ہے جسکو احول نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے
وہ (احول) کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ سے رسول و نبی اور محدث کے معنے دریافت کئے
آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

الرسول هو الذي يأتيه جبرئيل
قبلا فيراه ويكلمه فهذا الرسول
واما النبي فهو الذي يرى في منامه

رسول وہ شخص ہے جس کے پاس حضرت جبرئیل آتے ہیں
اور وہ اُن کو برأی العین دیکھتا ہے اور اُن سے ہمکلام ہوتا ہے یہی شخص رسول کہلاتا ہے
اور نبی وہ شخص ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے

نحو رؤیا ابراھیم ونحو ما کان رای رسول اللہ من اسباب النبوۃ قبل الوحی حتی اتاہ جبرئیل من عند اللہ عزوجل بالرسالۃ وکان محمد حین جمع لہ النبوۃ و جاءتہ الرسالۃ من عند اللہ تجیئہ بہا جبرئیل ویکلمہ بہا قبلا ومن الانبیاء من جمع لہ النبوۃ ویری فی منامہ ویاتیہ الروح ویکلمہ ویحدثہ من غیر ان یری فی الیقظۃ واما المحدث فھو الذی یحدث فیسمع ولا یعاین ولا یری فی منامہ

جیسے حضرت ابراہیمؑ کا خواب دیکھنا یا ہمارے حضرت کا اسباب نبوت کو قبل وحی دیکھنا یہانتک کہ حضرت جبرئیل آپکے پاس خدا کی طرف سے رسالت لیکر آئے اور جبکہ ہمارے حضرتؐ کیلئے نبوت اور رسالت دونوں مرتبے جمع ہوگئے تھے تو حضرت جبرئیلؑ سے آپ ہمکلام بھی ہوتے تھے اور انکو معائنہ بھی کرتے تھے اور انبیاء میں بعض ایسے بزرگوار بھی گذرے ہیں جو فرشتوں کو خواب میں دیکھتے تھے اور روح القدس انکے پاس آتے تھے اور اُنسے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور باتیں کرتے تھے بدون اس کے کہ وہ اُن (فرشتوں) کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہوں۔
اور محدث وہ شخص ہے جس سے فرشتے باتیں کرتے ہوں اور وہ اُن کے کلام کو سنتا ہو اور اُنکا معائنہ نہ کرتا ہو اور انکو خواب میں نہ دیکھتا ہو۔

تیسری حدیث وہ ہے جسکو زرارہ نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کیا ہے وہ (زرارہ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ سے قول باری تعالیٰ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا کے متعلق دریافت کیا کہ رسول اور نبی سے کیا مراد ہے؟ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

النبی الذی یری فی منامہ ویسمع الصوت ولا یعاین الملک والرسول الذی یسمع الصوت ویری فی المنام ویعاین الملک (الحدیث)

نبی وہ شخص ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اسکی آواز سنتا ہے۔ اور بیداری میں اُسکا معائنہ نہیں کرتا۔ اور رسول وہ شخص ہے جو فرشتہ کی آواز سنتا ہو اور خواب میں اُسکو دیکھتا ہے اور بیداری میں اسکا معائنہ کرتا ہے۔

چوتھی حدیث وہ ہے جو بروایت اسمٰعیل بن مرار منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ حسن بن عباس معروفی نے

جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ

جعلت فداك اخبرني ما الفرق بين الرسول والنبي والامام

میں آپ پر فدا ہوں ارشاد فرمائیے کہ رسول اور نبی اور امام میں کیا فرق ہے۔

پس حضرت علیہ السلام نے جواب میں تحریر فرمایا یا ارشاد فرمایا کہ

الفرق بين الرسول والنبي والامام ان الرسول الذي ينزل عليه جبرئيل فيراه ويسمع كلامه وينزل عليه الوحي وربما رأى في منامه نحو رؤيا ابراهيم والنبي ربما سمع الكلام وربما رأى الشخص ولم يسمع والامام هو الذي يسمع الكلام ولا يرى الشخص

رسول، اور نبی اور امام میں یہ فرق ہے کہ رسول، وہ شخص ہے جس پر حضرت جبرئیل نازل ہوتے ہیں اور وہ انہیں دیکھتا اور اُن کے کلام کو سُنتا ہے اور اُس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی خواب میں بھی دیکھتا ہے جیسے حضرت ابراہیم کا خواب اور نبی کبھی کبھی کلام کو سنتا ہے اور کبھی کبھی فرشتہ کو دیکھتا ہے اور کلام کو نہیں سُنتا۔ اور امام وہ شخص ہے جو کلام سُنتا ہے اور فرشتہ کو نہیں دیکھتا۔

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو برید نے جناب امام محمد باقر اور جناب امام جعفر صادق علیہما السلام سے قول باریتعالیٰ۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي ولا محدث۔ کی تفسیر کے متعلق نقل کیا ہے وہ (برید) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیہ السلام کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ۔

جعلت فداك ليست هذه قرائتنا فما الرسول والنبي والمحدث

میں آپ پر فدا ہوں، یہ ہماری قرأت نہیں ہے ارشاد فرمائیے کہ رسول اور نبی اور محدث سے کیا مراد ہے

حضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

الرسول الذي يظهر له الملك فيكلمه۔ والنبي هو الذي يرى في منامه

رسول وہ شخص ہے جس کے لئے فرشتہ ظاہر ہوتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے اور نبی وہ شخص ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے

ورُبما اجتمعت النبوة والرسالة لواحد والمحدث الذی یسمع الصوت ولا یری الصورة-	اور ربا اوقات نبوت و رسالت ایک شخص کے لیے مجتمع ہوجاتی ہیں اور محدث وہ شخص ہے جو فرشتہ کی آواز سنتا ہے اور اُسکی صورت نہیں دیکھتا-

راوی کہتا ہے کہ مینے عرض کیا کہ

کیف یعلم ان الذی رای فی النوم حق وانہ من الملک	یہ کیونکر معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہ حق ہے اور جسے خواب میں دیکھا ہے وہ فرشتہ ہی ہے

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

یوفق ان لک حتی یعرفہ	اس کے پہچاننے کی خدا توفیق کرامت فرماتا ہے-

تنبیہ:- ان احادیث کو لکھ کر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار مذکورہ سے نبی و امام میں فرق کا استنباط کرنا اور اسیطرح ان اخبار اور دیگر احادیث میں جمع کرنا بھی خالی از اشکال نہیں ہے لیکن جو کچھ کہ اکثر اخبار سے ظاہر ہوتا ہے وہ اسیقدر ہے کہ امام کسی حکم شرعی کو خواب میں نہیں دیکھتے اور نبی اُسکو کبھی خواب میں دیکھتے ہیں اور امام و نبی اور رسول میں یہ فرق ہے کہ رسول فرشتہ کو القاء حکم کے وقت دیکھتے ہیں اور نبی جو رسول نہوں اور امام اُس (فرشتہ) کو حالت مذکورہ میں نہیں دیکھتے اگرچہ باقی احوال میں اُسکا معائنہ کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ جس فرشتہ کو یہ دونوں (نبی و امام) نہیں دیکھتے اُس (فرشتہ) سے خصوص حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں اور جملہ احوال میں عموم ہو لیکن اس مطلب میں بھی بعض روایات کی مخالفت لازم آتی ہے اور اخبار سے قطع نظر کرکے انبیاء غیر اولو العزم اور آئمہ علیہم میں شاید یہ فرق ہو کہ حضرات ائمہ نواب رسول ہیں اور کسی علم کو بغیر انکی نیابت نہیں پہونچاتے اور انبیاء علیہم اگرچہ اپنی غیر کی شریعت کے تابع ہوتے تھے لیکن وہ بالاصالۃ مبعوث ہوتے تھے- اگرچہ وہ نیابت باعتبار رتبہ اسی اصالت سے اشرف و اعلٰی ہے- اور بعض علماء نے نبی

و امام میں یہ فرق کیا ہے کہ فرشتہ نبی پر حکم کو بر وجہ تعلیم القا کرتا ہے اور امام پر تنبیہ کے لئے
القا کرتا ہے۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ ہمکو اس امر کا اعتقاد کرنا ضروری ہے کہ آئمہ ع انبیا
نہ تھے اور یہ کہ وہ ہمارے حضرت ص کے سوا باقی تمام انبیاء اور اوصیاء سے افضل و اشرف
تھے۔ اور ہمکو کوئی سبب ایسا معلوم نہیں ہوتا جس کی وجہ سے یہ حضرات نبوت کے ساتھ
متصف نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ اسمیں حضرات خاتم الانبیاء ع کی جلالت قدر کی
رعایت ملحوظ ہو۔ اور ہماری عقلیں نبوت و امامت میں کوئی بیّن فرق نہیں کرتیں اور جو کچھ
کہ مدلول اخبار تھا وہ معلوم ہو چکا۔ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے عقائد صدوق علیہ الرحمہ کی شرح
میں ارشاد فرمایا ہے کہ وحی کی اصل ہے کلام پوشیدہ۔ بعد ازاں اسکا ہر ایسی شے پر اطلاق
کیا جاتا ہے جس سے فقط مخاطب کا بطور راز سمجھانا مقصود ہو پس جبکہ وہ (وحی) خدا کی
طرف منسوب ہوتی ہے تو عرف اسلام میں وہی کلام مراد ہوتا ہے جو پیغمبروں کے ساتھ
مخصوص ہو حقتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ الآیہ — ہمنے مادر موسےٰ کی طرف وحی کی۔

پس اہل اسلام نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ وحی سے اس مقام پر وہ کلام مراد ہے جسکو
کہ خصوص مادر حضرت موسیٰ نے اپنے خواب میں سُنا تھا۔ اور حق تعالےٰ نے ارشاد
فرمایا ہے کہ

واوحی ربک الی النحل الآیہ — تمہارے خدا نے مگس شہد کی طرف وحی کی

اس مقام پر وحی سے وہ پوشیدہ الہام مراد ہے جسکا علم خصوص نحل (مگس شہد) کو حاصل
ہوا تھا۔ اور کبھی حقتعالی اپنی بہت سی مخلوق کو خواب میں ایسی چیزیں دکھلا دیتا ہے
جسکی تاویل صحیح اور حقیقت ثابت ہوتی ہے لکن استقرار شریعت کے بعد اسپر لفظ وحی کا
اطلاق کرنا درست نہیں ہے اور اسوقت میں اگر خداوند عالم کسی شخص کو کسی شے کے
علم پر مطلع فرمائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے اُسپر وحی کی اور ہمارے نزدیک یہ امر ثابت ہے

کہ حقتعالیٰ حضرات معصومین ع کو بہت سے ایسے علوم پر مطلع کرتا ہے جو زمانہ آیندہ سے متعلق ہوتے ہیں لیکن اُسپر لفظ وحی کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔ اِس لئے کہ جملہ اہل اسلام نے اتفاق کیا ہے کہ ہمارے نبی ص کے بعد کسی شخص پر وحی نہوگی اور حقتعالیٰ کے لئے اس امر کا اختیار ہے کہ وہ کسی کلام کے اطلاق کو بعض اوقات جائز کرے اور بعض اوقات ناجائز قرار دے۔ رہے معانی تو وہ اپنی حقیقتوں میں کسی وقت بھی متغیر نہیں ہو سکتے اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب المقالات میں ارشاد فرمایا ہے کہ عقل کی نزدیک حضرات آئمہ معصومین پر وحی کا نازل ہونا ممنوع نہیں ہے اگرچہ وہ حضرات انبیا نہیں ہیں اس لئے کہ حقتعالیٰ نے مادر موسیٰ ع کی طرف وحی کی تھی کہ تم اُسکو دودھ پلاؤ حالانکہ وہ نہ نبی تھیں نہ رسول تھیں اور نہ امام تھیں لیکن وہ خدا کی نیک بندوں میں داخل تھیں۔ اور ہم جو حضرات آئمہ معصومین پر نزول وحی کا انکار کرتے ہیں اُسکی وجہ یہ ہے کہ اِس امر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جو شخص اس امر کا قائل ہو کہ بعد ہمارے حضرت کے کسی شخص کی طرف وحی ہوتی ہے تو وہ خاطی اور کافر ہے اور اس مطلب کا دینِ اسلام میں علم حاصل ہو چکا ہے جس طرح کہ عقل کے نزدیک جائز تھا کہ ہمارے نبی ص کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہو۔ اور ہماری شریعت مثل دیگر شریعتوں کے منسوخ ہو لیکن اجماع نے اِس امر کو منع کر دیا۔ اور اس امر کا علم ضروری حاصل ہوا کہ استقرار شریعت کے بعد کسی شخص پر نزول وحی کا قائل ہونا دین اسلام کے مخالف ہے انتہیٰ کلامہ ملخصاً۔

اور اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات آئمہ معصومین پر استقرار شریعت کے بعد نزول وحی کا قائل ہونا یا اُن کو انبیا کہنا صحیح نہیں ہے اگرچہ ان حضرات کا ہمارے حضرت کے سوا دیگر انبیا ع سے افضل اور اشرف ہونا بدون اشکال صحیح ہے۔ اگرچہ اس مطلب کی حقیقت تک ہماری ناقص عقلوں کی رسائی نہ ہو ۱۲

حُسنِ بعثت کا بیان

تمام عقلاء نے بعثت انبیاء علیہم السلام کے مستحسن ہونے پر اتفاق کیا ہے جسپر کئی امروں کے ساتھ استدلال ہو سکتا ہے۔

پہلا امر اس میں شبہ نہیں ہے کہ بعثتِ انبیاء سے اُن چیزوں کی تائید ہوتی ہے جنکے ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے جیسے بارتعالیٰ عز اسمہ کا موجود اور اسکا عالم و قادر ہونا اس لئے کہ بعض اوقات قوتِ واہمہ اور عقل میں معارضہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے عقل کے لئے نقلی دلائل کے ساتھ تائید کے حاصل ہونیکی ضرورت پیش آتی ہے۔

اعتراض جن چیزوں کے ادراک کرنے میں عقل کا مستقل ہونا فرض کیا جاتا ہے اگر وہ (ادراک عقلی) تائید نقل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تو خلاف فرض لازم آئے گا۔ اس لئے کہ عقل کا اپنے ادراک میں مستقل ہونا فرض کر لیا گیا ہے۔ اور اگر وہ (ادراک عقلی) بغیر نقل کے حاصل ہو سکتا ہے تو تائید کا فرض کرنا بیکار ہو گا۔

جواب اگرچہ عقل بغیر نقل کے ادراک کر سکتی ہے مگر وہ (ادراک عقلی) معرض زوال میں ہے تا کہ اس سلئے کہ احکام وہم کبھی اُس (ادراک عقلی) پر غالب آجاتے ہیں اور انسان کے نزدیک احکام عقلیہ پر عمل کرنا معتنا بہ نہیں رہتا۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ ادراک عقلی کے مختلف مرتبے ہیں اور اعلیٰ مرتبہ وہی ہے جسمیں پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ (پورا اطمینان) بغیر نقل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اس مطلب کی فی الجملہ شرح اس طرح ہو سکتی ہے کہ کوئی انسان کسی اجنبی شہر میں وارد ہو اور اُسکی عقل حکم کرتی ہو کہ اس شہر کے لئے کوئی نہ کوئی رئیس ضرور ہو گا جو اہل شہر کا مرجع و ماوےٰ قرار پاتا ہو لیکن بسا اوقات قوتِ واہمہ اُسکے دل میں یہ وسواس پیدا کر دیتی ہے کہ یہ امر ممکن ہے کہ اس شہر میں کوئی رئیس نہ ہو بلکہ تمام اہل شہر کی طبیعتیں صلح پسند ہوں اور وہ خود ہی اپنی طبیعتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر ظلم

وزیادتی نہ کرتے ہوں۔

اب اگر کوئی معتبر اور باوثوق آدمی اس امر کی خبر دے کہ اس شہر میں ایک رئیس موجود ہے جو اپنے احکام کو نافذ کرتا ہے اور اہلِ شہر اُسکے خوف سے ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے تو ایسی صورت میں تو شبہ واہمہ کو کسی وسوسہ کے پیدا کرنے کا موقع نہ ملیگا۔

دوسرا امر بعض اوقات عقل کو کسی مطلب کا اجمالی طور سے ادراک ہوتا ہے اور اُسکی تفصیل کے حاصل کرنے پر قدرت نہیں ہوتی۔ فرض کیجئے کہ کسی شخص کو عقل کے ذریعہ سے بطور اجمال اسقدر معلوم ہو کہ خداوند عالم بعض اُمور سے راضی اور بعض اُمور سے ناراض ہوتا ہے لیکن اُن اُمور کی تفصیل معلوم نہ ہو جو راضی یا ناراض ہونیکا سبب قرار پاتے ہیں تو اس صورت میں شخص مذکور کو ایسے واقفکار کی ضرور حاجت ہوگی جو ایسے اُمور کی تفصیل پر مطلع کر سکتا ہو۔

تیسرا امر بسا اوقات عقل کو بعض اُمور سے غفلت ہو جاتی ہے اور کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جسکی تنبیہہ کے بعد اُسکی غفلت برطرف ہو سکتی ہو۔

چوتھا امر بعض اوقات ایسے اُمور پیش آتے ہیں جو عقل پر مشتبہ ہو جاتے ہیں جنکے ادراک کرنے میں عقل مستقل نہیں ہوتی اگرچہ اُن کے محال ہونے کا بھی حکم نہیں کرتی ایسی صورت میں تحصیل ادراک کے لئے ایسے شخص کی ضرورت پیش آئیگی جسکی خداوندعالم تائید فرمائے اور اُسکے پاس اپنی راست گوئی کے لیے شواہد موجود ہوں جنکی وجہ سے اُسکی تصدیق لازم ہو۔

پانچواں امر بہت سی صنعتیں ایسی ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ اُن کے دریافت کرنے کے لئے ایسے حضرات کی ضرورت ہے جنکو خداوندعالم نے تعلیم فرمایا ہو۔ اور کتب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والے حضرات جانتے بھی ہیں کہ بہت سی صنعتوں کو خداوندعالم نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے لوگوں کو تبلایا ہے۔

چھٹا امر زہریلی غذاؤں سے زہر کا دور کرنا یا ایسی غذاؤں کا دیگر غذاؤں اور دواؤں سے ممتاز کرنا ایک ضروری امر ہے جسپر مطلع ہونے کے لئے ایسے حضرات کے بیان کرنیکی حاجت

جو اُنپر منجانب اللہ مطلع ہوکر بتا سکتے ہوں۔

ساتواں امر دنیا کی موجودہ اشیاء میں تصرف کرنے سے اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اُنکا مالک ہمارے اِس تصرف سے ناراض ہو اور اسی طرح تصرف نہ کرنیکی صورت میں یہ خوف ہوتا ہے کہ ہم سے نیک باتیں چھوٹ نہ جائیں۔ پس جبکہ تصرف کرنے اور نہ کرنے دونوں حالتوں میں مالک کی باز پرس کا خوف فرض کیا گیا تو اُسکے دفعیہ کی غرض سے ایسی شخص کا خداوند عالم کی طرف سے مبعوث ہونا ضرور مستحسن ہوگا۔ جو اس خوف کو دور کرے اور خداوند عالم کے راضی اور ناراض ہونیکے مقامات کو تبلاتا رہے۔

آٹھواں امر بعض افعال کے حسن کا مفسدہ کے ساتھ اور بعض افعال کے مفسدہ کا حسن کے ساتھ بدل جانا ممکن ہے اور اُسپر انسانی عقل کے نزدیک مطلع ہونے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے لہذا اس مطلب کے بیان کرنے کی غرض سے ایسے شخص کا خدا کی جانب سے مبعوث ہونا ضرور مستحسن ہوگا جو عقلوں کو واقعی حالات پر آگاہ کرتا رہے۔

نواں امر نفوس بشریہ کا علمی اور عملی کمالات کے ساتھ مکمل ہونا مطلوب ہے جو بعثتِ انبیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ لہذا انبیاء کا مبعوث ہونا مستحسن ہوگا۔

دسواں امر انسان کے لئے تہذیب اخلاق کا حاصل ہونا اور اسیطرح تدبیر منزل اور سیاست مدن کا حاصل ہونا مرغوب ہے جسپر انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے اطلاع ہوسکتی ہے جسکے لئے انبیاء کا مبعوث ہونا مستحسن ہے۔

گیارھواں امر ہر ایک فعل پر جو ثواب اور عذاب مترتب ہوتا ہے اُسکی تفصیل کا معلوم ہونا ایک مفید امر ہے جو بعثت انبیاء کے بعد حل ہوسکتا ہے لہذا خدا کی جانب سے انبیا کا مبعوث ہونا مستحسن ہوگا۔

بارھواں امر تکلیف کی خوبی پر بہت سے ادلّہ قایم ہوچکے ہیں جنکا تفصیلی تذکرہ کتاب العدل میں ہوچکا ہے اور ظاہر ہے کہ واقعی تکلیف پر بغیر ایسے بزرگواروں کے اطلاع نہیں ہوسکتی جو

اپنی راست گوئی پر معجزے ایسے شواہد کو پیش کر سکتے ہوں۔ اور تائید ربانی سے انکی تصدیق ہو چکی ہو

ثبوت نبوت کے عقلی دلائل

نبوت کے ثابت ہونے پر بہت سے عقلی دلائل موجود ہیں جن پر نظر کرنے کے بعد اس امر میں ہرگز شبہ نہیں رہتا کہ حکیم مطلق پر نبی کا مبعوث کرنا نہایت ضروری ہے مگر ہم اس مقام پر صرف بعض دلیلوں کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو ہر ایک منصف مزاج کے لئے اثبات مطالب میں کافی اور وافی ہیں اور وہ کئی ہیں

پہلی دلیل اسمیں شبہ نہیں ہے کہ جب کوئی انسان نیستی سے ہستی کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنے بچپنے کے زمانہ میں اپنی ضروریات کے بہم پہونچانے سے بالکل عاجز ہوتا ہے اور اُسکو ایک ایسے سرپرست اور مربی کی حاجت ہوتی ہے جو اُسکی پوری پوری نگرانی کرتا رہے اور اس کے لئے زندگی کے اسباب بہم پہونچاتا رہے اور اُسکو سردی و گرمی اور درندوں کی گزند اور دیگر ضرر کی چیزوں سے بچاتا رہے۔ اب اگر ہر ایک انسان کے لئے ایک سرپرست کا موجود ہونا فرض کیا جائے تو اس سلسلہ کا غیر محدود ہونا لازم آئیگا جس کا باطل ہونا بہت واضح ہے۔ لہذا اس سلسلہ کا ایسے شخص کی طرف منتہی ہونا ضروری ہوا جس کو اپنے زندہ اور باقی رہنے میں کسی دوسرے سرپرست اور مربی کی حاجت نہ ہو۔ اور یہ کہ وہ اپنے تمام ضروریات کو خود انجام دیسکتا ہو۔ پس ابتدائے خلقت میں ایک ایسے شخص کا موجود ہونا ضروری ہوا جو خدا کی طرف سے تعلیم یافتہ اور اپنے جملہ ضروریات کے فراہم کرنے اور دوسروں کی تربیت اور سرپرستی کرنے پر قادر ہو۔ اس تقدیر پر شخص مذکور میں چند وصفوں کا موجود ہونا لازم قرار پاتا ہے۔

اوّل اسکا کامل العقل اور مکلف اور لوازم اطفال سے بری ہونا تا کہ اسکو اپنی زندگانی

بسر کرنے اور باقی رہنے میں کسی دوسرے سرپرست اور مربی کی حاجت نہو۔
دوم اسکا خداوند عالم کی طرف سے اپنے اور دیگر اشخاص کی ضروریات پر مطلع اور آگاہ ہونا تاکہ اس کو ضروری چیزوں کے معلوم کرنے میں کسی دوسرے شخص کی طرف حاجت نہو۔
سوم اسکا جملہ ضروریات کے بہم پہونچانے پر قادر ہونا تاکہ وہ اپنی ضروریات کے بہم پہونچانے میں کسی دوسرے شخص کا محتاج نہ ہو اور یہ مطلب ایسا بدیہی ہے کہ اسمیں کسی عاقل کیلئے شبہ نہیں ہوسکتا اور جو شخص کہ اوصاف مذکورۂ بالا کے ساتھ موصوف ہو اسکو نبی کہتے ہیں پس ابتداء خلقت میں نبی کا موجود ہونا لازم ہوا اسی لئے حکیم مطلق نے ابتدائے خلقت میں حضرت آدمؑ کو نبی قرار دیا اور انکو اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف کیا جنکی وجہ سے نظم عالم درست ہوا۔

دوسری دلیل عالم کی جملہ چیزوں کا حادث ہونا اور انکا اپنے حادث اور پیدا ہونے میں صانع عالم کیطرف محتاج ہونا۔ اور صانع عالم کا حکیم مطلق ہونا اور حکیم مطلق سے کسی عبث اور بے فائدہ کام کے صادر ہونیکا محال ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہوچکا ہے۔ اور اس مطلب کی کتاب التوحید والعدل میں بھی نہایت کافی طور سے شرح اور تفصیل ہوچکی ہے۔ پس اس عالم کے پیدا کرنے میں کسی حکمت کا موجود ہونا بہرحال ضروری ہوا ورنہ لازم آئیگا کہ حکیم مطلق نے اس عالم کو بے فائدہ اور عبث پیدا کیا ہو۔ اور جو شخص کہ اس عالم کی خلقت پر ذرا سا غور کریگا اسکو بدیہی طور سے معلوم ہوجائیگا کہ اسکی خلقت کسی طرح عبث اور بیکار نہیں ہوسکتی ورنہ لازم آئیگا کہ عالم کا پیدا کرنا ایسا لغو اور بے فائدہ کام ہو جسکی نظیر کسی ادنے سے ادنے کاریگر میں بھی موجود نہو مثلاً اگر کوئی کمہار ہزاروں برس کی مدت تک طرح طرح کے کوزے اور برتن بنائے اور بنا لینے کے بعد انکو بلاوجہ توڑتا جائے اور پھر نئے سرے سے برتنوں کو بناتا جائے اور عبث عبث انکو توڑتا جائے تو لوگوں کو اس کام کے عبث اور بے فائدہ ہونے میں کسیطرح کا شبہ نہوگا اور ہر ایک عاقل اس کمہار کی مذمت کریگا۔ پس حکیم مطلق سے کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ

نوع انسان کو پیدا کرے اور اُسکو اشرف المخلوقات کا گران بہا خطاب عطا فرمائے اور اس کو طرح طرح کی تکلیفوں اور بلاؤں اور انواع و اقسام کی بیماریوں اور زحمتوں میں مبتلا کرے بعد ازاں اُسکو ہلاک کرے اور پھر از سر نو اسکو پیدا کرے اور عبث عبث ہلاک کرتا جائے اِس صورت میں معمولی عقل کا انسان بھی اِس نتیجہ پر ضرور پہونچتا ہے کہ حکیم مطلق نے اس عالم کو عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا بلکہ اسکے پیدا کرنے میں کوئی اعلیٰ درجہ کی حکمت اور مصلحت ملحوظ ہے اب اگر فرض کیا جائے کہ عالم کے پیدا کرنے میں جو اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے اِس کو ضرر پہونچانا اور ایذا رسانی مراد ہے تو حکیم مطلق کا ظالم اور ستمگار ہونا لازم آئیگا حالانکہ اسکی مقدس ذات کا ہر ایک قسم کی بُرائی سے منزہ اور پاک ہونا قطعی اور یقینی ہے جس کا کتاب العدل میں مفصل تذکرہ موجود ہے اس تقدیر پر ضرور ہوا کہ اس اعلیٰ درجہ کی حکمت سے نفع پہونچانا اور احسان کرنا مراد ہو اب چونکہ ایسے شخص پر انعام اور احسان کرنا قبیح ہے جو اسکا مستحق نہو اس لئے ضرور ہوا کہ احسان کرنا بھی اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو۔ جو اسکا مستحق ہے کیونکہ مستحق اور غیر مستحق کا احسان کرنے میں برابر کر دینا قبیح ہے۔ جس کا خدا کی مقدس ذات سے صادر ہونا محال ہے۔ لیکن کسی شخص کا احسان و انعام کے لئے مستحق ہونا اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جبکہ اس سے خداوند عالم اپنے کسی حکم کے بجالانے یا ترک کرنے کو متعلق کرے پس تا وقتیکہ خداوند عالم کا کوئی حکم اس کے بندوں سے متعلق نہو گا اسوقت تک ان (بندوں) کا مستحق یا غیر مستحق ہونا معلوم نہو گا اس صورت میں خداوند عالم کے حکموں کا بندوں سے متعلق ہونا ضروری ہوا اور ظاہر ہے کہ خداوند عالم کے حکموں پر اسوقت تک اطلاع نہیں ہو سکتی جبتک کہ کوئی شخص ان (حکموں) کو بندوں تک پہونچانے والا فرض نہ کیا جائے پس ایسے شخص کا موجود ہونا ضروری ہوا جو خدا کے حکموں کو بندوں تک پہونچائے اور ایسے ہی شخص کو نبی اور رسول کہتے ہیں لہذا حکیم مطلق پر انبیاء کا مبعوث کرنا لازم ہوا فرض کرو کہ اگر ولایت کی پارلیمنٹ میں کوئی قانون پاس ہو جائے تو ہندوستان کے باشندوں پر

وہ قانون ہم اسوقت تک نافذ ہوگا جب تک کہ حکام ہندوستان کے ذریعہ سے اُن تک پہونچ نہ جائے۔ پس بلاتشبیہ کارخانۂ قدرت کو پارلیمنٹ کی جگہ اور بندوں کو ہندوستان کے باشندوں کی جگہ اور انبیا کو حکام کی جگہ سمجھو جن کے ذریعہ سے پارلیمنٹ کے احکام ہندوستان کے باشندوں تک پہونچتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس مطلب کی شرح اس طرح ہوسکتی ہے کہ حکیم مطلق نے انسان کو عقل وشعور کا ایسا جوہر عطا فرمایا ہے جسکی وجہ سے اسکو دیگر حیوانات سے امتیاز حاصل ہے اور یہ کہ وہ ہر طرح کے کمالات کو حاصل کرسکتا ہے۔ اب اگر خدا کی طرف سے باوجود عقل کے بھی اسپر کسی قسم کی پابندی لازم نہ کی جائے تو لازم آئیگا کہ خدا نے اسپر بہایم کی طرح ہر ایک بُرے کام کو مباح کردیا ہو اور یہ کہ خدا اس سے شرک اور بت پرستی اور چوری اور زناکاری اور گالی گلوچ وغیرہ بُرے کاموں کے اختیار کرنے اور توحید اور خدا پرستی اور امانت داری اور دیگر اچھے کاموں کے ترک کرنے پر راضی ہو لیکن ہر ایک معمولی عقل کا بھی آدمی اس امر کو تجویز نہیں کرسکتا کہ حکیم مطلق باوجود اپنے کمال حکمت وقدرت کے ویسے اُمور پر راضی ہو۔ اور جب کہ حکیم مطلق کا بُری باتوں کے اختیار کرنے اور اچھی باتوں کے چھوڑنے پر راضی ہونا درست نہیں ہے تو انسان کی تعلیم کے لئے خدا کی طرف سے ایک شخص کا موجود ہونا لازم ہوا جو اسکو اچھے کاموں کے اختیار کرنے اور بُرے کاموں کے ترک کرنیکی طرف ہدایت کرے اور جو شخص کہ خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کیلئے مقرر ہو اسی کو نبی اور رسول کہتے ہیں پس نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔

اعتراض اس مقام پر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ انسان کو اچھے اور بُرے کاموں کی نسبت اسکی عقل ہدایت کرسکتی ہے پس جس کام کو کہ عقل اچھا کہتی ہے اُسکو اختیار کرے اور جس کام کو عقل بُرا کہتی ہے اُسکو ترک کرے اس صورت میں نبی کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب۔ یہ اعتراض کئی وجہوں سے قابل التفات نہیں ہے۔

اوّل یہ کہ عقل انسانی کی معلومات بہت ہی محدود ہیں اور اسکو بہت سے کاموں کی خوبی

اور بھلائی یا بدی اور بُرائی پر اطلاع نہیں ہوسکتی۔ جیسے ماہِ رمضان کے روزہ کا واجب ہونا
اور عید کے روزہ کا حرام ہونا یا فلاں عورت سے نکاح کا جائز ہونا وغیرہ وغیرہ۔ پس
ایسے امروں میں انسان کو اسکی عقل ہرگز ہدایت نہیں کرسکتی۔ پس ایسے امروں میں انسان
کا نبی کیطرف محتاج ہونا اور خود انسانی عقل کا انکی ہدایت کرنے میں کافی نہ ہونا بہت ظاہر ہے
دوم یہ کہ عقل کے ذریعہ سے جن اُمور پر اطلاع ہوسکتی ہے اُنپر بھی انسان کو عمل کرنا دشوار ہوتا ہے
اِس لئے کہ انسان میں جس طرح کہ عقل کا ایک جوہر موجود ہے اسی طرح نفسانی خواہشوں کا
لشکر بھی موجود ہے جو اسکو عقل کے معلومات پر عمل کرنے سے روکتا ہے اور ہر ایک
بُرے کاموں کی طرف مائل کرتا ہے۔ پس انسان کو عقل کی معلومات پر عمل کرنے میں بھی
نبی کی طرف حاجت ہوگی۔ اور اس مطلب کی تحصیل میں بھی محض عقل کافی نہو گی۔ اور اگر اس
باب میں عقل انسانی کافی ہوتی تو کوئی انسان کسی بُرے کام کو اختیار ہی نکرتا حالانکہ
انسان کا بہت سی قبیح باتوں اور بیہودہ حرکتوں کو اختیار کرنا معلوم بلکہ محسوس ہے پس ایسی
صورت میں ہدایت کے لئے عقل انسانی کے کافی ہونے کا خیال بالکل مہمل اور بے بنیاد ہوگا۔
سوم یہ کہ اگر ہدایت کے لئے محض عقل کا موجود ہونا کافی بھی فرض کرلیا جائے تب بھی
عقل کی تائید اور تاکید کے لئے نبی کا مقرر ہونا بہرحال خوب ہے۔ اِس لئے کہ نفسانی
خواہشوں کے مقابلہ میں عقل انسانی کے مغلوب ہوجانیکا قوی اندیشہ ہے۔ لہٰذا اسکی
روک ٹوک کی غرض سے نبی کا مقرر کرنا اصلح اور خوبی کے ساتھ موصوف ہوگا۔ اور حکیم
مطلق کے لئے نبی کے مقرر کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اور جس شے کا مقرر ہونا
خوب ہو اور اس کے بہم پہونچانے سے کوئی امر مانع نہو تو اس کا خداوند عالم پر بمقتضائے
حکمت بہم پہونچانا لازم ہے پس نبی کا مقرر ہونا اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔

تیسری دلیل یہ کہ عالم کی تمام چیزوں کا حادث ہونا اور نیستی کے بعد پیدا ہونا قطعی اور
یقینی دلیلوں سے ثابت ہوچکا ہے۔ جو حقتعالی کے عالم اور قادر اور حکیم مطلق ہونے پر دلالت

کرتاہے اور یہ کہ تمام مخلوقات اس کی رعیت ہے اور وہ شہنشاہ ہے اور تمام مخلوقات کو بلاتشبیہ اسکی مقدس ذات سے وہی نسبت ہے جو کسی بادشاہ عظیم الشان کو اپنی رعایا کی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس جسطرح کہ بادشاہ کے حکموں کا اسکی رعایا تک پہونچنا کسی ایسے واسطہ اور سفیر کے مقرر ہونے پر موقوف ہوتا ہے جو اُسکے حکموں پر مطلع ہو اسی طرح خداوند عالم کے حکموں کا اسکے بندوں تک پہونچنا بھی کسی ایسے واسطہ اور سفیر کے موجود ہونے پر موقوف ہوگا جو اُسکے حکموں پر مطلع ہو اور جو شخص کہ خدا اور اُسکے بندوں میں سفیر ہوتا ہے اسی کو نبی کہتے ہیں پس نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ ورنہ خدا کی سلطنت اور حکومت کا انکار لازم آئیگا جسکا بطلان بہت واضح ہے۔

چوتھی دلیل یہ کہ عالم میں ہر ایک انسان اپنے موجود اور باقی رہنے اور معقولیت[1] کے ساتھ بسر کرنے میں دوسرے انسان کا محتاج ہے اسلئے کہ کوئی انسان اپنی زندگی کے جملہ ضروریات کو تنہا بہم نہیں پہونچا سکتا۔ پس اس مطلب کے حاصل کرنیکی غرض سے انسانوں کا باہم اکٹھا ہونا اور ہر ایک انسان کا زندہ رہنا دشوار ہو جائیگا۔ مثلاً اگر ایک ہی شخص اپنے لئے کھانا بھی تیار کرے اور وہی مکان بھی بنائے اور وہی لباس بھی مہیا کرے اور علیٰ ہذا القیاس اپنی کل ضروری چیزوں کو خود ہی بہم پہونچائے تو اسکا زندہ رہنا محال ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ وہ ان ضرورتوں کے بہم پہونچانے ہی کی زمانہ میں ختم ہو جائے اور ضرورتیں باقی رہ جائیں جسکی وجہ بہت ظاہر ہے ایسی صورت میں ہر ایک انسان کو دوسرے کی

---

[1] اس عبارت میں معقولیت کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ انسان کا بہائم کی طرح بسر کرنا دوسرے طریقوں سے بھی ممکن ہے مگر اُسوقت حکیم مطلق پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ایسی زندگی کے لئے عقل عطا کرنیکی حاجت نہ تھی پس عقل کا عطا کرنا اس امر کو ضرور بتلاتا ہے کہ خداوند عالم کو انسان کا بہائم کی طرح زندگی بسر کرنا ہرگز مطلوب نہیں ہے ۱۲۔

مدد کرتا اور ایک شخص کا دوسرے سے معاملہ کرنا لازم ہوگا اور چونکہ ہر ایک انسان کی طبیعت اپنے نفع حاصل کرنے اور دوسرے کے ضرر پہونچانے کی طرف مائل ہے اس لئے باہمی معاملہ اور میل جول کرنے میں ظلم اور زیادتی کے پیش آنیکا قوی اندیشہ ہے پس ظلم کی روک تھام کے لئے کسی ایسے قانون کا موجود ہونا لازم ہوگا۔ جو ہر ایک کو ظلم کرنے سے باز رکھے اور اسکی پابندی کے ضروری ہونے پر ہر ایک شخص مجبور ہو جائے ایسی صورت میں قانون مذکور کا خدا کی طرف سے مقرر ہونا ضروری ہوگا اس لئے کہ بندوں کا بنایا ہوا قانون انکو ظلم اور زیادتی سے باز نہیں رکھ سکتا جسکی وجہ بہت واضح ہے۔ اس تقدیر پر ایسے شخص کے موجود ہونیکی ضرورت ہوگی جو اس خدائی قانون کو بندوں تک پہونچائے اور اسکے ذریعہ سے بندوں کو ظلم و زیادتی سے باز رکھے۔ اب اگر قانون کے لانے والے میں کوئی ایسی خاص علامت نہ فرض کیجائے جو اسکے راست گو ہونے پر دلالت کرے تو ہر ایک شخص کیلئے ایک ایک قانون پیش کرنا اور اسکے خدائی قانون ہونیکا مدعی ہونا ممکن اور تمام لوگوں کا کسی ایک قانون پر مجتمع ہونا محال ہوگا۔ اور ظلم و زیادتی کی روک تھام جو اسکی اصلی غرض تھی حاصل نہوگی۔ فرض کرو کہ اگر کسی بادشاہ کی رعایا میں سے ہر ایک شخص مدعی ہو کہ بادشاہی قانون میرے پاس موجود ہے اور انمیں سے کسی ایک کے پاس بھی بادشاہ کی عطا کی ہوئی کوئی علامت موجود نہو تو انمیں کوئی قانون بھی عملدرآمد کے قابل نہوگا بلکہ اگر کوئی شخص بے سمجھے بوجھے انمیں سے کسی ایک قانون کو شاہی قانون قرار دیگا تو بادشاہ کی طرف سے عتاب کا مستحق ہوگا پس خدائی قانون کے لانے والے شخص کے پاس کسی ایسی علامت کا موجود ہونا ضرور ہے جو اسکی راست گو ہونے پر دلالت کرے اور یہ کہ جو اسکو باقی اشخاص سے ممتاز کردے پس ایسے شخص کو نبی اور اسکی علامت کو معجزہ کہتے ہیں پس نظم عالم کے باقی اور محفوظ رہنے کے لئے خدا کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

اور اس دلیل پر کئی اعتراض کئے گئے ہیں۔

پہلا اعتراض نظم عالم کے باقی رہنے کے لئے زمانہ کے بادشاہوں کا رعب اور دہشت اور قانون کی پابندی اور بدمعاشوں کی روک ٹوک کی تدبیریں اور چوکیداروں کی چوکی پہری اور پولیس کی روند (گشت) کافی ہے اور کسی نبی کی موجود ہونیکی ضرورت نہیں ہے۔

جواب دنیا کے بادشاہوں کی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی قسم یہ کہ بادشاہ ایسی شوکت اور قوت رکھتا ہو جس کے بعد اُسکو رعیت کی طرف سے کسی قسم کا خوف وخطر باقی نہ رہے اور باوجود اس کے آخرت کا بھی اعتقاد رکھتا ہو اس صورت میں نظم عالم کے باقی رہنے اور ظلم وزیادتی کے برطرف ہونے کا خیال جیسا کیک اور فاسد قرار پایا ہے اُسکے بیان کرنیکی حاجت نہیں اسلئے کہ اس صورت میں اگرچہ رعیت کی طرف سے امن وامان قائم رہنا متوہم ہوسکتا ہے مگر بادشاہ کی طرف سے جسقدر بھی ظلم وزیادتی نہ ہو کم ہے اس لئے بادشاہوں میں نفسانی خواہشوں کا موجود ہونا فرض کیا گیا ہے جو اُسکو رعیت کے ظلم کرنے پر آمادہ کرتی رہینگی اور کسی قسم کا دنیوی یا اُخروی خوف کا موجود نہ ہونا فرض کیا گیا ہے جو اس کو ظلم وزیادتی سے روکتا ہے پس جبکہ ظلم وزیادتی کے اسباب موجود ہوں اور نیز کوئی امر اس سے مانع نہو تو اس کا واقع ہونا ضروری ہے پس اس صورت میں نظم عالم کا باقی نہ رہنا اور تمام رعیت پر ظلم وزیادتی کا واقع ہونا ضروری ہوگا جسکی روک تھام کے لئے کسی نبی کا موجود ہونا لازم ہے پس محض بادشاہ کا موجود ہونا اس مطلب کے لئے کسی طرح کافی نہ ہوگا۔

دوسری قسم یہ کہ بادشاہ کو اگرچہ اپنی رعیت کی طرف سے کسی قسم کا خوف وخطر نہ ہو لیکن آخرت کا اعتقاد رکھتا ہو اس صورت میں بادشاہ کو اپنی رعیت پر تسلط نہو گا اس لئے کہ رعیت پر ظلم وزیادتی کے ساتھ تسلط حاصل کرنے سے اسکو آخرت کا اعتقاد مانع ہوگا اور اپنی رعیت کو ظلم وزیادتی سے روک نہ سکیگا اب اگر بدون ظلم وزیادتی کے اس کا اپنی رعیت کو روک لینا فرض کیا جائے تو اسکا نبی ہونا ضروری ہوگا۔ اِس لئے کہ ہر ایک امر کو عدالت کے ساتھ انجام دینا اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ اسکو ہر ایک امر کی واقعی حدود پر اطلاع حاصل ہو اور جس شخص کے لئے اِس قسم

اطلاع فرض کیجائے تو وہ ضرور نبی ہوگا۔ پس نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ انتظامِ عالم کی درستی کے لئے نبی کا موجود ہونا ضروری ہے۔

تیسری قسم یہ کہ بادشاہ کو اپنی رعیت سے صرف خوف وخطرہو۔ اور آخرت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس صورت میں بھی بادشاہ کو رعیت پر تسلط نہ ہوگا اور خود بادشاہ اور رعیت دونوں سے ایسے افعال سرزد ہونگے جو ہر ایک عاقل کے نزدیک اعتدال سے خارج ہونگے۔ جسکی وجہ خود ہی ظاہر ہے پس ایسے ناشائستہ افعال سے روکنے کے لئے ایک نبی کے موجود ہونیکی ضرورت ہوگی جو انکو حد و داعتدال پر قایم رہنے کی ہدایت کرے اور حکیم مطلق کا ان سب کے گمراہی کی حالت پر باقی رہنے دینا درست نہوگا۔

چوتھی قسم یہ کہ بادشاہ کو اپنی رعیت کا خوف ہو اور آخرت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس صورت میں بادشاہ کو رعیت پر تسلط نہوگا اور اسکی رعیت ایسے افعال ناشائستہ کی مرتکب ہوگی جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرسکتا بلکہ اُنکی اور بہائم کی یکساں حالت ہوگی اور اس صورت میں رعیت کیلئے ظلم و زیادتی اور بہائم کی حرکتوں کا بہم پہونچانا اظہر من الشمس ہوگا۔ علی الخصوص جبکہ ان کے لئے بھی آخرت کا اعتقاد حاصل نہو تا فرض کرلیا جائے کہ ایسی حالت میں جو ناشائستہ افعال ان سے سرزد ہوں وہ کم ہونگے۔ بہرحال نظم عالم کے لئے ایک نبی کا موجود ہونا ایسا ضروری امر ہے جس کو ہر ایک معمولی عقل کا آدمی بھی ادنے غور کے بعد بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض نظم عالم کی درستی کے لئے اسیقدر کافی ہے کہ لوگوں کو باہمی حقوق کے حاصل ہونے کا پورا پورا علم ہو۔ اب چونکہ لوگوں پر جہالت اور نادانی غالب ہے اسوجہ سے وہ باہمی حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ اگر ہر ایک شخص کے لئے باہمی حقوق کا علم حاصل ہونا فرض کرلیا جائے تو زمانہ میں فساد بالکل نہ رہے اور عالم کا انتظام پورے طور سے قایم ہوجائیگا پس ایسی صورت میں نظم عالم کے لئے کسی نبی کے موجود ہونیکی ضرورت نہ ہوگی۔

جواب یہ امر خود محال معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے باہمی حقوق کا پورا پورا علم حاصل ہوجائے

اس لئے کہ انسانی عقل ان اُمور کے دریافت کرنے سے خود عاجز ہے اور نہ کہ اسکو علمی حقائق پر خود بخود ہرگز اطلاع نہیں ہو سکتی کیونکہ انسانی عقل کے معلومات پر بالکل محدود ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مگر مثال کے لئے ہم فقط ایک سوال کرتے ہیں کہ ایک عزیز کا دوسرے عزیز کے مال میں اسکے مرنے کے بعد کوئی حق ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہوتا ہے تو اُس کی مقدار کیا ہے اور اس مقدار کا کون سے عزیز کو استحقاق ہوتا ہے اور کونسے عزیز کو اسکا استحقاق نہیں ہوتا اور یہ کہ وہ استحقاق فقط منقولات میں ثابت ہوتا ہے یا کیا۔ اور کن کن تفاصیل سے علیٰ ہذا القیاس یہ ایسے سوالات ہیں جنکا معقول اور صحیح جواب انسانی عقل کے امکان سے باہر ہے۔ پس جبکہ انسانی عقل کی فقط ایک مسئلہ کے اندر یہ حالت ہو تو اس سے جملہ باہمی حقوق کی دریافت کر لینے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ اور اگر بفرض محال ہم تسلیم بھی کر لیں کہ انسانی عقل باہمی حقوق کی تفاصیل پر خود بخود مطلع ہو سکتی ہے اور یہ کہ اسکو ان کے دریافت کرنے میں کسی دوسرے شخص کی طرف حاجت نہیں ہوتی تب بھی ہم کہینگے کہ فقط حقوق کا دریافت کر لینا نظم عالم کے لئے مفید نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اسپر عملدرآمد کا کوئی طریقہ فرض نہ کیا جائے لیکن عقل کے لئے اپنے معلومات پر عمل کرنے کا کوئی معقول طریقہ ہرگز موجود نہیں اس لئے کہ انسان میں جہاں عقل کا لطیف جوہر موجود ہے اسی کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشوں کا انبوہ بھی موجود ہے جو انسان کی عقل کو اپنی قوت اور توانائی سے ہمیشہ مغلوب رکھتا ہے پس اگر عقل نے کسی حق کو دریافت بھی کر لیا مگر نفسانی خواہشوں نے اسپر عمل ہونے دیا تو محض دریافت کرنیکا کوئی معقول نتیجہ پیدا نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ نفسانی خواہشوں کی روک تھام کی کوئی پوری پوری تدبیر نہ کر دی جائے۔ ایسی صورت میں ہمکو مجبوراً کسی ایسے شخص کے ضرور موجود ہونیکا اقرار کرنا پڑیگا۔ جو عقلی معلومات پر عمل کرنیکا طریقہ اور نفسانی خواہشوں کے روکنے کی کوئی معقول تدبیر بتائے۔ اور ایسے ہی شخص کو نبی کہتے ہیں پس ہماری اس تقریر سے بھی نبی کے موجود ہونے کی دو وجہیں مستفاد ہوئیں اوّل یہ کہ ان کے ذریعہ سے باہمی حقوق کی تفصیل اور ہر ایک حق کی اعتدال اور کمی اور زیادتی

کی مقدار معلوم ہو۔

دوم یہ کہ اُسکے ذریعہ سے نفسانی خواہشوں کی شوکت میں اعتدال پیدا ہو اور عقل کی معلومات پر عمل کرنے کے صحیح طریقے دریافت ہوں پس خدا کی طرف سے نبی کا موجود ہونا ضروری ہوا

تیسرا اعتراض ۔ اگر دنیا میں نبی کے موجود ہونے سے نفسانی خواہشوں کی روک تھام ہو سکتی تو پھر دنیا میں کوئی مفسدہ نہوتا اس لئے کہ آپکے نزدیک ہر زمانہ میں نبی موجود رہا ہے حالانکہ یہ امر تاریخی واقعات اور مشاہدہ کے خلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جسقدر فائدہ ہوتا ہے وہ محض عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور نبی کے موجود ہونیکو اس بارہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔

جواب ۔ ہمارے نزدیک خداوند عالم کی طرف سے نبی کا موجود ہونا لازم ہے تاکہ خدائی کارخانہ پر اعتراض کا موقع نہ رہے اور اسکی طرف سے حجت تمام ہو جائے۔ اور ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ نبی کے موجود ہونے سے آدمی پر اختیاری کاموں میں مجبور ہو جائے حالانکہ نبی کے ذریعہ سے انسان میں جو صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اسکو جرائم پر اقدام کرنے سے مانع ہوتی ہے وہ کسی طرح قابل انکار نہیں ہے اس لئے کہ انسان کو اپنے جرموں پر نبی کی بتائی سزاؤں کا خوف ہوتا ہے اور آخرت کے بتائے ہوئے عذاب سے ڈرتا ہے اس لئے کہ اسکے اُمور کی بہت کچھ اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اور ان بدیہی باتوں کا انکار کرنا بالکل ہٹ دھرمی ہے۔

تنبیہ ۔ دلیل مذکور کو حکما نے اثبات نبوت کے لئے وارد کیا ہے جسکی اس مقام پر شرح کی گئی۔ از بسکہ اسی دلیل کو رئیس الحکما شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتاب الاشارات میں نہایت اختصار کے ساتھ وارد کیا ہے۔ لہذا اس مقام پر تائید مطلب کیلئے اُن کی اصل عبارت کا مع ترجمہ وارد کرنا مناسب ہے وہ لکھتے ہیں۔

لما لم یکن الانسان بحیث } چونکہ انسان اپنے ذاتی اُمور کے انجام دینے میں

يستقل وحده بأمور نفسه الا بمشاركة آخر من بني جنسه وبمعاوضة ومعارضة تجريان بينهما يفرغ كل واحد منهما لصاحبه عن مهم لو تولاه بنفسه لازدحم على الواحد كثير وكان مما يتعسر ان امكن وجب ان يكون بين الناس معاملة وعدل يحفظه شرع يفرضه شارع متميز باستحقاق الطاعة لاختصاصه بآيات تدل على انها من عند ربه ووجب ان يكون للمحسن والمسيء جزاء من عند القدير الخبير فوجب معرفة المجازي والشارع

اُسوقت تک مستقل نہیں ہوسکتا جبتک کہ کسی دوسرے ہمجنس کی شرکت اور کوئی ایسا معاوضہ اور معارضہ نہ فرض کیا جائے جو اُن دونوں میں جاری ہو۔ اور ہر ایک دوسرے کو اُس ضروری امر سے فارغ نکرے کہ اگر وہ بنفسہ اُسکو تنہا بجالانا چاہتا تو ایک شخص پر بہت سے اُمور کا اژدحام ہوجاتا اور اگر اُسکا انجام دینا ممکن بھی ہوتا تو خالی از دشواری نہ تھا۔ لہذا لوگوں میں ایسے معاملہ اور عدل کا موجود ہونا لازم ہوا جسکو ایسی شریعت محفوظ رکھے جسکو کسی ایسے صاحب شریعت نے مقرر کیا ہو جو مستحق طاعت و فرمانبرداری ہونے میں اُن معجزات کی وجہ سے ممتاز ہو جو شریعت مذکورہ کی منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتے ہوں اور لازم ہوا کہ نیکو کار اور بدکار کے لئے خداوند عالم کی طرف سے کوئی جزا معین ہو پس صاحب شریعت اور جزا دینے والی کی معرفت واجب ہوئی۔ (انتہٰی بحاصلہ)

پانچویں دلیل ارباب اخلاق بلکہ تمام عقلاء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اُصول فضائل تین چیزیں ہیں جنسے تمام فضیلتیں نکلتی اور پیدا ہوتی ہیں عفت۔ شجاعت۔ حکمت پس جبکہ قوت بہیمیہ کا جسکے ذریعہ سے انسان اپنے نفع اور فائدہ کی چیزوں کو حاصل کرتا ہے بطور عادت اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے عفت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور جبکہ اُس (قوت بہیمیہ) کا ایسے عنوان کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو تو اُس سے خمود (افسردگی) اور شرہ (حرص) کی صفت پیدا ہوتی ہے

جو رذائل میں داخل ہے اور جبکہ قوت غضبیہ کا جس کے ذریعہ سے انسان اپنے ضرر سے احتراز کرتا ہے بطور عادت اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے شجاعت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور جبکہ اس (قوت غضبیہ) کا ایسے عنوان سے استعمال کیا جاتا ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو تو اس سے جبن اور تہور کی صفت پیدا ہوتی ہے جو صفت رذیلہ ہے اسی طرح جبکہ قوت ادراک احساس کا جسکے ذریعہ سے انسان اپنے نفع یا ضرر کی چیزوں کو دریافت کرتا ہے اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے حکمت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور جبکہ اسکا ایسے عنوان پر استعمال کیا جاتا ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو تو اس سے سفاہت (بلاہت) اور جزبرہ (قوت فکریہ کو بیہودہ اور عبث صرف کرنا) کی صفت حاصل ہوتی ہے جو صفت رذیلہ ہے۔ اور جبکہ انسان کو ہر ایک قوت کی حد اعتدال میں صرف کرنے کی عادت ہو جاتی ہے تو اسی حالت کو عدالت کہنے لگتے ہیں پس فقط مذکورہ بالا تینوں صفتیں عدالت میں داخل ہیں اور باقی تمام صفتیں اس (عدالت) سے خارج ہیں۔ اس تقریر سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کسی قوت کا حد اعتدال کے اندر صرف کرنا انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور حد اعتدال سے خارج ہونے میں جملہ حیوانات بھی اسکے شریک ہیں پس انسان کے انسان بننے میں حد اعتدال کا بہم پہونچانا ضروری ہوگا ورنہ انسان کو باقی حیوانوں سے کسی قسم کا امتیاز حاصل نہوگا۔ اس تقریر پر مذکورہ بالا تینوں صفتوں کے حاصل کرنے میں حد اعتدال کی مقدار کا پہچاننا ضروری ہوا اس لئے کہ جب تک انسان کو حد اعتدال کی مقدار معلوم نہو گی اسوقت تک فضیلت کا رذیلت سے ممتاز اور اختیار کرنا محال ہوگا۔ لیکن انسانی عقل کا حد اعتدال کی مقدار پہچاننے سے عاجز ہونا ایسا بدیہی امر ہے جسمیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا ایسی صورت میں ایسے شخص کا موجود ہونا ضروری ہوا جو حد اعتدال کی مقدار کو بیان کرے تاکہ فضائل کا رذائل سے ممتاز کرنا ممکن ہو اور جو شخص کہ ہر ایک فضیلت کی مقدار اور حد اعتدال کی معرفت رکھتا ہے اسی کو نبی کہتے ہیں پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوا جو انسان کو فضائل و کمالات کی تعلیم کرے اور یہ کہ اسکو حیوانیت کے

مرتبہ سے خارج ہوکر انسانیت کے مرتبہ پر پہونچ جانے کے طریقے بتائے۔

چھٹی دلیل یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ ہمارا نیستی سے ہستی میں آنا۔ اور ہمارے لئے عقل و شعور کی قوت اور حواس اور طرح طرح کی لذتوں کا حاصل ہونا وغیرہ ایسی گراں بہا اور نفیس نعمتیں ہیں جنکو ہم نے پیدا نہیں کیا بلکہ اُنکے پیدا کرنے والے اور ہم کو عطا کرنے والے حکیم مطلق کی مقدس ذات ہے کیونکہ جو چیز نیستی کے بعد ہستی میں آتی ہے اُسکے لئے کسی ایسے پیدا کرنے والے کا موجود ہونا عقل کے نزدیک لازمی ہے۔ جو حکیم مطلق اور واجب بالذات ہو۔ ان سب باتوں کے بعد ہمکو غور کرنا چاہیے کہ جس حکیم مطلق نے ہمکو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں اس میں شبہ نہیں کہ احسان کا شکریہ ادا کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ ہمکو اپنے محسن کیطرف سے قوی اندیشہ ہوگا کہ وہ کفران نعمت کے عوض ہم سے ناراض ہو اور ہمارے لئے کسی قسم کی سزا تجویز کرے۔ اور جبکہ شکریہ ادا کرنا ضروری ہوا تو یہ بھی ضروری ہوا کہ ہم کو شکرگزاری کا وہ طریقہ معلوم ہو جو اسکی شان کے موافق ہو اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ ہماری ناقص عقلیں اگرچہ شکرگزاری کو لازم اور نہایت ضروری قرار دیتی ہیں لیکن باوجود اس کے وہ شکرگزاری کے طریقوں کو ہرگز نہیں پہچان سکتیں بلکہ وہ اس مطلب سے بالکل ناواقف ہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں کہ انسانی عقلیں شکرگزاری کے لئے بعض طریقوں کو بھی خود ہی مقرر کر سکتی ہیں تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ جن طریقوں سے شکرگذاری تجویز کیجائیگی اُن طریقوں میں بھی ہم کو اپنی عقل اور حواس اور اعضاء و جوارح کو صرف کرنیکی ضرورت ہوگی اور چونکہ یہ چیزیں حکیم مطلق کی ملک ہیں لہذا ان میں تصرف کرنا بھی بدون اس کی اجازت اور خوشی کے صحیح نہ ہوگا۔ اب ہمکو خواہ مخواہ ایسے شخص کے موجود ہونیکی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو ہم کو شکرگزاری کے طریقے بتائے اور اُن طریقوں کے عمل کرنے میں حکیم مطلق کی اجازت اور خوشی حاصل ہونیکی خبر دے اور جو شخص کہ ہم کو شکرگزاری کے طریقے اور عمل کرنے میں اسکی اجازت کے حاصل ہونیکو بتا سکتا ہے وہی نبی ہے پس حکیم مطلق کیطرف سے ایک نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔

ساتویں دلیل انسان میں سہو و غفلت کا مادہ اور نفسانی خواہشوں کی قوتیں موجود ہیں جنکی وجہ سے ضروری امروں کے متروک ہونے اور قبیح باتوں کے صادر ہونیکا ہر دم قوی اندیشہ ہے۔ اب اگر انسان کی سہو و غفلت اور نفسانی خواہشوں کی روک تھام کے لیے حکیم مطلق کی طرف سے کوئی طریقہ مقرر نہو تو اس (حکیم مطلق) کا ضروری امروں کے متروک ہونے اور قبیح باتوں کے صادر ہونے پر راضی ہونا لازم آئیگا جس کا باطل ہونا ضروری ہے۔ اس تقدیر پر حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا لازم ہوگا جو انسان کو خواب غفلت سے چونکاتا اور نفسانی خواہشوں سے روکتا رہے۔

آٹھویں دلیل اگرچہ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی عقل کو ایمان لانے اور نیک کاموں کے بجالانے کی بھلائی اور کفر کے اختیار کرنے اور بد کاموں کے سرزد کرنے کی برائی خود معلوم ہو سکتی ہے لیکن اس امر کو کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسکو اخری کے دائمی ثواب یا عذاب پر بھی خود بخود اطلاع ہو سکتی ہے پس اگر حکیم مطلق کی طرف سے بعض کاموں پر اخرے کی دائمی ثواب اور بعض کاموں پر اخرے کے ابدی عذاب کے معلوم ہونے کا کوئی طریقہ مقرر نہ ہو تو انسان کو برے بری باتوں کے بجالانے اور اچھی باتوں کے ترک کرنے سے کوئی امر بھی مانع نہو گا اور یہ کہ وہ ہمیشہ دنیا کی فانی لذتوں کے حاصل کرنے میں مصروف رہیگا اس لئے کہ انکا نفع موجود ہے اور ضرر کا کوئی پہلو انکی نظر میں نہیں ہے۔ **پس** ثابت ہوا کہ حکیم مطلق پر دائمی ثواب اور ابدی عذاب کے بیان کرنے کی غرض سے کسی شخص کا مقرر کرنا لازم ہے اور ایسے ہی شخص کو ہم نبی کہتے ہیں پس خدا کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

نویں دلیل کبھی انسان کو کسی بری بات کے اچھے ہونے کا اور کسی اچھی بات کے بری ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ برے کام کو اچھا سمجھکر اختیار کر لیتا ہے اور اچھے کام کو برا سمجھکر ترک کر دیتا ہے۔ **پس** اگر حکیم مطلق کی طرف سے کسی ایسے شخص کا مقرر ہونا فرض نہ کیا جائے جو انسان کو واقعی باتوں پر آگاہ کرے تو لازم آئیگا کہ حکیم مطلق

انسان کے گمراہ ہونے اور بُرے کام کے صادر ہونے پر راضی رہے۔ اس صورت میں کسی ایسے شخص کا حکیم مطلق کی طرف سے مقرر ہونا ضروری ہوا جو انسان کو اُسکی غلطیوں پر متنبہ اور صحیح باتوں کی طرف ہدایت کرے اور ایسے شخص کو ہم نبی کہتے ہیں پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

دسویں دلیل عالم کی بعض چیزوں کا انسان وغیرہ کے لئے مفید ہونا اور بعض چیزوں کا مضر ہونا ہر شخص کو معلوم ہے ایسی صورت میں مفید چیزوں کا مضر چیزوں سے ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ مفید چیزوں کا استعمال کیا جائے اور مضر چیزوں سے احتراز کیا جائے۔ اب اگر مفید و مضر چیزوں کے پہچاننے میں تجربہ پر بنا کیجائے تو کئی تباحتیں لازم آئینگی۔

اوّل یہ کہ تجربہ سے اس مطلب کا زمانۂ دراز کے بعد پہچاننا ممکن ہوگا جس کی وجہ سے ضرورت کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہوگا۔ دوم یہ کہ کبھی تجربہ میں انسان یا کسی دوسرے حیوان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ سوم یہ کہ کبھی تجربہ میں ضرر بڑھ جانیکا اندیشہ ہوگا چہارم یہ کہ کبھی تجربہ میں ضرر اور نقصان کے پیش آجانیکا اندیشہ ہوگا اس صورت میں حکیم مطلق کی طرف سے کسی ایسے شخص کا مقرر ہونا ضروری ہوگا جو انسان کو نفع اور ضرر کی چیزیں تعلیم کرے اور ایسے ہی شخص کو نبی کہتے ہیں لہٰذا حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔ اسی طرح انسان کو بہت سی صنعتوں اور آلوں کی حاجت ہوتی ہے جن کے بغیر اسکا زندہ رہنا یا آرام سے بسر کرنا دشوار ہوتا ہے جیسے کسی مکان کا بنانا۔ کتابت کرنا۔ کپڑے کا سینا زرہ بننا۔ زراعت کرنا وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ انسان ان صنعتوں کو خود بخود نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا حکیم مطلق کی طرف سے ان کی تعلیم کا بندوبست ہونا ضروری ہوگا جو بغیر نبی کے ممکن نہیں تو ہم صنعتوں کی تعلیم کے لئے نبی کے مقرر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ روز مرہ ہزاروں طرح کے صنائع اور بدائع ایجاد ہوتی ہیں جیسے ریل گاڑی۔ تار برقی۔ دخانی جہاز۔ ہوائی جہاز اور طرح طرح کے آلات۔ اب اگر ہر ایک کاریگر کے نبی ہونے کو تسلیم کریں

تو یورپ کے ہزاروں صناعوں کا نبی ہونا لازم آئے گا اور یہ امر خلاف واقع ہے۔

جواب ہمارے کلام میں صنعتوں سے وہ صنعتیں اور آلے مراد ہیں جنکے بغیر آدمی کا زندہ رہنا یا آرام کے ساتھ بسر کرنا دشوار ہو اور ظاہر ہے کہ ابتدائے خلقت میں کوئی شخص ضروری صنعتوں اور آلوں کو خود بخود نہیں سمجھ سکتا یا بہم پہونچا سکتا تھا۔ بلکہ ان کے حاصل کرنے میں آسمانی تعلیم کی حاجت تھی البتہ جبکہ اُن ضروری صنعتوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا جو انکی زندگی یا راحت کے ساتھ بسر کرنیکے لئے کافی تھیں تو رفتہ رفتہ دیگر صنائع و بدائع ایجاد ہوتے رہے مگر ظاہر ہے کہ ان صنعتوں پر انسان کا زندہ رہنا یا آرام کے ساتھ بسر کرنا موقوف نہیں ہے بلکہ ان کے ذریعہ سے دیگر صنعتوں کا اکتساب ہو سکتا ہے۔ اس مطلب کی فی الجملہ شرح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر آج کل کے جملہ کاریگر اور تمام موجودہ صنعتیں بالکل معدوم ہو جائیں اور نئی خلقت از سر نو پیدا ہو۔ تو انکو اپنے زندہ رہنے یا آرام کے ساتھ بسر کرنے میں ضرور ایسے شخص کی حاجت ہوگی جو ان کے لئے ضروری صنعتوں کی تعلیم دے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ضرورت نئی خلقت کے کسی آدمی کے ذریعہ سے بھی برطرف نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے کہ ان سب کا نادان اور انجان ہونا فرض کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایسے شخص کا حکیم مطلق کی طرف سے مقرر ہونا ضروری ہوگا۔ جو اس کی طرف سے تعلیم یافتہ ہو۔ اور اسکو ضروری صنعتوں اور آلوں کی معرفت حاصل ہو۔ پس جو شخص اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو اسیکو ہم نبی کہتے ہیں پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

ثبوت نبوت کی مختصر تقریر

ایک نہایت مختصر تقریر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبی کے مقرر ہونے میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہو چکا۔ اور انمیں کسی قسم کا ضرر نہیں ہے۔ اور جس امر کے بجا لانے میں بہت سے فائدے ہوں اور کسی قسم کا ضرر نہ ہو اسکا بجا لانا حکیم مطلق پر لازم ہے پس اسکی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

گیارھویں دلیل نبی کا مقرر ہونا لطف ہے اور لطف کا حکیم مطلق پر بمقتضائے حکمت

واجب ہونا ثابت ہے جسکی کتاب العدل میں تفصیل سے شرح ہو چکی پس حکیم مطلق پر نبی کا مقرر کرنا واجب ہوگا۔ اور اس مطلب کی فی الجملہ شرح یہ ہے کہ اگرچہ کاموں کی بھلائی یا برائی کا عقلی ہونا اور کسی فعل کی ذات کا خوبی یا بدی سے خالی نہ ہونا معلوم ہو چکا ہے لیکن ایک کام کی اصلی خوبی یا برائی کو انسانی عقل کا دریافت کر لینا ضروری نہیں اس صورت میں عقل انسانی کے معلومات کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جسمیں عقل کو کاموں کی ذاتی بھلائی یا برائی معلوم ہو جاتی ہے۔ جیسے احسان کا خوب اور ظلم کا بد ہونا۔

دوسری قسم وہ ہے جسمیں عقل کو کاموں کی ذاتی بھلائی یا برائی معلوم نہیں ہوتی جیسے صبح کی نماز کا دو رکعت ہونا اور مغرب کی نماز کا تین رکعت ہونا یا ماہ رمضان کے روزہ کا واجب اور عید کے روزہ کا حرام ہونا وغیرہ۔ پس پہلی قسم میں نبی کے مقرر ہونیکی اس لیئے ضرورت ہے کہ وہ انسان کو عقلی معلومات پر عمل کرنیکی ہدایت کرے۔ اور انپر عمل نکرنے سے باز رکھے کیونکہ انسان کو اس کے معلومات پر عمل کرنے سے نفسانی خواہشیں روکتی ہیں بلکہ مقتضائے عقل پر وہ غالب آجاتی ہیں اسی لیئے عالم میں ظلم و زیادتی بہت زائد اور نیکی و احسان بہت کم ہوتا ہے پس جبکہ نبی کی ہدایت کرنے سے عقل کے معلومات کی تاکید اور تائید ہوگی تو انسان کو اپنی معلومات پر عمل کرنے میں آسانی اور نفسانی خواہشوں کے چھوڑنے میں سہولت ہوگی اور اسی کو لطف مقرب کہتے ہیں جو انسان کو طاعت سے قریب اور گناہ سے بعید کرتا ہے اور یہ انکی وجہ سے اچھے کاموں کے بجالانے اور برے کاموں کے ترک کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم میں نبی کے مقرر ہونیکی ضرورت بہت ظاہر ہے اسلئے کہ اچھی باتوں پر عمل کرنا اور بری باتوں کا چھوڑنا اسیوقت ممکن ہے جبکہ انسان انکو جانتا ہو اور انکا معلوم ہونا نبی کے بیان کرنے پر موقوف ہے اور اسی کو لطف ممکن کہتے ہیں جسکی وجہ سے انسان کے لئے طاعت کا بجالانا اور گناہ کا ترک کرنا ممکن ہوتا ہے اور یہ کہ بدون اس کے

اچھے کاموں کا اختیار کرنا اور برے کاموں کا چھوڑنا محال ہوتاہے اور چونکہ لطف کا حکیم مطلق پر واجب ہونا ثابت ہوچکاہے اس لئے اس پر نبی کا مقرر کرنا بہرحال ضروری ہوگا۔

بارھویں دلیل صانع عالم کا اچھے کاموں سے راضی ہونا اور بری باتوں سے ناراض ہونا اور جسم و جسمانیات سے منزہ ہونا اور یہ کہ وہ محسوس ہونے اور معاشرت کرنے اور ہمکلام ہونے سے بری ہے یہ ایسی قطعی اور یقینی دلیلوں سے ثابت ہے جس میں کسی عاقل کے لئے چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی عقل کے معلومات بالکل محدود ہیں اور اسکو ہر ایک کام کی واقعی خوبی اور بھلائی یا واقعی بدی اور برائی پر خود بخود اطلاع نہیں ہوسکتی اور تاوقتیکہ ہر ایک کام کی واقعی خوبی یا بدی معلوم نہ ہو اسوقت تک حکیم مطلق کے راضی ہونے یا ناراض ہونیکا علم نہیں حاصل ہوسکتا اب اگر حکیم مطلق کا ہر شخص سے ہمکلام ہونا اور اپنے راضی ہونے یا ناراض ہونے کی باتوں کو اس سے بیان کرنا فرض کیا جائے تو اس کا جسم ہونا لازم آئے گا جس سے اسکی مقدس ذات کا بری اور منزہ ہونا معلوم ہوچکاہے اس صورت میں ضروری ہوا کہ حکیم مطلق کی طرف سے کوئی ایسا شخص مقرر ہو جو بندوں کو اسکی مراد پر مطلع کرے۔ اور یہ انکو کاموں کی واقعی بھلائی یا برائی کو بیان کرے جنکے بجالانے یا ترک کرنے سے اسکا راضی یا ناراض ہونا متعلق ہو اور ایسے ہی شخص کو ہم نبی کہتے ہیں۔ پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

تو ہم حکیم مطلق کو ہر ایک شخص کو اپنی ہر ایک مراد پر الہام کے ذریعہ سے مطلع کردینا بھی ممکن ہے پس نبی کا مقرر ہونا ضروری نہوگا۔

جواب اس صورت میں ہر ایک شخص کا قابل الہام ہونا لازم آئیگا حالانکہ ہر شخص کا صاحب الہام اور اس امر کے قابل نہ ہونا معلوم ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ ہمارا کلام اس عالم کی موجودہ حالت سے متعلق ہے جس میں اسکو نبی مقرر کرنیکی ضرورت ہے اور ہماری غرض اس سے متعلق نہیں ہے کہ ہر ایک شخص کا صاحب الہام ہونا ممکن ہے یا نہیں ہے اس لئے کہ اس

ممکن ہونا محل بحث نہیں ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی نبی کا موجود ہونا ثابت ہوجائیگا جو ہماری اصلی غرض ہے باقی رہا یہ امر کہ ایک زمانہ میں متعدد نبی ہوسکتے ہیں یا نہیں یہ دوسری بحث ہے جس میں ہم اس مقام پر کلام نہیں کرتے۔

ثبوت نبوت کے نقلی دلائل

اگرچہ ہماری گزشتہ تقریروں سے انبیاءؑ کے منجانب اللہ مقرر اور مبعوث ہونیکا ضروری ہونا بخوبی ثابت ہوگیا ہے جنپر نظر کرنے کے بعد کسی اور دلیل کے وارد کرنے کی حاجت باقی نہیں رہتی مگر ہم اس اہم کام اور ضروری مقصد کی تائید کے لئے حضرات معصومین کے بعض آحادیث کا وارد کردینا بھی مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ اُنپر نظر کرنے سے حضرات مؤمنین کے دیدۂ دل روشن اور انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت کے بارہ میں اُن کے اعتقادات مضبوط اور مستحکم ہوجائیں اور وہ کئی ہیں۔

پہلی حدیث ثقۃ الاسلام نے بروایت ہشام بن حکم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ (ہشام) کہتے ہیں کہ حضرت نے ایک زندیق کے جواب میں جس نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ نے انبیاء و رسل کو کس دلیل سے ثابت کیا ارشاد فرمایا کہ۔

انا لما اثبتنا ان لنا خالقا صانعا متعاليا عنا وعن جميع ما خلق وكان ذلك الصانع حكيما متعاليا لم يجز ان يشاهده خلقه ولا يلامسوه فيباشرهم ويباشروه ويحاجهم ويحاجوه ثبت ان له سفراء في خلقه

جب ہم نے ایک ایسے صانع عالم کو (قطعی دلیلوں سے) ثابت کر لیا جو جسم و جسمانیات سے برتر ہے۔ اور اُسکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے (لہذا انسان کو عقل و ادراک عطا کرنا بھی کسی حکمت پر ضرور مشتمل ہوگا) اور مخلوق کا اُسکو مشاہدہ کرنا یا چھونا اور باہم کلام کرنا جائز نہ تو ثابت ہوگیا کہ اُسکی مخلوقات میں ایسے سفیر د موجود ہونا ضروری ہے جو اُس کے احکام کو مخلوقات تک پہنچائیں

يعبرون عنه الى خلقه
وعباده ويدلونهم على مصالحهم و
منافعهم وما به بقائهم
وفي تركهم فنائهم
فثبت الآمرون والناهون
عن الحكيم العليم في خلقه والمعبرون
عنه جل وعز وهم الانبياء و
صفوته من خلقه حكماء مؤدبين
بالحكمة مبعوثين بها غير مشاركين
للناس على مشاركتهم لهم في
الخلق والتركيب في شيء من
احوالهم مؤيدين من عند الحكيم
العليم بالحكمة ثم ثبت ذلك في كل دهر
وزمان مما اتت به الرسل والانبياء من الدلائل
والبراهين لكيلا تخلوا ارض الله
من حجة يكون معه علم يدل على
صدق مقالته وجواز عدالته

اور اُسکے بندوں کو اُنکو نفع اور ضرر کی چیزیں بتائیں
اور یہ کہ اُنکو ایسے اُمور پر مطلع کریں جنکی وجہ سے
وہ باقی رہ سکتے ہوں اور اُنکے نہ ہونے سے وہ فنا
ہوجائیں۔ پس اِس تقدیر پر ایسے لوگوں کا موجود ہونا
ضروری ہوگا جو حکیم مطلق کی طرف سے اُسکے احکام (اوامر
ونواہی) کو بندوں تک پہونچائیں اور یہی لوگ انبیا
کہلاتے ہیں جو احکام آلٰہیہ کو بندوں سے بیان کرتے ہیں حقتعالیٰ
نے اُنکو اپنی مخلوقات میں سے برگزیدہ کیا ہے اور اُسکی
حکمت کے ساتھ وہ آراستہ ہیں جسکے سکھانے پر وہ مامور ہیں
اگرچہ وہ خلقت اور اعضا کی ترکیب میں لوگوں کے شریک
ہیں لیکن باوجود اسکے ایسے حالات کے ساتھ مخصوص ہیں
جو عام لوگوں میں موجود نہیں ہوسکتے۔
اسیوجہ سے ہر ایک زمانہ میں ایک حجت خدا کا موجود
ہونا ضروری قرار پایا جو رسول کی ادلہ اور براہین بیان
کرے تاکہ حجت خدا سے زمین خالی نہ رہے اور اُسکے
پاس وہ معارف حقہ موجود ہوتے ہیں جو اُسکے صادق القول
اور اُسکی عدالت کے واجب ہونے پر دلالت کرتے ہیں

دوسری حدیث ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ
ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ حقتعالیٰ نے انبیاء و رسل کو لوگوں کی طرف
کیوں مبعوث فرمایا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔
لئلا یکون للناس علی اللہ [حجۃ] حقتعالیٰ نے ان بزرگواروں کو اسلئے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کے لئے خدا پر

حجۃ من بعد الرسل ولئلا یقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر ولتکون حجۃ اللہ علیہم الا تسمع اللہ عزّ وجل یقول حکایۃ عن خزنۃ جہنم احتجاجہم علی اہل النار بالانبیاء والرسل الم یاتکم نذیر قالوا بلیٰ قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیٔ ان انتم الا فی ضلال کبیر (پارہ ۲۹ سورہ ملک)

کسی قسم کی حجت باقی نہ رہے اور یہ کہ انکو اس عذر کا موقع نہ ہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا یا ڈرانے والا نہیں آیا تھا اور یہ کہ حجت خدا اُنپر تمام ہوجائے آیا تم نے خدا کے اُس قول کو نہیں سنا جس میں اُسنے خازنان جہنم کی اُس گفتگو کو نقل فرمایا ہے جو دوزخیوں کے ساتھ کرنے والے ہیں کہ "آیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا رسول نہیں آیا تھا وہ کہینگے کہ ہاں ہمارے پاس ڈرانے والا رسول آیا تھا لیکن ہم نے اُسکی تکذیب کی اور کہدیا کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم بھی بڑی گمراہی میں پڑے ہو"

تیسری حدیث۔ علل فضل بن شاذان میں حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے۔

فان قال فلما وجب علیہم معرفۃ الرسل والاقرار بہم والاذعان لہم بالطاعۃ قیل لانہ لما لم یکن فی خلقہم وقواہم ما یکملون لمصالحہم وکان الصانع متعالیا عن ان یرٰی مکان ضعفہم وعجزہم عن ادراکہ ظاہرا لم یکن بدّ من رسول بینہ وبینہم معصوم یؤدی الیہم امرہ ونہیہ

پس اگر کوئی شخص سوال کرے کہ بندوں پر خدا کے رسولوں کا پہچاننا اور انکی حقیقت کا اقرار کرنا اور اُنکی اطاعت و فرمانبرداری کو لازمی سمجھنا کیوں واجب ہوا تو جواب میں کہا جائیگا کہ بندوں کی خلقت اور انکی فطری قوتوں کے ذریعہ سے وہ اُمور حاصل نہیں ہوسکتے تھے جو انکی تمام مصلحتوں کے لئے کافی ہوسکتے اور یہ ممکن نہ تھا کہ صانع عالم انکو ضعف و قصور کو دیکھے اُسکے برطرف کرنیکی کوئی صورت پیدا نکرے اسلئے خدا کی طرف سے ایک رسول معصوم کا مقرر ہونا لازم ہوا جو خدا و عالم اور اُسکی مخلوق کے درمیان واسطہ ہو اور اُنکو خدا کے احکام (اوامر و نواہی) پہنچائے

رادبه ويوقفهم على مايكون به احرازمنافعهم ودفع مضارهم اذلم يكن في خلقهم مايعرفون به مايحتاجون اليه من منافعهم ومضارهم فلولم يجب عليهم معرفته وطاعته لم يكن لهم في مجئ الرسول منفعة ولاسد حاجة ولكان يكون اتيانه عبثا بغير منفعة ولاصلاح وليس هذا من صفة الحكيم الذي اتقن كل شئ

اور انکو ایسی باتیں تعلیم کرے جنکے ذریعہ سے وہ اپنی منفعتوں کو حاصل اور اپنی مضرتوں کو دفع کر سکیں کیونکہ خود انکی خلقت میں کوئی ایسی بات موجود نہ تھی جسکی وجہ سے وہ اپنی جملہ مایحتاج کو بہم پہونچا سکیں پس اگر لوگوں پر انکا پہچانتا اور اطاعت کرنا واجب نہ ہو تو اُن کے لئے رسول کے آنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور انکی حاجت روائی نہ ہوسکیگی اور ایسی صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے رسول کا مقرر ہونا عبث ہوگا جس میں (بندوں کے لئے) کسی قسم کی منفعت اور صلاح نہوگی اور ظاہر ہے کہ کسی عبث کام کا صادر کرنا حکیم مطلق کی شان نہیں ہے۔

چوتھی حدیث اسحٰق بن غالب نے حضرت امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے کہ حضرت اپنے ایک کلام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

الحمد لله المحتجب بالنور دون خلقه في الافق الطامح والعز الشامخ والملك الباذخ فوق كل شئ علا ومن كل شئ دنا فتجلى لخلقه من غير ان يكون يرى وهو يرى بالمنظر الاعلى فاحب الاختصاص بالتوحيد

جملہ حمد و سپاس اوس حکیم مطلق کے لئے سزاوار ہے جو اپنی مخلوقات سے افق بلند میں حجاب نور کے ساتھ پوشیدہ ہے اور حواس واوہام اور عقول انام سے اُسکی مقدس ذات کا ادراک کرنا محال ہے وہ ہر ایک شئے سے اپنی قدرت و بزرگی میں برتر ہے اور ہر ایک چیز سے اپنے لطف و رحمت میں نزدیک ہے پس وہ اپنی مخلوقات کے لئے اپنے علم و قدرت کی وجہ سے ظاہر ہے بغیر اسکے کہ وہ کسی کو دکھائی دے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے اور وہ ایسا بلند مرتبہ ہے کہ اُسکو تفرد کیلئے

اذا احتجب بنوره وسما فی علوه واستتر عن خلقه فیکون له الحجة البالغة وابتعث فیهم النبیین مبشرین ومنذرین لیهلک من هلک عن بینة ولیعقل العباد ما جهلوه ویعرفوه بربوبیته بعد ما انکروه ویوحدوه بالالهیة بعد ما اضدّوه

آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں پس اُسکی حکمت بالغہ اس امر کو مقتضی ہوئی کہ وہ توحید کے ساتھ مخصوص رہے اور چونکہ وہ مخلوقات کے ادراک سے برتر تھا اور بدون کسی سفیر کے اِس مطلب کا ظاہر کرنا ممکن نہ تھا اِس لئے اُسنے رسولوں کو مبعوث کیا جو اُنکو ثواب کی بشارت دیں اور اُسکے عذاب سے ڈرائیں تاکہ جو شخص ہلاک ہو وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور یہ کہ رسولوں کے ذریعے اُسکے بندے اُن اُمور پر مطلع ہو جائیں جنکو وہ نہیں جانتے اور اُسکے پروردگار ہونیکی معرفت حاصل کریں جسکا وہ انکار کرتے تھے اور بعد اسکے کہ وہ اُسکی ضد اور شریک کو ثابت کرتے تھے اُسکے معبود واحد ہونیکا اقرار کریں

پانچوین حدیث منصور ابن حازم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ۔

قلت لابی عبد الله ان الله اجل واکرم من ان یعرف بخلقه بل الخلق یعرفون بالله قال صدقت قلت ان من عرف ان له ربا فقد ینبغی له ان یعرف ان لذلک الرب رضا وسخطا وانه لا یعرف رضاه وسخطه الا بوحی او رسول فمن لم یاته الوحی فقد ینبغی له ان یطلب

میں نے حضرتؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ خداوند عالم اپنی مخلوق سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ مخلوق اُس سے پہچانی جاتی ہے حضرت نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو میں نے عرض کیا کہ جو شخص خدا کی معرفت حاصل کرلے اُس کو سزاوار ہے کہ وہ اس امر کو بھی پہچان لے کہ وہ بعض چیزوں سے خوش ہوتا اور بعض سے ناراض ہوتا ہے اور یہ کہ اُسکی خوشی اور ناخوشی بغیر وحی اور رسول کے معلوم نہیں ہو سکتی پس جس شخص کے پاس وحی نہ آتی ہو اُسکو رسولوں کا طلب کرنا

الرسل فاذا لقيهم عرف انهم الحجة من الله وان لهم الطاعة المفترضة الی ان قال فی آخر الحدیث) رحمك الله۔

سزاوار ہے پس جبکہ اُن سے ملاقات ہوجائے تو انکو معلوم ہوجائیگا کہ وہ حجت خدا ہیں اور اُنکی فرمانبرداری واطاعت لازم ہے تا انیکہ حضرت نے آخر حدیث میں ارشاد فرمایا رحمك الله (خدا تم پر رحم کرے)

اور حاصل حدیث یہ ہے کہ حقتعالی کا حکیم مطلق ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بُری کاموں سے ناراض اور اچھے کاموں سے خوش ہوتا ہے اور بُرے کاموں کا چھوڑنا اور اچھے کاموں کا اختیار کرنا اُسوقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ اچھے بُرے کاموں کا اُسکو علم نہو اور یہ علم تفصیلی حاصل نہیں ہوسکتا جبتک کہ کوئی نبی موجود نہو پس خدا پر نبی کا معین کرنا لازم ہوگا ورنہ اگر ما با اُسکے بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے بجالانے کی تکلیف فرض کیجائیگی تو تکلیف ما لایطاق لازم آئیگی اور اگر یہ تکلیف فرض نہ کیجائے گی تو حکیم مطلق کا بُرے کاموں پر اور اچھے کاموں کے چھوڑدینے پر راضی ہونا لازم آئے گا جو اُسکی مقدس ذات پر جائز نہیں ہے پس ایسی صورت میں اگر یہ شخص خود نبی نہوگا تو اُسکو نبی کی تلاش واجب ہوگی اور جبکہ کسی شخص کا نبی ہونا معلوم ہوجائیگا تو اُسکی اطاعت لازم اور اُسکی ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

وجوب نبوت پر اعتراضات اور انکا دفیعہ

اس مقام پر بعض لوگوں نے کچھ شبہے کئے ہیں جنسے تعرض کرنا اور اجمالی طور پر انکا جواب دینا نہایت ضروری ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلا شبہہ ... حکیم مطلق کی طرف سے کسی شخص کا نبی ہونا فرض کیا جائیگا تو نبی کے لئے اس امر کا علم ضروری ہوگا کہ وہ حکیم مطلق ہی نے ہدایت کرنیکی غرض سے بھیجا لیکن کوئی طریقہ

ان شبہوں میں سے اکثر ... اور برہمنوں نے وارد کیا ہے ۱۲

ایسا نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے اُسکو اس امر کا علم حاصل ہو اس لئے کہ نبی نے جس کو اپنے نزدیک حکیم مطلق فرض کیا ہی ممکن ہے کہ وہ کوئی جنی ہو علیٰ کہ تمام مسلمانوں نے جنوں کی موجود ہونے پر اتفاق کیا ہی اور جبکہ حکیم مطلق کے بھیجنے کا معلوم ہونا ممکن نہوا تو کسی شخص کے نبی ہونیکا معلوم ہونا بھی محال ہو گا۔

جواب۔ یہ دعوے بالکل غلط ہے کہ نبی کو اس امر کے معلوم ہونیکا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اسکو خدا ہی نے مبعوث و مقرر کیا ہے اس لئے کہ خدا ایسی دلیل کے قایم کردینے پر قدرت رکھتا ہے کہ نبی کو قطعی طور پر اپنے منجانب اللہ مقرر ہونیکا علم حاصل ہو جائے اور یہ کہ اُسکو کسی مخلوق نے مقرر نہیں کیا ہے۔ اسکی علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُس (نبی) کے لئے ایسے معجزے عطا فرمائے جنکے ظاہر کرنے سے تمام مخلوقات عاجز ہو اور نبی کے لئے اس مطلب میں شبہ رہے کہ مجکو خدا نے مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ انسان کو بہت سی چیزوں کا بدیہی طور سے علم حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا پس ممکن ہو کہ نبی میں ایسا بدیہی علم پیدا کردے جس کی وجہ سے نبی کو بھی بدیہی طور سے اس مطلب کا علم حاصل ہو جائے کہ اس کا مقرر کرنے والا اور ہدایت کے لئے بھیجنے والا خدا ہی ہے۔

دوسرا شبہہ جس نے نبی کو خبر دی اور وحی کا القا کیا وہ دو حال سے خالی نہیں ہے اوّل اسکا جسمانی ہونا اس صورت میں یہ امر غلط ہو گا کہ نبی کے سوا اسکو اور کوئی شخص دیکھ نہ سکے۔ دوم اسکا روحانی ہونا۔ اس صورت میں تکلم کے ساتھ وحی کرنا محال ہو گا۔

جواب۔ ہم دونوں شقوں کو اختیار کر سکتے ہیں اور کسی صورت میں محال لازم نہ آئیگا پہلی صورت میں اسلئے محال لازم نہ آئیگا کہ جسمانی چیز کو ہر ایک شخص کا دیکھنا لازم نہیں ہے بلکہ اسکو وہی شخص دیکھ سکتا ہی جسکے لئے دیکھنے کے جملہ شرائط موجود ہوں اور اس سے کوئی چیز مانع نہ فرض کیجائے۔ لیکن محل بحث میں یہ امر ممکن ہے کہ غیر نبی کے لئے دیکھنے کے شرائط موجود نہوں یا دیکھنے سے کوئی امر مانع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جسمانی چیز کا ہر شخص کے لئے دکھلائی دینا لازم نہ ہو گا بلکہ ممتنع ہو گا۔ دوسری صورت میں اسلئے محال لازم نہ آئیگا کہ روحانی چیزوں کا وحی کے ساتھ تکلم کرنا ممتنع نہیں ہے اس لئے کہ روحانی سے ہم تو ایسے جسم کو مراد لیتے ہیں جسکا

تکلم کرنا کسی کے نزدیک بھی محال نہیں ہے۔ روحانی سے ہم جوہر مجرد[۱] کو مراد نہیں لیتے جسکا تکلم کرنا ممتنع اور محال ہے اسلئے کہ ہمارے نزدیک فرشتوں کے لئے نورانی جسم ہوتے ہیں جنکی وجہ سے اُنپر اُترنا چڑھنا اور حرکت وسکون کرنا صادر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان سے لوازم جسم کا علیحدہ کرنا درست نہیں ہوسکتا۔ اسکے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کے دل میں خدا ایسے الفاظ اور حروف کو پیدا کرے جن میں رسول نے مطلقاً غور وفکر نہ کی ہو اور اُسکو یقیناً معلوم ہو جائے کہ ان الفاظ وحروف کو خدا کے سوا کسی دوسرے شخص نے حادث نہیں کیا۔ اسکے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کسی روحانی جوہر کو اس امر پر مامور کرے کہ وہ رسول کے دل میں مخصوص الفاظ کا القا کرے اور نبی کو انکا جانب اللہ حادث ہونا قطعی طور پر معلوم ہو جائے۔

تیسرا شبہہ۔ کسی شخص کے رسول ہونیکی تصدیق سے پہلے صانع عالم کے وجود اور اوصاف کی معرفت کا حاصل کرنا ضروری ہے جسکے حاصل کرنے کے لئے زمانہ کی کوئی مقدار معین نہیں ہے پس مکلف کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اِس ضروری امر کے حاصل کرنے کی غرض سے مہلت طلب کرے اور ہر ایک زمانہ میں یہ عذر کردے کہ ابھی تک مجھکو صانع عالم کے وجود اور اوصاف کی پوری معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس صورت میں نبی کا ساکت ہونا اور اسکی نبوت و رسالت کا عبث اور بے فائدہ ہونا لازم آئے گا۔

جواب۔ صانع عالم کے وجود اور معرفت کا حاصل کرنا ہر ایک مکلف پر لازم ہے اور اسی طرح صانع عالم کو مکلف کے لئے اپنے وجود اور اوصاف پر ایسی واضح اور روشن دلیلوں کا قایم کردینا بمقتضائے حکمت واجب ہے جنکے بعد مکلف کو اسکے وجود اور اوصاف کی معرفت کے حاصل ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے اس صورت میں صانع عالم کی معرفت کا نبی کی رسالت سے پہلے حاصل ہونا لازم ہوگا اور نبی پر مکلف کا مہلت دینا لازم نہ ہوگا

[۱] جوہر مجرد سے وہ چیز مراد ہے جو مادہ کی طرف محتاج نہو ۱۲

اور اس کا عذر قابل سماعت نہ سمجھا جائیگا۔ مثلاً اگر کسی بادشاہ کے سامنے اسکی رعیت میں سے کوئی شخص مدعی ہو کہ مجکو بادشاہ نے فلاں خدمت پر معین کیا ہے اور بادشاہ اسکی اس قول کی تصدیق بھی کر دے تو جس طرح اسکے صادق اور راست گو ہونے میں کسی طرح کا شبہ کرنا درست نہ ہوگا اسی طرح نبی کے صادق اور راست گو ہونے میں کسیطرح کا شبہ کرنا درست نہو گا۔

چوتھا شبہ۔ اگر کسی نبی کا مقرر ہونا جائز ہو گا تو تکلیف کا متعلق کرنا بھی جائز ہو گا لیکن تکلیف کا متعلق کرنا جائز نہیں ہے پس نبی کا مقرر ہونا بھی جائز نہو گا۔

جواب۔ تکلیف کا خوبی و بھلائی کے ساتھ موصوف ہونا اور اسمیں کسیطرح کی بدی اور برائی کا موجود نہ ہونا اور بندوں سے اسکے متعلق ہونیکا ضروری اور لازم ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہے لہذا اسکے جائز نہونیکا شبہ نہایت رکیک ہو گا اور جبکہ تکلیف کا متعلق ہو ضروری ہوا تو نبوت کے ضروری ہونے میں شبہ کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے ازبسکہ اس بحث کی کتاب العدل میں نہایت تفصیل اور بسط کے ساتھ شرح ہو چکی ہے لہذا اس مقام پر طول دینا عبث اور بیفائدہ ہے۔

پانچواں شبہ۔ ہماری عقل کے ذریعہ سے بعض کاموں کی خوبی اور بھلائی معلوم ہو جاتی ہے جیسے احسان کرنا ایسے کاموں کا بجا لانا ضروری ہے۔ اور بعض کاموں کی بدی اور برائی معلوم ہو جاتی ہے جیسے ظلم کرنا ایسے کاموں کا ترک کرنا ضروری ہے اور بعض کاموں کی خوبی یا برائی تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہوتی ایسے کاموں کا ضرورت کے وقت بجا لانا لازم ہوگا اور ایسے کام کا محض کسی ضرر کے احتمال کی بنا پر ترک کرنے کا حکم کرنا درست نہو ایسی صورت میں نبی کا مقرر ہونا عبث اور بیفائدہ ہو گا جس کا حکیم مطلق سے صادر ہونا محال ہے پس نبی کا مقرر ہونا بھی محال

جواب۔ عقل کے ذریعہ سے جن کاموں کی خوبی اور بدی معلوم ہو جاتی ہے ان میں نبی کے مقرر ہونے کے لیے فائدے موجود ہیں جن کا انکار کرنا کسی طرح درست نہ ہو گا۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ اگر عقل نے کسی کام کی خوبی یا بدی کو تفصیل کے ساتھ معلوم کر لیا ہے اگرچہ یہ فرض بہت بعید ہے کہ عقل کسی کام کی خوبی یا بدی کو تفصیل کے ساتھ معلوم کر لے کیونکہ

غالباً عقل کو کسی کام کی خوبی یا بدی اگر معلوم بھی ہو جاتی ہے تو محض اجمال کے ساتھ معلوم ہوتی ہے
بہرحال اگر عقل کا کسی کام کی خوبی یا بدی کو تفصیل کے ساتھ معلوم بھی کر لینا فرض کیا جائے تو
نبی کے ذریعہ سے اسکی تائید ہوتی ہے اور عقل کو نبی کے بیان کر دینے کے بعد اپنے معلومات پر اعتماد
بڑھ جاتا ہے اور تائید کا بہم پہونچنا بھی بہت بڑا فائدہ ہے جس کا حکیم مطلق کی طرف سے متروک ہونا
درست نہیں ہو سکتا۔ اور اگر عقل کا بعض اُمور کو محض اجمالی طور سے معلوم کر لینا فرض کیا جائے تو تائید
کے علاوہ نبی کے مقرر ہونے میں یہ فائدہ بھی حاصل ہوگا کہ وہ عقلی معلومات کی تفصیل کو بھی بیان فرمائیں
مثلاً احسان کرنا اگرچہ خوبی کے ساتھ موصوف ہے لیکن عقل کے ذریعہ سے یہ امر معلوم نہیں ہو سکتا
کہ کس شخص کے ساتھ کس حد کا احسان کرنا چاہیے پس اسکی تفصیل اُسوقت تک معلوم نہیں ہو سکتی
جبتک کہ نبی کا حکیم مطلق کی طرف سے مقرر ہونا فرض نہ کیا جائے۔ ان سب باتوں کے علاوہ
یہ بات ہے کہ عقل کے لئے ہر ایک کام کی خوبی یا بدی کا محض معلوم ہو جانا کافی نہیں ہے بلکہ عقل کی
معلومات پر عمل ہونا بھی ضروری ہے اور چونکہ نفسانی خواہشوں کی وجہ سے عقل کو اپنے معلومات پر عمل کرنا
دشوار ہوتا ہے اس لئے نبی کے مقرر کرنیکی بہرحال ضرورت ہے تاکہ وہ انسان کو نفسانی خواہشوں سے
باز رہنے اور عقلی معلومات پر عمل کرنے کی ہدایت کرے۔ اور جن کاموں کی خوبی یا بدی کو عقل بالکل
معلوم نہیں کر سکتی ان میں عقل کا نبی کے مقرر ہونیکی طرف محتاج ہونا بہت واضح ہے اور یہ خیال کرنا
کرنا کہ جن کاموں کی خوبی یا بدی تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان کاموں کا ضرورت
کے وقت بجا لانا جائز ہوگا۔ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ اسکے بجا لانے میں ہلاکت
کا خطرہ نہو مثلاً اگر کوئی شخص بھوکا یا پیاسا ہو اور اُسکو سنکھیا یا تیزاب کا کوئی ضرر معلوم نہو
اور وہ اُسکو بے سمجھے بوجھے کھانے اور پینے میں استعمال کرے تو وہ ضرور ہلاک ہو جائیگا
ایسی صورت میں عقل کا بدیہی طور سے یہی حکم ہوگا کہ جن چیزوں کے خواص پر ہمکو اطلاع نہیں ہے
اُسکے استعمال کرنے پر اُسوقت تک اقدام اور جرأت نہ کیجائے جبتک کہ انکی پوری حالت پر
اطلاع نہ ہو اور ظاہر ہے کہ خواص اشیاء پر عقل کو خود بخود اطلاع نہیں ہو سکتی ایسی صورت میں

کسی ایسے شخص کا موجود فرض کرنا نہایت ضروری قرار پاتا ہے جو ہم کو ضروری اشیاء کی خواص و آثار پر مطلع کرے تاکہ ہم اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کو ان کی محل اور موقع پر استعمال کریں اور جو شخص کہ ہمکو اشیاء کے ضروری خواص و آثار پر مطلع کر سکتا ہے وہی نبی ہے پس عقل کی رو سے نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا اس مطلب کی زیادہ شرح اوپر کے بیانات میں ہو چکی۔

چھٹا شبہ نبوت کے ثابت ہونے میں نبی کو معجزہ کا صادر ہونا ضروری ہے اور معجزہ سے خرق عادت کا صادر ہونا مراد ہے لیکن خرق عادت کا صادر ہونا محض بے معنی اور سفسطہ ہے ورنہ لازم آئیگا کہ ہم کو کسی شے کی اصلی حالت باقی رہنے کا یقین نہ رہے جیسے پہاڑ کا سونا یا چاندی ہو جانا گھر کے برتنوں کا آدمی ہو جانا نبوت کا اپنے دعوے کے بعد معدوم ہو جانا۔ اور کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں پر معجزہ کا ظاہر ہو جانا۔ ہمارے بدنوں کا کسی دوسرے کے ساتھ بدل جانا وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ایسی باتوں کی تجویز کرنے سے نظم عالم کا درہم و برہم ہو جانا لازم آئیگا لہذا معجزہ کا صادر ہونا محال ہوگا۔

جواب۔ اس شبہ کا جواب دو وجہوں سے ہو سکتا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ شبہ صحیح ہو تو اسکو خاص اسلام کے ساتھ کوئی خصوصیت نہوگی۔ بلکہ وہ ہر ایک فرقہ پر وارد ہوگا مثلاً یونان کے بڑے بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں کے نزدیک خرق عادت محال ہے لیکن باوجود اس کے ایسے امور کو بہت سے مقامات پر انہوں نے جائز رکھا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ انسان بغیر توالد کے باقی حشرات کی طرح پیدا ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل میں بیان کرتے ہیں کہ انسانی جسم کا عناصر اربعہ کے بروجہ مخصوص اکٹھا ہو جانے سے تکون ہوتا ہے اور ان (عناصر اربعہ) کا شکم مادر کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر بروجہ مخصوص اکٹھا ہو جانا ممکن ہے اسی طرح ان اجزاء کا ایک محدود زمانہ تک مخصوص کیفیت پر باقی رہنا اور ان میں مزاج مخصوص پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور جبکہ مزاج مخصوص کا پیدا ہو جانا صحیح ہوا تو اس کے لئے مبدأ فیاض کی طرف سے نفس کا موجود ہونا بھی ضروری ہوگا۔ اس صورت میں انسان کا شکم مادر کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے پیدا ہو جانا ممکن ہوگا پس اگر معجزہ کا صادر ہونا سفسطہ ہوگا تو ایسی ہی یہ

فلاسفروں اور نامی حکیموں کا انسان کے بغیر توالد پیدا ہونے کو تجویز کرنا بھی باطل ہوگا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حوادث عالم کے پیدا ہونے میں آسمانی تشکلات کو پورا پورا دخل ہے اور آسمانی تشکلات کی کوئی حد نہیں ہے پس ممکن ہے کہ ان تشکلات میں کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جسکی وجہ سے خرق عادت کا واقع ہونا صحیح ہو پس جبکہ آسمانی تشکلات کی وجہ سے خرق عادت کا واقع ہونا صحیح ہو تو معجزہ کی وجہ سے خرق عادت کے واقع ہونے میں کیونکر استبعاد ہو سکتا ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ عنصری مواد تحریک فلکی کے مطیع ہوتے ہیں پس جبکہ ہم اپنی آنکھ کو بند کر لیں تو ممکن ہے کہ کوئی تشکل فلکی ایسا پیدا ہو جسکی وجہ سے دجلہ کا پانی خون ہو جائے اور اس (تشکل فلکی) کے برطرف ہو جانے پر دجلہ کا پانی اپنی اصلی حالت کی طرف رجوع کرے۔ پس جبکہ تحریک فلکی کی وجہ سے ایسے عجائب امور کا حادث ہونا ممکن ہو تو کیا وجہ ہے کہ معجزہ کی وجہ سے کسی عجیب امر کا پیدا ہونا درست نہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کے ہاتھ پر کسی خرق عادت کے صادر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس (خرق عادت) کا ہر حال میں صادر ہونا صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ خرق عادت کے صادر ہونیکا سفسطہ میں داخل ہونا اسی وقت لازم آسکتا ہے جبکہ ہم اسکے صادر ہونے کو ہر حال میں تجویز کریں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم اسکے صادر ہونیکو فقط نبی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں تاکہ اسکا صادر ہونا اس (نبی) کے صادق اور راست گو ہونے پر دلالت کرے اسکے علاوہ یہ بھی کہ اگر ہم خرق عادت کا ہر حال میں واقع ہونا بھی تجویز کریں جب بھی اسکا سفسطہ ہونا اسوقت میں لازم آئیگا جبکہ ہم اسکے واقع نہونیکا یقین رکھتے ہوں پس اگر ہم تجویز کریں کہ ہمارا مکان سونے یا چاندی کا ہو سکتا ہے۔ اور باوجود اسکے یقین کریں کہ وہ ایسا ہوا نہیں ہے تو ایسا امر کسی عاقل کے نزدیک بھی سفسطہ میں داخل نہوگا اس لئے کہ کسی شے کے ممکن ہونے کو اسکا واقع ہونا لازم نہیں ہے پس ہم اسکے واقع ہونے کو اسی وقت تجویز کرینگے جبکہ کوئی نبی اسکا دعوے کرے اور اس کے نبی ہونیکا ثبوت اس پر موقوف ہو اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم تسلیم کریں کہ

ہر ایک وقت میں خرق عادت کا تجویز کرنا سفسطہ ہے جس سے عالم کے انتظام میں خلل پڑتا ہے۔
تو اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ سچے نبی اور برحق رسول کے ہاتھ پر خرق عادت کا تجویز کرنا بھی ضرور
سفسطہ ہے جس سے عالم کے انتظام میں خلل پڑتا ہے اسکے علاوہ یہ ہے کہ معجزہ اگرچہ عام
لوگوں کی نسبت خارق عادت ہوتا ہے لیکن وہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کے اوصیاء کی
نسبت ہرگز خارق عادت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان حضرات کی نسبت قدیمی عادت ہے جو
حضرت آدمؑ سے ہمارے حضرتؐ کے مبارک زمانہ تک باقی اور مستمر ہے۔

ساتواں شبہ یہ کہ معجزہ کا نبی کے صادق ہونے پر اسی وقت دلالت کرنا ثابت ہو سکتا ہے
جبکہ اس معجزہ کا فعل خدا ہونا ثابت ہو جائے لیکن یہ امر ہرگز مسلم نہیں ہے کہ معجزہ فعل خدا
ہوتا ہے پس ممکن ہے کہ وہ خود مدعی کا فعل ہو اور اس کا نفس ایسے افعال کے صادر کرنے پر
قدرت رکھتا ہو جن کے صادر کرنے سے دوسرے لوگوں کے نفس عاجز ہوں۔ اور یہ بھی
ممکن ہے کہ اسکا مزاج ایک خاص عنوان کا واقع ہوا ہو جس سے ایسا امر سرزد ہو سکتا ہو جس سے
باقی لوگ عاجز آجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بعض اشیا کی عجیب و غریب خاصیتوں کو جانتا ہو
اور ان کے ذریعہ سے ایسے آثار کے صادر کرنے پر اس کیلئے قدرت حاصل ہو جن کے صادر
کرنے سے تمام لوگ عاجز ہوں۔ جیسا کہ مقناطیس کا لوہے کو جذب کرنا۔ کہربا کو مٹی کو جذب کرنا۔
پتھر کے بعض اقسام کا سرکہ کے قریب جانا جس کو عربی زبان میں حجر باغض الخل (وہ پتھر
جو سرکہ کو دشمن رکھتا ہے) کہتے ہیں۔ بعض پتھروں کا بارش ہونے میں مفید ہونا۔ اور یہ بھی ممکن ہے
کہ وہ ساحر ہو یا کوئی ایسا طلسم[1] جانتا ہو جسکو باقی لوگ نہ جانتے ہوں پس ممکن ہو گا کہ ایسی ہی بعض

[1] طلسم سے سماوی قوتوں کا ارضی قوتوں کے ساتھ مخلوط کرنا مراد ہے اس لئے کہ سماوی قوتوں کے ذریعہ سے عنصری چیزیں پیدا ہوتی
ہیں اور اُن کے پیدا ہونے میں مخصوص شرطوں کا موجود ہونا لازم ہے جن کے بعد ان (عنصری چیزوں) میں خاص خاص آثار کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے
پس جو شخص کہ ان مخصوص شرطوں پر مطلع ہو اس کے لئے آثار غریبہ کے حادث کرنے پر قدرت حاصل ہوگی
پس ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی انوکھی بات کو طلسم کے ذریعہ سے حادث کر سکتا ہو جس پر عام انجان لوگ
قادر نہ ہوں۔ ایسی صورت میں اسکا فعل خدا ہونا ثابت نہ ہو گا ۱۲

چیزوں کے ذریعہ سے کوئی شخص خارق[ف] عادات اُمور کو صادر کرے اور عوام کو حقیقت حال پر اطلاع نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص بعض شیاطین کو تسخیر کرلے اور اُن کے ذریعہ سے بعض آثار غریبہ کو صادر کرے اور اسکو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص علم نجوم کے ذریعہ سے بعض آثار کے واقع ہونے پر مطلع ہو اور اُسکو اپنے لئے معجزہ قرار دے پس جبکہ ایسی ایسے اُمور کے ذریعہ سے بھی خرق عادت کا سرزد ہونا ممکن ہے تو کسی مدعی نبوت کے صادق ہونیکا یقین کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

جواب۔ ہم تحقیق معجزہ کے مقام پر بیان کرینگے کہ اس (معجزہ) سے وہ غیر معمولی کام مراد ہے جو خارق عادت ہو۔ اور نبی سے اسکے دعوے کی تصدیق کے لئے صادر ہو جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری نہ ہو سکتا ہو اور اسکے واقعی اسباب پر کسی انسان کو اطلاع نہو سکتی ہو۔ یا یوں کہو کہ اسکا واقعی سبب فطرت کے موجودہ قوانین سے خارج اور محض حکیم مطلق کا ارادہ اسکی حادث ہونے کی اصلی علت ہو اس صورت میں خرق عادت کا کسی انسان سے صادر ہونا محال ہوگا پس اس شبہ میں جو چیزیں مذکور ہوئی ہیں وہ کسی ہوشیار اور عاقل شخص کے نزدیک معجزہ کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتیں اور اگر بالفرض عوام الناس کے بعض افراد پر انکا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو حکیم مطلق پر اسکے اشتباہ کا بمقتضائے حکمت برطرف کر دینا ضروری ہوگا تاکہ بندوں پر خدا کی حجت تمام ہو ورنہ خدا کے فعل کا عبث ہونا اور اس کا لوگوں کو غلطی میں واقع کرنا لازم آئیگا۔ جو اس کی مقدس ذات پر جائز نہیں ہے اور کسی قبیح کام کا اس سے صادر ہونا محال ہے جیسا کہ کتاب العدل میں ذکر ہو چکا ہے اور اس بحث کا تفصیلی تذکرہ اور اسکی مبسوط شرح انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گی۔

[ف] جو امر کہ اسباب غریبہ کے ذریعہ صادر کیا جاتا ہے اُنکو غیر معمولی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اُسکا خرق عادت کہنا حقیقتاً صحیح نہیں ہے ۱۲

نبی کا صاحب معجزہ ہونا

معجزہ کی تعریف} معجزہ سے وہ خرق عادت مراد ہے جو نبوت یا امامت کے دعوی کی تصدیق کے لئے صادر ہو۔ اور خرق عادت سے کسی شے کا غیر معمولی اسباب اور غیر عادی وجوہ سے ذریعہ سے صادر ہونا مراد ہے پس جس چیز کے صادر ہونے میں عادی اور معمولی اسباب کو دخل ہوگا وہ خرق عادت سے خارج ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بشر اوسکے صادر کرنے سے عاجز ہو اور تعلیم و تعلّم اُسمیں جاری نہو سکتا ہو اس لئے کہ بشر کو محض ایسے ہی اسباب پر اطلاع ہو سکتی ہے جن سے کسی امر کے صادر ہونے کی عادت جاری ہے۔ ایسے ہی اُمور میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ بھی قایم ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ایک نبی بہت سے انبیار کو تیار کردیا کرتا۔ پس اگر فعل مذکور نبی یا امام سے قبل دعوائے نبوت یا امامت صادر ہو تو اُسکو ارہاص کہتے ہیں اور اگر دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقرون ہو تو اصطلاح میں اُسکو معجزہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جو خرق عادت کہ غیر نبی یا امام سے صادر ہوتی ہے اُسکی دو قسمیں ہیں پس اگر وہ کسی صالح و پرہیزگار سے صادر ہو جنکو اصطلاح میں اولیار کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تو کرامت کہلاتی ہے۔ اور جو خرق عادت کہ کسی بدکار سے صادر ہو تو اُسے استدراج کہتے ہیں اور فرق مذکور محض اصطلاحی ہے ورنہ ارہاص۔ معجزہ۔ کرامت اور استدراج سب فعل خدا ہوتے ہیں جنکا غیر خدا سے صادر ہونا محال ہوتا ہے۔ پس معجزہ میں کئی شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے

شرائط معجزہ} علمار اعلام نے معجزہ میں کئی شرطوں کا ذکر فرمایا ہے جو بالاجمال درج ذیل ہیں

اوّل۔ اُسکا فعل خدا ہونا۔ اور فعل میں وہ ترک بھی داخل ہوگا جو باعتبار عادت بشر سے صادر ہو سکتا ہو لیکن بحکم خدا اُسکے صادر کرنے سے وہ عاجز آجائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

۱؎ اگر نبی یا امام سے کوئی خرق عادت صادر ہو بغیر اسکے کہ دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقرون ہو تو وہ بھی کرامت میں داخل ہوگی ۱۲

حرم محترم جناب سارہ کے قصہ میں مرقوم ہے کہ فرعون مصر نے اُنکی طرف اپنے ہاتھ کو بڑھانیکا قصد کیا لیکن بحکم خدا اُسکا ہاتھ بڑھ نہ سکا

دوم۔ اُسکا خارق عادت ہونا یعنی اُسکا اسباب عادیہ کے خلاف ہونا جیسے آگ سے خنکی کے اثر کا اور پانی سے گرمی کے اثر کا محسوس ہونا۔ اِس قید سے سحر و شعبدہ بھی خارج ہو گیا۔ اسلئے کہ اُن دونوں کا اسباب عادیہ پر مبتنی ہونا معلوم ہے اگرچہ عام لوگوں کو اُسپر اطلاع نہیں ہوتی پس بشر کو اُسکا بجا لانا عادت میں داخل ہو گا اِس لئے کہ بشر کا علم اسباب عادیہ میں منحصر ہے اسیطرح آفتاب کا وقت معین پر طلوع و غروب کرنا بھی معجزہ نہو گا۔ البتہ طلوع کے وقت اُسکا غروب کرنا یا غروب کے وقت اُسکا طلوع کرنا معجزہ ہو گا۔

سوم۔ اُسکے معارضہ کا صحیح نہ ہونا۔ پس اگر اُسکا معارضہ کرنا صحیح ہو گا تو وہ معجزہ نہ ہو گا۔ البتہ کرامت میں معارضہ صحیح ہو سکتا ہے اِس لئے کہ اِس صورت میں حق و باطل میں اشتباہ نہیں ہو سکتا

چہارم۔ اُسکا مقرون بہ تحدی ہونا یعنی دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ ہی ساتھ صادر ہونا اگر ایسا نہ ہو گا تو وہ معجزہ سے خارج ہو گا۔ البتہ اسقدر تھوڑا فاصلہ جو اقتران میں مخل نہ سمجھا جائے مضر نہ ہو گا۔ اِس قید سے ارہاص بھی خارج ہو جاتا ہے اِس لئے کہ وہ بھی اگرچہ خرق عادت ہوتا ہے لیکن دعوائے نبوت کے ساتھ مقرون نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ اُسکو نبی کے مبعوث ہونے سے پہلے صادر کرتا ہے تاکہ نبی کے برحق ہونیکی دلیل ہو جیسے حضرت رسول خداؐ کی ولادت باسعادت کے وقت دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا۔ آتش فارس کا جو ہزار سال سے افروختہ تھی اور کبھی افسردہ نہ ہوئی تھی بالکلیہ گل ہو جانا۔ اور ارہاص ہی میں وہ خرق عادت بھی داخل ہے جو نبی کے لئے بطور دوام حاصل ہوتا ہے جیسے حضرت کے سر مبارک پر ابر کا سایہ کرنا۔ اور سنگریزوں کا آپ پر سلام کرنا۔

پنجم۔ اُسکا موافق دعوے ہونا ورنہ دلیل نبوت و امامت نہ ہو گا۔ اگرچہ خرق عادت ہو اور اُسکا معارضہ بھی ممکن نہ ہو اور مقرون بدعوے بھی ہو۔ بلکہ صورت مذکورہ میں مدعی کا دروغگو ہونا ضروری ہو گا جیساکہ مسیلمہ کذاب کے قصہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے اُس سے بیان کیا کہ ایک شخص کی ایک آنکھ نابینا تھی اور حضرت رسول خداؐ نے اُسکے لئے دعا فرمائی اور اُسکی آنکھ

اچھی ہوگئی یہ سنکر مسیلمہ کذاب نے بھی ایک ایسے ہی شخص کو طلب کیا جو ایک آنکھ سے نابینا تھا اور اُسکے لئے دعا کی اور اُسکی صحیح آنکھ بھی جاتی رہی۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب کو خبر پہونچی کہ حضرت رسول خدا ؐ نے پانی کے زائد ہونیکی غرض سے اپنا آب دہن کنویں میں ڈالا اور اُسکا پانی زائد ہوگیا۔ یہ سنکر اُسنے بھی ایک کنویں میں جسکا پانی کم تھا آب دہن ڈالا اور اُسکا پانی اور بھی خشک ہوگیا۔ اسیطرح [لہ] نمرود کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب حقتعالی اسنے حضرت ابراہیم ؑ پر آگ کو سرد کیا تو نمرود کہنے لگا کہ یہ آگ میری ہیبت سے سرد ہو گئی ہے پس آگ کا ایک شعلہ نمرود کے قریب آیا اور اُسکی داڑہی کو جلا دیا۔

ششم۔ ظاہر کردہ فعل اُسکی تکذیب نہ کرے۔ پس اگر کوئی شخص سوسمار کو گویا کرے اور وہ گویا ہونے کے بعد خبر دے کہ یہ مدعی کاذب ہے تو معجزہ نہو گا بلکہ اس صورت میں اُسکے دروغگو ہونے کا اعتقاد زیادہ ہو جائیگا۔ اور اگر مدعی نبوت کسی مردہ انسان کو زندہ کرے اور وہ اُسکے دروغگو ہونیکی خبر دے تو آیا یہ معجزہ [عہ] ہوگا یا نہیں؟ بعض علمار نے اسکو معجزہ میں داخل کیا ہے اسلئے کہ زندہ کرنا خرق عادت ہے جو ظاہر ہو چکا اور تکذیب کرنا اُسکا اختیاری فعل ہے جسکا اعتبار نہیں ہو سکتا لیکن بعض علمار نے بیان کیا ہے کہ اُسکا تکذیب کرنا اُسکے معجزہ ہونے میں ضرور قدح کریگا اس لئے کہ اُسکے فعل سے ہی اُسکی تکذیب ہو گئی۔ اگر وہ صادق ہوتا تو ایسے شخص کو کیوں زندہ کرتا۔ اور بعض علما ءنے بیان کیا ہے کہ اگر اُسکی حیات مستمر رہے تو اُسکی تکذیب قدح نکریگی اس لئے کہ استمرار حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی حیات محض اُسکی تکذیب کرنیکی غرض سے نہ تھی۔ اور اگر وہ فوراً مرجائے تو اُسکی تکذیب قدح کریگی اس لئے کہ فوراً مرجانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی حیات محض تکذیب کرنے ہی کی غرض سے تھی

لہ بعض لوگوں نے اس قصہ کو آزر کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور ممکن ہے کہ دونوں کے ساتھ ایک ہی قصہ پیش آیا ہو ۱۲

عہ مقام تصدیق میں ایسے معجزہ پر بنا کرنا مناسب نہیں ہے جسکی وجہ واضح ہے ۱۲

بہرحال اسمیں شبہ نہیں ہو کہ مذکورہ بالا شرائط و قیود کے ساتھ جو فعل صادر ہوگا اُسکا فاعل قادر مطلق کی مقدس ذات میں منحصر ہوگا اور اُسکا دعوے کے ساتھ واقع ہونا مدعی کو صادق و راست گو ہونے پر دلالت کریگا - مثلاً اگر کوئی شخص مدعی ہو کہ حقتعالی نے مجھکو دین و دنیا کی ریاست عطا کی ہے - اور مجھکو لوگوں کی ہدایت کی غرض سے مبعوث کیا ہے اور میرے دعوے کی دلیل یہ ہے کہ میں ماہتاب کو پارہ اور مردہ کو زندہ کرسکتا ہوں - اور ان اُمور کے دعوے کے ساتھ واقع ہونا بھی فرض کیا جائے تو اُس فعل کے معجزہ ہونے اور مدعی کے راست گو ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہ ہوگا - اِس صورت میں یہ فرض کرنا بالکل غلط ہوگا کہ معجزہ مدعی کا فعل ہو - اور مدعی کا نفس اُسکے صادر کرنے پر قدرت رکھتا ہو اس لئے کہ مدعی کا جو فعل ہوگا وہ ضرور عادی ہوگا جسپر مدعی ضرور مطلع ہوگا - حالانکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ معجزہ کے سبب کا عادی نہ ہونا - اور مدعی کا اُسپر مطلع نہ ہونا ضروری ہے - اسیطرح یہ فرض کرنا بھی غلط ہوگا کہ معجزہ کا سبب کوئی خاص مزاج ہو اس لئے کہ اُس صاحب مزاج کو ضرور مطلع ہوگا حالانکہ معجزہ کے سبب کا بشر کو معلوم نہ ہونا لازمی ہے - اسیطرح یہ فرض کرنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ معجزہ کسی ساحر یا شعبدہ باز سے صادر ہو اس لئے کہ اُسکے فعل کا سبب معلوم ہوتا ہے اور اُسمیں تعلیم و تعلّم جاری ہوسکتا ہے حالانکہ ہمنے بیان کیا ہے کہ معجزہ میں تعلیم و تعلّم جاری نہیں ہوسکتا - اسیطرح یہ فرض بھی باطل ہوگا کہ معجزہ کا کسی طلسم یا دوا کی تاثیر سے ظاہر ہونا ممکن ہے اسلئے کہ وہ بھی سبب عادی ہے - اور مدعی کو اُسپر اطلاع ہوتی ہے - اور تعلیم و تعلّم اُسمیں جاری ہوسکتا ہے - لہذا ایسے فعل کا معجزہ کہنا جو کسی طلسم یا دوا کے تاثیر سے ظاہر ہو ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا - اور ہم نے معجزہ کے بارہ میں جو ضابطہ بیان کیا ہے اُسپر نظر کرنیکے بعد اُس قسم کے جملہ اعتراضات کا بہت آسانی کے ساتھ دفعیہ ہوسکتا ہے - اور اگر بعض ناواقفوں پر معجزہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ مشتبہ ہوجائے اور یہ کہ وہ معجزہ کو غیر معجزہ سے تمیز نہ کرسکتے ہوں اور بغیر معجزہ اُنپر حجت تمام نہ ہوسکتی ہو تو ایسی صورت میں خداوند عالم پر لازم ہوگا کہ وہ کسی نہ کسی طرح

لوگوں پر درونگو کے مکر و فریب کو ظاہر کرے تاکہ حق کو باطل سے تمیز حاصل ہو جائے۔ اور خدا کی حجت اُنپر تمام ہو۔ اِس کلام کی فی الجملہ شرح یہ ہے کہ شعبدہ باز یا حیلہ ساز کے ہاتھ پر معجزہ کا صادر ہونا محال ہے اِس لئے کہ اگر کسی شعبدہ باز کا مدّعی نبوت ہونا اور لوگوں کا اُسکی وجہ سے گمراہ ہونا فرض کیا جائیگا تو حقتعالی کو اُسکے درونگو ہونے کا علم ضرور ہوگا اسلئے کہ اُسکا جاہل ہونا محال ہے ایسی صورت میں حقتعالی اُسکے فتنہ و فساد کو ضرور دفع کریگا اسلئے کہ حقتعالی کا کسی فتنہ و فساد پر راضی ہونا محال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فتنہ و فساد کا دفع کرنا اُسوقت تک معقول نہیں ہوسکتا جبتک کہ فتنہ و فساد کا سبب برطرف نہ ہو۔ ایسی صورت میں معمولی عقل کا آدمی بھی اِس نتیجے کے نکالنے پر مجبور ہوگا کہ حقتعالی پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص سے معجزہ کے صادر ہونے کو محال کردے پس شعبدہ باز سے معجزہ کا صادر ہونا محال ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ اگر شعبدہ باز کے ہاتھ سے معجزہ کا صادر ہونا۔ اور خدا کو اُسکی درونگوئی کو ظاہر نہ کرنا۔ اور لوگوں کو اُسکے فتنہ و فساد سے محفوظ نہ رکھنا فرض کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ جن لوگوں نے اُس (شعبدہ باز) کے نبی صادق ہونے کا اقرار اور اُسکے مذہب پر عمل کیاہے آیا حق تعالی اُن (لوگوں) کو قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کریگا یا نہیں۔ اگر خدا کا اُنپر عذاب کرنا فرض کیا جائیگا تو خدا کا ظالم ہونا لازم آئیگا اِس لئے کہ اُسکو بخوبی معلوم تھا کہ فلاں مفسدہ پرداز نے اُن لوگوں کو گمراہ کیاہے۔ اور یہ کہ اُسنے باوجود قدرت کے اُسکے فتنہ و شر کو دفع نہیں کیا۔ اور لوگوں کو اُس (شعبدہ باز) کا درونگو ہونا معلوم نہ تھا جسکی وجہ سے وہ معذور ہونگے۔ پس ایسی صورت میں خدا کا اُن لوگوں کو سزا دینا اور اُنپر عذاب کرنا ضرور ظلم ہوگا جسکے صادر ہونے کا خدا سے قبیح اور محال ہونا معلوم ہے اور کتاب العدل میں اسکی شرح ہو چکی ہے۔ اور اگر خدا کا اُنپر عذاب نہ کرنا فرض کیا جائیگا تو شریعتوں کا باطل ہونا یا کم از کم نبی صادق اور شعبدہ باز کا مساوی اور ہم رتبہ ہونا لازم آئیگا جسکا باطل ہونا بدیہی ہے۔ اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر حقتعالی کسی شعبدہ باز کو ایسے فعل کے صادر کرنے سے باز نہ رکھے جسکا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا فرض کیا جاتا ہے تو اُنمور ذیل

میں سے ایک نہ ایک امر ضرور لازم آئیگا۔ خدا کا جاہل ہونا۔ یا اُسکا عاجز ہونا۔ یا اُسکا دین باطل پر راضی ہونا۔ یا اُسکا ظالم ہونا۔ یا حق و باطل کا مساوی ہونا۔ اور ان سب اُمور کا باطل ہونا بہت ظاہر ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ معجزہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ ہرگز مشتبہ نہیں ہوسکتا اور یہ کہ صورت اشتباہ میں حق تعالیٰ پر مدعی باطل کی دروغگوئی کا ظاہر کردینا لازم ہے یہی وجہ ہے کہ انبیائ علیہم السلام کے معجزات میں باوجود تحدّی کرنے اور معارضہ طلب کرنے کے بھی کوئی شخص معارضہ کرنے پر قادر نہیں ہوا ہے اسی لئے معجزہ کے مقابلہ میں شعبدہ اور سحر باطل ہوجاتا ہے۔ یا اُسکے لئے کوئی معارض پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے جبکہ بحکم خدا اپنے عصا کو زمین پر چھوڑا اور وہ اژدہا ہوگیا۔ اوسیطرح آپ نے اپنے ہاتھ کو ظاہر کیا اور وہ ید بیضا بن گیا اور اُسکے معارضہ کی غرض سے فرعون اور اُسکی قوم نے جادوگروں کو جمع کیا تو معجزہ کے مقابلہ میں اُنکے جادو سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰؑ کی عصا نے اُنکی رسّیوں کو نگل لیا اور بالآخر جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کے نبی برحق ہونے کی تصدیق کی اور ایمان سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ حقتعالیٰ نے اس قصہ کو قرآن شریف میں اسطرح بیان فرمایا ہے۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ۝ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈالدیا وہ یکایک ظاہر بظاہر اژدہا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ جو نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے بہت روشن ہوگیا۔ قوم فرعون کے شرفا نے کہا کہ ضرور یہ پڑھا ہوا جادوگر ہے۔ یہ تمکو تمہارے ملک سے نکالدینا چاہتا ہے۔ اب تم کیا مشورہ دیتے ہو اُنہوں نے کہا کہ ان کو اور انکے بھائی کو (تو آپ) مہلت دیں اور شہروں میں گرداور بھیجدیں کہ وہ ہر ایک پڑھے ہوئے جادوگر کو حضور میں لے آئیں۔ اور وہ جادوگر فرعون کی پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے تو

الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ
تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ
الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ
اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا
اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ
جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاَوْحَيْنَاۤ
اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ
فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ
مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ
فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ
وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ وَاُلْقِيَ
السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْۤا اٰمَنَّا
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

پارہ ۹
سورہ اعراف

ہمکو کچھ صلہ بھی ملے گا۔ اُنسنے کہا ہاں (ملیگا) اور تم مقربین دربار سے بھی ضرور ہو جاؤگے (جادوگر بولے کہ اے موسیٰ تو اب تم ڈالتے ہو یا ہم ہی ڈالنے والے بنیں (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ تم ہی ڈالو۔ پس جب اُنہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور اُن کو ڈرایا اور بہت بڑا[۱] جادو لا موجود کیا۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم بھی اپنا عصا ڈالدو پس دیکھتے کیا ہیں کہ جو جو کچھ ڈھکوسلا اُنہوں نے بنا رکھا تھا وہ عصا ہے کہ سب کو نگلے[۲] چلا جاتا ہے پس اس طرح (حق تو) حق ثابت ہو گیا اور جو عمل وہ کر رہے تھے (وہ سب) باطل ہو گیا پس جادوگر وہیں مغلوب اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہم عالموں کے پروردگار پر جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے ایمان[۳] لائے

۱؎ منقول ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی گندہ اور موٹی رسیوں کو اور لمبی لمبی لکڑیوں کو زمین پر ڈالا جو زمین پر بہت بڑے اژدہوں کی طرح حرکت کرتی معلوم ہوتی تھیں جنسے سارا جنگل بھر گیا اور بعض اژدہے بعض کے اوپر سوار نظر آتے تھے ۱۲

۲؎ منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی عصا نے اژدہا بنکر جادوگروں کی تمام لکڑیوں اور رسیوں کو نگل لیا تو حاضرین کی طرف رُخ کیا وہ لوگ اپنی جان کے خوف سے بے تحاشا بھاگے اور بہت سے لوگ مونھ کے بھل زمین پر گر پڑے اور کچھ لوگ ہلاک ہو گئے ۱۲

۳؎ منقول ہے کہ وہ جادوگر کہتے تھے کہ اگر موسیٰ کا یہ فعل جادو ہوتا تو ہماری رسیاں اور لکڑیاں مفقود نہ ہوتیں ۱۲

اسی لئے جناب قطب الدین راوندی نے معجزہ اور شعبدہ کے فرق میں بیان کیا ہے کہ حیلہ گر اپنی اُستادی سے ایسے امر کو ظاہر کرتا ہے جو خلاف واقع ہوتا ہے اور اُسکے اصلی سبب کو پوشیدہ کر دیتا ہے چنانچہ سامری نے گوسالہ میں ایسے سوراخ قرار دیے تھے جنکی راہ سے ہوا کی آمد و رفت ہوتی تھی اور آواز نکلتی تھی اسیطرح شعبدہ باز نظر بندی کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی حیوان یا انسان کو ذبح کرتا ہے اور درحقیقت ذبح نہیں کرتا لیکن اُسکا ہاتھ ایسی چالاکی اور تیزی کے ساتھ حرکت کرتا ہے کہ لوگوں پر حقیقت حال پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اُس شعبدہ باز نے انسان یا حیوان کو ذبح کرنے کے بعد زندہ کیا ہے اور انبیاء کے معجزات اس قسم کے نہیں ہوتے بلکہ اُن کے لئے واقعیت ہوتی ہے۔ اور عقلاء کو بدیہی طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسمیں مکر و حیلہ نہیں ہے۔ اور کافر لوگ اگرچہ اُنکا انکار کرتے ہیں مگر اُنکا یہ انکار محض عداوت اور مکاری سے پیدا ہوتا ہے ورنہ اُنکو بھی معجزہ کے واقعی ہونیکا یقین ہوتا ہی چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (پارہ ۱۹ سورۂ النمل)	اور اُنہوں نے از روئے ظلم و تکبر اُن معجزات کا انکار کیا۔ حالانکہ اُن کے دل اُنکا یقین رکھتے تھے۔

اس مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام اُسیوقت درست ہوتا ہے جبکہ جادو کے لئے کوئی واقعیت فرض نہ کیجائے اور اُس سے محض تخییل مراد لیجائے۔ لیکن اگر جادو کے لئے واقعیت فرض کیجائے جیساکہ بعض علماء کا خیال ہے تو یہ کلام درست نہیں ہو سکتا۔

لہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سامری نے قدم جبرئیل کے نیچے کی خاک کو گوسالہ میں داخل کر دیا تھا۔ اور اُسی سے وہ آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس صورت میں یہ کہنا بظاہر درست نہیں ہوتا کہ ہوا کی آمد و رفت سے جو سوراخوں کی راہ سے آتی جاتی تھی آواز پیدا ہوئی لیکن کہہ سکتے ہیں کہ گوسالہ سے بہت سی آوازیں نکلتی ہوں بعض کا سبب خاک ہو اور بعض کا سبب آمد و رفت ہوا ہو۔ اس تقدیر پر دونوں امروں میں کسی قسم کی منافات نہ ہوگی۔ اور چونکہ علامہ قطب الدین راوندی کو صرف حیلہ کا بیان کرنا مقصود تھا اسلئے اُنہوں نے دوسرے سبب کا تذکرہ نہیں کیا ۱۲

اسکا جواب یہ ہے کہ جادو کا محض خیال بندی ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝ پارہ ۱۶ سورۂ طٰہٰ ۳ } موسےٰ کو اُن لوگوں کے جادو سے خیال ہوتا تھا کہ اُنکی رسیاں اور لکڑیاں حرکت کرتی ہیں۔

اور جناب رسولِ خدا صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

لو كان للسحر حقيقة لدفعوا عن انفسهم الموت والهرم } اگر جادو کے لئے حقیقت ہوتی تو وہ اپنے نفسوں سے موت اور پیری کو دفع کرتے۔

پس جبکہ جادو کا محض تمثیل ہونا ثابت ہوا تو ہمارا کلام بہر حال درست ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ جادو کے لئے در اصل حقیقت ہے تو خداوند عالم پر لازم ہوگا کہ معجزہ کے مقابلہ میں جادو کو باطل فرمائے اور معارضہ کے مقام پر اُس (جادو) کا کوئی اثر ظاہر نہ ہونے دے ورنہ لازم آئیگا کہ حق تعالیٰ کی حجت تمام نہ ہو اور نبی برحق اور مدعی باطل میں کسی قسم کا فرق نہ ہے اسیطرح اگر کوئی شخص دروغگو اپنے نبی ہونے کا دعوےٰ کرے اور لوگوں کو گمراہ کرنیکی غرض سے ایسے اُمور کو ظاہر کرے جنسے حقیقت امر اُنپر مشتبہ ہو جائے تو حکیم مطلق پر لازم ہوگا کہ اُنکی دروغگوئی کو ظاہر کرے تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔

اعتراض۔ ممکن ہے کہ کسی دوا کی تاثیر ایسی عجیب و غریب ہو جسکی وجہ سے لوگ اُسکو معجزہ کہنے لگیں پس اس امر پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ انبیاء کے معجزات کسی دوا کی تاثیر سے ظاہر نہیں ہوئے ایسی صورت میں ممکن ہوگا کہ کسی خاص دوا کی تاثیر سے مردہ زندہ ہو سکتا ہو یا کور مادرزاد بینا ہو سکتا ہو یا کوئی حیوان بے زبان اُسکے کھانے سے اعلیٰ درجہ کا فصیح ہو جاتا ہو پس جبتک کہ یہ احتمال باطل نہ کیا جائیگا اُسوقت تک معجزہ کا دلیل نبوت ہونا ثابت نہ ہوگا۔

جواب۔ یہ امر تو قابل تسلیم ہے کہ دوا میں عجیب و غریب تاثیر ہو سکتی ہے لیکن اُسکی وجہ سے انبیاء کا معجزہ باطل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر اُس دوا کے بہم پہونچانے کا باعتبار عادت

کوئی طریقہ ایسا موجود ہو جسکی وجہ سے لوگ اُسکو بہم پہونچا سکتے ہیں تو اُسکا معارضہ صحیح ہوگا۔ اور مدعی
دروغگو کے دعوے کا اُسکے ذریعہ سے باطل کرنا ممکن ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اُسکا فعل خرق
معجزہ کے ساتھ مشتبہ نہوگا۔ اور اگر اُس دوا کے بہم پہونچانیکا باعتبار عادت کوئی طریقہ موجود
نہ ہوگا تو اُسپر کسی خاص شخص کا مطلع ہونا اُسکے نبی برحق ہونیکی دلیل ہوگی۔ اور اُسکا فعل خرق
معجزہ ہوگا۔ ایسی صورت میں مدعی کا دروغگو کہنا درست نہوگا۔ اور اگر مدعی کا دروغگو ہونا فرض
کیا جائے اور وہ کسی دوا کی تاثیر سے ایسے امر کو واقع کرے جو معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہو جائے
تو حقتعالیٰ پر حقیقت امر کا ظاہر کر دینا لازم ہوگا۔ پس خداوند عالم پر مدعی کے دروغگو ہونے کی
صورت میں لوگوں کا اُسکے معارضہ پر قادر کر دینا اور اُس (مدعی) کے راست گو ہونے کی
صورت میں لوگوں کا اُسکے معارضہ سے عاجز کر دینا لازم ہوگا۔ جسکی وجہ مذکور ہو چکی ہے۔ اسیطرح جادو
اور شعبدہ کی وجہ تفتیش اور تجسس کے بعد ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اہل خبرت اُسپر مطلع ہو جاتے ہیں
اور اسمیں تعلیم و تعلم جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً شعبدہ باز تخم مرغ کو دو تین روز تک سرکہ میں تر
کرتے ہیں جس سے اُسکا بالائی پوست نرم ہو جاتا ہے۔ اور اُسکا بقدر ضرورت دراز کرنا آسان
ہو جاتا ہے۔ پس اُسکو کسی ایسے شیشہ میں داخل کر دیتے ہیں جسکا سر بہت چھوٹا ہوتا ہے مثل
بوتل وغیرہ کے بعد ازاں اُسپر ٹھنڈا پانی چھڑکتے ہیں اور وہ تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصلی
حالت کی طرف عود کرتا ہے۔ اور نہایت سخت ہو جاتا ہے جسکا توڑنا دشوار ہو جاتا ہے
پس ناواقف لوگوں پر حقیقت امر مشتبہ ہو جاتی ہے۔ اور شعبدہ و معجزہ کو یکساں خیال کرنے
لگتے ہیں حالانکہ معجزہ کی شان اس سے کہیں بالاتر ہے۔ اُسکے اسباب پر خداوند عالم کے
علاوہ کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے معارضہ میں جو جادوگر بلائے گئے
تھے اُنہوں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں میں پارہ بھر دیا تھا جس کی وجہ سے گرمی آفتاب
کے وقت وہ حرکت کرنے لگتی تھیں اور لوگوں پر حقیقت امر مشتبہ ہو جاتی تھی بخلاف
معجزہ کے کہ اُسمیں کسی قسم کا حیلہ نہیں ہوتا اسی لئے ہر ایک زمانہ کی اُمت نے اُنکی

ضروری نہیں ہے۔ اور انکا یہ قول اگرچہ نہایت ضعیف ہے لیکن اُسکی تقریر اور اُسکے جواب کا اجمالی طور سے وارد کرنا مناسب ہے۔

تقریرِ اعتراض - امام راغب[له] اصفہانی لکھتے ہیں کہ انبیاءؑ کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہیں پہلی قسم یہ کہ وہ پاک نسب ہوتے ہیں۔ اُن کے چہرہ پر وہ نور ہوتا ہے جو دلوں کو فریفتہ کر لیتا ہے۔ اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں جو قلوب کو مسخر کر لیتے ہیں اُنکی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہو جاتی ہے پھر لکھتے ہیں کہ۔

وھذہ الاحوال اذا حصلت لا یحتاج ذو البصیرۃ الی معجزۃ ولا یطلبھا۔ } اور یہ حالات جب پائے جاتے ہیں تو سمجھدار آدمی کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہیں ہوتا

جواب - یہ تقریر کئی وجہوں سے مخدوش ہے۔

پہلی وجہ - انبیاء کے لیے جب دو قسموں کے معجزے ہوئے تو ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کے لیے ایک قسم کا معجزہ کافی ہو جائے۔ تو اُسکو دوسرے قسم کے معجزہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ لہٰذا ایسے صاف اور واضح امر کا بیان کرنا خالی از فائدہ ہے۔

دوسری وجہ - اگر احوال مذکورہ کا معجزہ ہونا فرض کیا گیا ہے تو پھر نبوت کے ثابت ہونے میں معجزہ کی ضرورت ہوئی۔ اور یہ کہ وہ بدون معجزہ کے ثابت نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس کلام سے اس مطلب کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اُسکے ثابت ہونے میں معجزہ کی حاجت نہو اور اُسمیں غیر معجزہ کافی ہو جائے۔ اور اگر احوال مذکورہ کا معجزہ ہونا فرض نہیں کیا گیا تو ہم تسلیم نہیں کر سکتے کہ نبوت کے ثابت ہونے میں کسی معجزہ کی حاجت نہ ہوگی اس لیے کہ اس صورت میں بشر کو احوال مذکورہ کا حاصل کر لینا ممکن ہوگا۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس امر کا بشر کے لیے حاصل کر لینا ممکن ہوگا اُس سے نبوت نہیں ثابت ہو سکتی۔ ورنہ بہت سے حکیموں اور فلاسفروں کا نبی ہونا لازم آئیگا۔

[له] یہ عبارت الخلاصہ کے صفحہ ۱۰۴ میں مذکور ہے۔ اور عجب نہیں ہے کہ نقل میں کسی قسم کا مسامحہ ہوا ہو ہمارے پاس اس وقت اصل کتاب موجود نہیں ہے

تیسری وجہ۔ بہت سے مقدس حکیم اور پرہیزگار فلاسفر ایسے گذرے ہیں جنمیں احوال مذکورہ موجود تھے مگر کسی صاحب بصیرت نے اُن کو نبی نہیں سمجھا۔ پس اگر نبی ہونے میں احوال مذکورہ کافی ہوتے تو صاحبان بصیرت کا اُن کو نبی نہ سمجھنا بے وجہ ہوتا۔

چوتھی وجہ۔ ممکن ہے کہ کوئی بدمعاش آدمی جسکا نسب پاک اور چہرہ نورانی ہو مقدس بنجائے اور لوگوں کو اپنا باخدا اور پرہیزگار ہونا باور کرادے پس اگر احوال مذکورہ کا نبوت کی ثابت ہونے میں کافی ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ شخص مذکور نبی ہوجائے۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کسی شخص میں احوال مذکورہ بطور معجزہ مجتمع ہوجائیں تو اُسکا نبی ہونا کسی دوسرے معجزہ کا محتاج نہ ہوگا۔ ورنہ اُسکے نبی ہونے میں کسی معجزہ کی بہرحال ضرورت ہوگی۔

معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر اعتراضات اور اُنکا دفعیہ } بعض حضرات نے معجزہ کے دلیل نبوت ہونے میں کلام کیا ہے۔ لہذا اس مقام پر انکی تقریروں کا وارد کرنا اور بروجہ اجمال اُن تقریروں سے تعرض کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلی تقریر۔ ابن رشد نے جن مسائل میں جمہور اشاعرہ سے مخالفت کی اُنمیں سے ایک معجزہ کا دلیل نبوت ہونا تھا۔ تمام اشاعرہ تسلیم کرتے آئے تھے کہ نبوت کی صحت کی دلیل معجزہ ہے ابن رشد کو اصل معجزہ سے انکار نہیں لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اس سے نبوت پر استدلال ہوسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ استدلال دو مقدموں سے مرکب ہے۔ صغریٰ یہ کہ فلاں شخص سے معجزہ صادر ہوا۔ کبریٰ یہ کہ جس شخص سے معجزہ صادر ہو وہ نبی ہے۔ یہ دونوں مقدمہ بحث طلب ہیں۔ پہلا اسلئے کہ یہ کیونکر ثابت ہو کہ جو امر خارق عادت ہمیں نظر آیا ہے وہ کسی صنعت یا کسی خاصہ طبعی کا نتیجہ نہیں ہے۔ دوسرے مقدمہ کا ثابت ہونا اول اس بات پر موقوف ہے کہ نبوت و رسالت کا وجود ثابت کیا جائے کیونکہ جو شخص سرے سے نبوت کا قائل نہو وہ اس مقدمہ کو کیونکر تسلیم کریگا۔ نبوت کا وجود بھی تسلیم کیا جائے تو یہ کلیہ کیونکر ثابت ہو کہ معجزہ نبی ہی سے صادر ہوتا ہے۔ شاید یہ کہا جائے کہ تجربہ اور عادت ہم

شاہد ہے یعنی ابتدا سے آجتک معجزہ جب صادر ہوا ہے تو انبیار سے صادر ہوا ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ دلیل صرف پچھلے انبیار کے لئے مفید ہوگی۔ سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوا ہوگا اُسکی نبوت کیونکر ثابت ہوگی کیونکہ اس سے پہلے کوئی نبی ہی نہیں آیا۔ نہ کوئی معجزہ صادر ہوا تو لوگوں کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ انبیار وہ ہیں جنسے معجزات صادر ہوا کرتے ہیں اس سے بڑھکر یہ کہ اشاعرہ تسلیم کرتے ہیں کہ انبیار کے سوا اوروں سے ہر قسم کی خرق عادت صادر ہو سکتی ہے اگر یہ مان لیا جائے تو پھر نبوت کی کیا تخصیص رہتی ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ معجزہ میں اور دیگر خرق عادات میں یہ فرق ہے کہ معجزہ صرف اُس سے صادر ہوتا ہے جو نبوت کا مدعی ہوتا اور واقعی نبی ہوتا ہے۔ اگر اور کوئی شخص جو درحقیقت نبی نہیں ہے نبوت کا مدعی ہو تو معجزہ اُس سے سرزد نہ ہوگا۔ لیکن یہ عجب تفریق ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ہر قسم کی خرق عادات انبیار کے سوا اوروں سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں تو یہ تفریق کون تسلیم کریگا کہ خرق عادت ہر شخص سے سرزد ہو سکتی ہے۔ صرف اُس شخص سے نہ ہوگی جو نبوت کا غلط دعوے کرتا ہو۔

یہ ابن رشد کی تقریر کا ماحصل ہے۔

جواب۔ بعض اوقات بدیہی طور سے ثبوت ہو جاتا ہے کہ وہ (معجزہ) کسی صنعت یا کسی طبعی خاصہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور اگر کسی عجیب و غریب امر کا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا فرض کیا جائیگا تو حقتعالی پر اُس اشتباہ) کا برطرف کرنا لازم ہوگا تاکہ نبوت کی غرض حاصل ہو۔ اسکے علاوہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نبی کا خدا پر مبعوث کرنا لازم ہے۔ پس اگر اُسکے پہچاننے کا کوئی طریقہ معین نہ ہوگا تو نبی کا مبعوث کرنا عبث ہوگا جو خدا سے صادر نہیں ہو سکتا۔ پس نبی کے مبعوث کرنے کا خدا پر واجب ہونا اور خدا کا حکیم مطلق ہونا اس امر کو ضرور مقتضی ہوگا کہ وہ لوگوں کی کسی ایسے طریقہ کو معین کرے جسکی وجہ سے اُنکا اشتباہ برطرف ہو۔ اور خدا کی حجت اُن پر تمام ہو جائے۔ اس تقریر سے پہلا مقدمہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا مقدمہ اسطرح ثابت ہو جاتا ہے کہ جب خدا پر نبی کا مقرر کرنا لازم ہوا۔ اور نبوت کا ثبوت بدون کسی معجزہ کے نہیں ہو سکتا

تو اس صورت میں رسالت کا اقرار کرنا ضروری ہوگا - اور اُسکا انکار کرنا خلاف عقل ہوگا -
اور جبکہ نبوت کا اقرار ضروری ہوا تو یہ امر بدیہی ہو جاتا ہے کہ معجزہ فقط نبی سے صادر ہو سکتا ہے
اِس لئے کہ اگر غیر نبی سے بھی اُسکا صادر ہونا تسلیم کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو
ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کرے اِس لئے کہ معجزہ کا فاعل غیر خدا نہیں ہو سکتا جسکی شرح ہو چکی ہے
البتہ اِس اعتراض کے جواب میں تجربہ اور عادت کو دخل دینا جو مجبرہ کا مذہب ہے درست نہیں ہے
اِس لئے کہ وہ سب سے پہلے نبی میں جاری نہیں ہو سکتا - اِسکے علاوہ خدا کی عادت کا
علم بھی مشکل ہے اور اگر اُسکا علم بھی ہو جائے تو خدا پر اُسکا باقی رکھنا اس مذہب کے اُصول کی
بنا پر لازم نہ ہوگا کیونکہ اِس مذہب میں خدا پر کوئی فعل لازم نہیں ہے - اور اُس سے اچھا بُرا
ہر ایک کام صادر ہو سکتا ہے - اِسی طرح یہ امر بھی تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ غیر انبیاء سے
خوارق عادات صادر ہو سکتے ہیں اسلئے کہ اُن (غیر انبیاء) کے تمام افعال ایسے اسباب سے
سرزد ہوتے ہیں جو عادی ہوتے ہیں اور اُنمیں کسب و اکتساب جاری ہو سکتا ہے - اور
خود شخص کو اُن (اسباب) پر اطلاع ہوتی ہے - اور معجزات انبیاء میں یہ باتیں نہیں ہوتیں
البتہ غیر انبیاء سے جو عجیب غریب باتیں صادر ہوتی ہیں اُنپر غیر معمولی ہونیکی وجہ سے خرق عادت
کا مجازاً اطلاق کرتے ہیں - اِسکے علاوہ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں
کہ معجزہ کا ایسے شخص سے صادر ہونا ممتنع ہے جو در اصل نبی نہو - اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ
کرتا ہو - اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو حکیم مطلق کا بندوں کو گمراہ کرنا اور حق کا باطل
کے ساتھ مشتبہ کر دینا لازم آئیگا جسکا اُس سے صادر ہونا محال ہے - البتہ یہ جواب
فرقہ مجبرہ کے مذہب پر صحیح نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اُن کے اُصول کی بنا پر خدا ہر ایک اچھے بُرے
کام کو کر سکتا ہے - اور اُس سے کسی قبیح فعل کا سرزد ہونا محال نہیں ہے - ابن رشد
کی اِس تقریر کا فرقہ مجبرہ کے اُصول کی بنا پر جواب دینا بظاہر مشکل نظر آتا ہے ورنہ اہل عدل
کے اُصول کی بنا پر اِس تقریر کی کوئی وقعت نہیں ہے جیسا کہ ہماری مختصر تقریر سے معلوم ہوا

اور آیندہ بھی اس مطلب کی شرح مذکور ہوگی۔

تنبیہ ۱۔ اگر ہم تسلیم کریں کہ معجزہ سے نبوت ثابت نہیں ہو سکتی تو معترض صاحب پر لازم ہے کہ وہ کوئی دوسرا طریقہ اُسکے ثابت ہونیکا بیان کریں اس لئے کہ اصل نبوت کے ضروری ہونے کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہے کہ معجزہ کے سوا کوئی دوسرا امر اسکو ثابت نہیں کر سکتا پس معترض صاحب کے لئے یا تو اصل نبوت کے ضروری ہونے سے دست بردار ہونا لازم ہوگا یا اس امر کا اقرار کرنا ضروری ہوگا کہ معجزہ اُسکے ثابت ہونیکا معقول طریقہ ہے

دوسری تقریر۔ اگر معجزہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع میں آتا ہے تو وہ بداہتہً باطل ہوگا کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بداہتہً حاصل ہوتا ہے اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہو تو بداہت کے خلاف ہوا اور اگر وہ (معجزہ) علت و معلول کے سلسلہ کے موافق وقوع میں آتا ہے تو وہ معجزہ نہیں ہے اس لئے کہ معجزہ سے آپ وہ امر مراد لیتے ہیں جو خرق عادت ہو۔ اور جو امر کہ سلسلہ علت و معلول کے موافق ہوگا وہ خرق عادت نہ ہوگا۔

جواب۔ معجزہ سلسلہ علت و معلول کے موافق ہوتا ہے لیکن علت و معلول کا سلسلہ اسباب عادیہ میں منحصر نہیں ہے۔ پس معجزہ کی علت محض ارادہ خدا ہوتا ہے جو اسباب عادیہ سے خارج ہے اور اس مطلب کی شرح گذر چکی ہے اور انشاء اللہ آیندہ بھی آئیگی۔

تیسری تقریر۔ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمکو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم میں تھا پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا اور بچہ سے جوان ہوا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کرینگے کہ یہ شخص غلط کہہ رہا ہے اور اسکا قول باطل واضح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خرق عادت کا دعوے ایک لغو بات ہے۔ اور جبکہ یہ کلیہ ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالوں کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر میں جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بن جائے۔ اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے۔ ممکن ہے کہ گھر میں جتنے کیڑے ہیں عالم و فاضل انسان

بنجاویں۔ ممکن ہے کہ جب میں گھر کو جاؤں تو میرا گدہا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑہا رہا ہو اور گھر میں جو کیڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بنکر ہندسہ منطق والٰہیات میں مباحثہ کر رہے ہوں تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہیگا۔

(۲) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ممکن ہے کہ دریا اور چشموں کا پانی آب زر بنجائے یا پہاڑ زر خالص ہو جائے۔ تو ہر شخص اُسکو مجنون کہیگا۔

(۳) اگر کوئی شخص کف دست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہاں عالیشان ایوان اور محل بنجائیں۔ اور نہریں جاری ہو جائیں تو ایسے شخص کو ہر ایک شخص مجنون کہے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جسقدر حوادث ہیں وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع میں آتے ہیں اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو بدیہیات میں قدح کرنا ہے۔ بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے اسی بنا پر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کردی ہے چنانچہ شرح مواقف میں ہے۔

والمعجزۃ عندنا ما یقصد به تصدیق مدعی الرسالۃ وان لم یکن خارقاً للعادۃ۔ } اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اُس سے مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو گو وہ خرق عادت نہو۔

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہے۔ اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے یعنی یہ چیز بغیر اسباب وعلت کے وجود میں آئی۔ یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول کا وجود نہ پایا جائے۔ مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہیں جلایا تو اسکے یہ معنی ہیں کہ جلانے کی علت یعنی آگ موجود تھی اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہو گیا تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اسکے چشمہ جاری ہو گیا۔ اس صورت میں یہ بحث پیدا ہو گی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ واقع میں اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہو جاتا ہے اشاعرہ اسباب کے

قائل ہیں کہ جن و شیاطین ہر قسم کے خرق عادت پر قادر ہیں۔ اسکے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جن و شیاطین انسان کے بدن میں حلول کر سکتے ہیں اور اُسوقت آدمی سے وہ تمام عجیب و غریب افعال صادر ہو سکتے ہیں جو خود اجنہ اور شیاطین سے صادر ہو سکتے ہیں اَب فرض کرو کہ ایک مدعی نبوت کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ در پردہ کسی جن کا فعل نہیں ہے۔

جواب۔ ہر ایک انسان کا اول رحم میں ہونا ۔پھر اُسکا بچہ ہونا وغیرہ ایسے حالات ہیں جنکا علم ہمکو عادت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ کی بنا عادت پر نہیں ہے پس اگر کسی شخص کا کسی نبی کے معجزہ سے پیدا ہونا فرض کیا جائیگا تو اُسکے رحم میں ہونیکا علم بے معنی ہو گا۔ **خلاصہ** یہ کہ ہم معجزہ سے خرق عادت کو مراد لیتے ہیں جسکا ہر ایک وقت دعوےٰ نہیں کرتے بلکہ اُسکا دعوےٰ ضرورت کے وقت کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر خرق عادت کا دعوےٰ ہرگز لغو نہ ہو گا۔ بلکہ معجزہ کے مقام پر بھی علم عادی کے حاصل ہونیکا دعویٰ کرنا محض لغو اور باطل ہو گا۔ اور مثالوں کا جواب بھی نمبر وار لکھا جاتا ہے۔

(۱) اگر معجزہ اور حقتعالیٰ کی قدرت نمائی کے مقام پر یہ جان کہ خرق عادت کا سرزد ہونا ضروری ہے کسی پتھر کے حکیم بنجانے اور منطق و فلسفہ کے ماہر ہو جانے اور دیگر اُمور مذکورہ کے واقع ہونے کے امکان و توعی کا دعوےٰ کیا جائے تو ایسے شخص کے عاقل ہونے اور اُسکی تکذیب کرنے والوں کے مجنون ہونے میں شبہ نہو گا۔ البتہ اگر بعنوان عادت کوئی شخص اس قسم کا دعوےٰ کریگا تو اُسکا مجنون کہنا بے شک درست ہو گا البتہ اگر کوئی آدمی اپنے گدہے کے بطلیموس ہو جانے کے امکان کا مدعی ہو گا تو اُسکے مجنون کہنے میں کسی قسم کی قباحت نہو گی اسلئے کہ گدہے کا بطلیموس ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اُسکا ایسے آدمی کی صورت ہو جانا ممکن ہے جو بطلیموس کی مثل ہو

(۲) دریا یا چشموں کے پانی کا آبِ زر بنجانا اور پہاڑ کا زر خالص ہو جانا بیشک ممکن ہے

معلول کے لئے ایسی علت کا ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔ جو اُصول قدرت کے موافق ہو اور باقی لوگوں کے نزدیک ہر ایک معلول کے لئے کسی ایسی علت کا موجود ہونا لازم ہے۔ جو اُصول فطرت کے مطابق ہو لیکن یہ قول درست نہیں ہے اور اس کلام کی مع الجملہ شرح یہ ہے کہ عدم سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اُسکے لئے علت کا ہونا ہر ایک عاقل کے نزدیک لازمی امر ہے۔ لیکن اُس علت کی دو قسمیں ہیں۔
پہلی قسم وہ ہے جو اُصول قدرت اور قوانین فطرت کے موافق ہو۔ مگر غیر معمولی ہو ایسا امر دراصل عادی ہوتا ہے۔ مگر غیر معمولی ہونیکی وجہ سے اُسکو مجازاً خرق عادت کہتے ہیں۔ اور امام فخرالدین رازی اور شیخ بوعلی سینا کے کلام میں خرق عادت سے یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ اور یہی وہ خرق عادت ہے جو غیر نبی سے صادر ہو سکتی ہے۔
دوسری قسم وہ ہے جو اُصول قدرت اور قوانین فطرت کے مطابق نہ ہو۔ ایسا امر دراصل غیر عادی ہوتا ہے۔ اور اسی کو حقیقۃً خرق عادت کہتے ہیں اور معجزہ میں خرق عادت سے یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ اور اس امر کی علت فقط حکیم مطلق کا ارادہ ہوتا ہے جسکو کسی شئے کے پیدا کرنے میں اُصول فطرت کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ اُصول فطرت کو بھی اُسی نے پیدا کیا ہے۔ پس جسطرح کہ اُس نے اُصول فطرت کو محض اپنے ارادہ سے پیدا کیا ہے اسیطرح وہ کسی جدید امر کو بھی محض اپنے ارادہ سے پیدا کر دیتا ہے۔ **پس** جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خرق عادت اور معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے وہ خرق عادت کی دونوں قسموں میں فرق نہیں کرتے اور اسی لئے ہمیشہ غلط فہمی میں گرفتار اور جہل مرکب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور ہم اس مطلب کو دوسرے مقامات پر بھی لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں پر زائد طول دینا مناسب نہیں ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مقام پر بہت بڑا دھوکا کھایا ہے اور اُنہوں نے معجزہ کو خرق عادت کی پہلی قسم میں شمار کیا ہے۔

ساتویں تقریر - جس قسم کے خرق عادات کہ پیغمبر سے صادر ہوتے ہیں اُسی قسم کے اولیار بلکہ کافر زندیق - جادوگر وغیرہ سب سے صادر ہو سکتے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ انکا نام بدلجاتا ہے - یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو اُسکو سحر و استدراج کہتے ہیں - اور انبیار سے جو سرزد ہو اُسکو اعجاز کہتے ہیں - اِس تقریر سے معلوم ہوا کہ خرق عادت کا معجزہ کہنا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ وہ (خرق عادت) غیر نبی سے بھی سرزد ہو سکتا ہے اور یہ امر محض اصطلاح ہے کہ بعض خوارق عادات کا نام کچھ رکھا ہے اور بعض کا کچھ پس جبکہ نبی میں کوئی ایسا امر نہوا جو غیر نبی میں موجود نہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بعض لوگوں کو نبی کہیں اور بعض کو نہ کہیں

جواب - جس قسم کے خوارق عادات کہ انبیا و اولیار سے سرزد ہو سکتے ہیں اُسی قسم کے خوارق عادات کا جادوگروں سے صادر ہونا صحیح نہیں ہے جسکی وجہ چھٹی تقریر کے جواب میں مذکور ہو چکی ہے - اور اُسکا تفصیلی تذکرہ انشاراللہ آیندہ کیا جائیگا - اور انبیار و اولیار کے خوارق عادات اگرچہ یکساں ہوتے ہیں اور دونوں کی علت ایسی ہوتی ہے جو قوانین فطرت کے موافق نہیں ہوتی جس سے حکیم مطلق کا ارادہ مراد ہے لیکن اُن دونوں میں یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ نبی سے جو خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں وہ دعوائے نبوت کے ساتھ صادر ہوتے ہیں اور اُنکا معارضہ صحیح نہیں ہوتا اِس لئے کہ حق تعالیٰ اُن کو تصدیق نبی کے لئے صادر کرتا ہے اور اولیار سے جو جو خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں وہ بھی اگرچہ اُصول فطرت کے مخالف ہوتے ہیں لیکن اُنکے ساتھ نبوت کا دعوے نہیں ہوتا - اور اُنکا معارضہ ہو سکتا ہے اِس لئے کہ حق تعالےٰ اولیار کے لئے جن خوارق عادات کو صادر کرتا ہے اُنسے محض اولیا کا پیش خدا محترم اور مقرب بارگاہ ہونا معلوم ہوتا ہے - اور ان مطالب کی تفصیل کئی جگہ ہو چکی ہے اور استدراج و سحر میں بڑا فرق ہے اسلئے کہ استدراج میں جو خرق عادت ہوتی ہے وہ خدا کا فعل ہوتا ہے - اور وہ درحقیقت قانون فطرت کے

مخالف ہوتا ہے بخلاف سحر کے کہ وہ درحقیقت قانون فطرت کے موافق ہوتا ہے۔ اور خود ساحر (جادوگر) کا فعل ہوتا ہے اگرچہ عام لوگوں پر وہ حقیقی خرق عادت کے ساتھ مشتبہ ہو جائے البتہ استدراج میں جو خرق عادت ہوتا ہے وہ کفار اور مشرکین کے لئے صادر ہوتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ جب کسی عاصی و گنہگار پر خداوند عالم کی نعمتیں بکثرت وارد ہوتی جاتی ہیں۔ اور وہ اُنکا کفران کرتا ہے اور اُسکی سرکشی اور زائد ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ لوگوں پر تکبر کرنے لگتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اُن (نعمتوں) کا مستحق سمجھنے لگتا ہے اور ہر ایک عصیان و گناہ کے عوض حق تعالیٰ کی نعمتیں اُسپر وارد ہوتی جاتی ہیں اور اسی طرح اُسکی تمرد و سرکشی اور خدا کی نعمتیں حد درجہ کو پہونچ جاتی ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی حجت اُسپر تمام ہوجاتی ہے تو اُسپر عذاب کرتا ہے۔ اور اُسکو اہل جہنم میں داخل کرتا ہے۔ اور وہ مردود بارگاہ ہوجاتا ہے پس جسطرح کہ معجزہ اور کرامت انسان کے ممدوح اور رستگار ہونیکی علامت ہوتی ہے۔ اُسی طرح استدراج اُس کے مذموم اور گنہگار ہونیکی امارت ہوتی ہے۔ اس صورت میں معجزہ کا استدراج پر قیاس کرنا اور استدراج و سحر کو ایک ہی شے سمجھنا حد درجہ کی غلطی ہے اور ہمارے اس مختصر بیان سے ثابت ہوا کہ معجزہ کا دلیل نبوت ہونا نہایت ظاہر ہے۔ اور حکیم مطلق اُسکو باقی چیزوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ اور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

معجزہ کے خلاف فطرت ہونیکا خیال اور اُسکا دفعیہ

بعض لوگوں نے معجزہ کے صادر ہونے کو ممتنع قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہے۔ اور قانون فطرت کے خلاف کا واقع ہونا محال ہے۔ پس معجزہ اور خرق عادت کا قائل ہونا صحیح نہ ہوگا۔

جواب۔ اس استدلال میں دو امر تنقیح طلب ہیں اوّل قانون فطرت کا مفہوم دوم اُسکے محال ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق۔

قانون فطرت کا مفہوم واضح ہو کہ اہل مادہ قانون فطرت سے علت و معلول کا وہ سلسلہ مراد لیتے ہیں جو اُنکے ہزارہا تجربوں اور اکتشافات سے معلوم ہوتا ہے کہتے ہیں کہ جس سلسلۂ علت و معلول کا ہمکو تجربہ ہوا ہے وہی قانون فطرت ہے۔ اور اُسکے خلاف کا صادر ہونا محال ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک قانون فطرت کے یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر قانون فطرت سے یہی معنی مراد لئے جائیں تو اُسکی خلاف کا محال ہونا کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے اس لئے کہ علت و معلول کے حقیقی سلسلے اور ہر ایک سبب و مسبب کے واقعی لوازم و آثار پر آدمی کا مطلع ہونا ممکن نہیں ہے۔ لہذا قانون فطرت کو اپنے تجربہ میں محدود کر دینا اور اُسکے خلاف کو قانون فطرت کے خلاف کہنا اور پھر اسکے محال ہونیکا دعوے کرنا کسیطرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیا ہمکو عالم کے جملہ اسباب و مسببات پر اطلاع ہو چکی ہے ہرگز نہیں۔ پھر یہ دعوے کیونکر درست ہو سکتا ہم کہتے ہیں کہ عالم میں ہزاروں اُمور ایسے واقع ہوے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جو ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس صورت میں لازم آئیگا کہ وہ محال بھی ہوں اور پھر باوجود اسکے واقع بھی ہوے ہوں۔ اس صریح تناقض کا التزام کون کر سکتا ہے ہم اس مقام پر توضیح مطلب کے لئے بعض ایسے اُمور کا وارد کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جو ہمارے تجربہ کے خلاف وقوع میں آئے ہیں۔

عورت کے پستان کا ران میں موجود ہونا ہر ایک شخص کو یہی تجربہ ہے کہ عورت کے پستان اُسکے سینہ پر ہوتے ہیں۔ جس سے وہ بچہ کو دودھ پلاتی ہے۔ پس اگر قانون فطرت کا اسی تجربہ میں منحصر ہونا فرض کیا جائے تو لازم آئیگا کہ اُسکے خلاف کا واقع ہونا

محال ہو۔ حالانکہ فرانس کے ایک مشہور فاضل سے منقول ہوا ہے کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی موجود تھی اور اسی سے وہ دودھ پلاتی تھی۔ اور اس مطلب کو یونان کے مشہور مورّخ رہبرڈ نے لکھا ہے۔ اور پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۷ء میں یہ واقعہ برای العین مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کا قانون فطرت ہمارے تجربہ میں ہرگز محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے تجربیات کے خلاف کو دیگر اسباب طبیعیہ کے ذریعہ سے بھی واقع کرتا ہے۔ جہانتک ہمارے ناقص تجربہ کی رسائی نہیں ہوئی۔ ہمکو اسی قدر کہنا درست ہے کہ فلاں امر ہمارے تجربہ میں آیا ہے۔ لکن یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ قانون فطرت اسی میں محدود ہے۔ اور یہ کہ اُسکے خلاف کا وقوع میں آنا محال ہے۔

مچھلی سے بدن میں رعشہ کا پیدا ہونا

ہمارے تجربہ میں یہی امر آیا ہے کہ مچھلی کے چھونے سے بدن میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ لکن تجربہ کی قدیم کتابوں میں مذکور ہے کہ مصر میں ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے جسکے چھونے سے بدن میں رعشہ اور کپکپی پیدا ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اگر آدمی اُسکو اپنے ہاتھ سے پھینک نہ دیوے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہوکر گر جائے۔ یہ واقعہ عرصہ تک خلاف عقل سمجھا گیا تھا لکن موجودہ تحقیقات نے اُس مچھلی کا وجود ثابت کردیا۔ اب فرمائیے کہ ہمارے تجربہ میں قانون فطرت کیونکر محدود ہوا اور اسکی خلاف کا وقوع میں آنا کیونکر محال ٹھیرایا جائے۔

چھتیس برس تک بدن میں بچہ کا پرورش پانا

عام لوگوں کا تجربہ ہے کہ بچہ ماں کے شکم میں پیدا ہوتا ہے اور فقط حمل کی مدت تک اُسمیں پرورش پاتا ہے۔ لکن فرانس کے فاضل مذکور لکھتے ہیں کہ ہمنے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ جو دوسری

شخص کا توأم تھا چھپن ۵۶ برس تک اُسکے بدن میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا
اب ہمارا تجربہ غلط ہوا یا قانون فطرت بدل گیا -

گھاس کا جانور کو پکڑ لینا

ہمارا تجربہ یہی ہے کہ نباتات میں حس و حرکت نہیں ہوتی لیکن آج کل نہایت شد و مد سے بہت سے نباتات ایسے ثابت ہوئے ہیں جنمیں حیوانیت اور نباتیت دونوں کے آثار مجتمع ہیں - مثلاً ایک گھاس ہے جو درختوں پر لٹکتی رہتی ہے - اور جب کوئی جانور اُسکے سامنے سے گذرتا ہے تو وہ لپک کر نہایت تیزی سے جانور کو لپٹ جاتی ہے - اور اُسکا تمام خون چوس لیتی ہے یہانتک کہ وہ جانور ہلاک ہو جاتا ہے -

آنکھیں بند کرکے باریک حرف پڑھنا

عام تجربہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے میں نور اور روشنی کا ہونا ضروری ہے - اور یہ کہ اندھیرے میں کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی حالانکہ آجکل کے بڑے بڑے فلاسفر اسی زمانہ میں امریکہ کی ایک نوجوان عورت کی حکایت چشم دید لکھتے ہیں کہ اُسکو ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ وہ سوتے سوتے اُسمیں مبتلا ہو کر کھڑی ہو جاتی تھی اور عین خواب کی حالت میں باتیں بھی کرتی تھی - اور جو کام کہ آدمی بیداری کی حالت میں کرتا ہے وہ خواب کی حالت میں کرتی تھی - پھر جبکہ اس مرض کو شدت ہوئی اور دن کو بھی اُسکا دورہ ہونے لگا تو اُسکی آنکھ کی حالت ایسی بدل جاتی تھی کہ اُس سے زیادہ عجیب حالت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی - اور نہایت باریک حرف تاریکی میں دونوں آنکھیں بند کرکے برابر پڑھتی تھی - اس کیفیت کو بڑے بڑے نیچرل فلاسفروں نے خود دیکھا اور اُسکا کوئی سبب معلوم نہوا - پس اگر محض تجربہ کا نام قانون فطرت ہو تو ان واقعات کا کیا کیا جائے گا -

پھر اہل مادہ نے قانون فطرت کو محض اپنے تجربہ میں محدود نہیں کیا بلکہ وہ اس امر کے

تصریح کرتے ہیں کہ عالم میں مادہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ اس بنا پر اُنہوں نے قانون فطرت کے دائرہ کو اور بھی تنگ سمجھ رکھا ہے۔ اور یہ کہ وہ اُسکو محض محسوسات ہی میں منحصر کرتے ہیں حالانکہ مادہ کے علاوہ روحانی اور نفسانی عالم کا موجود ہونا بھی بدیہی ہے۔ اور کوئی عاقل اور ذی غور کے بعد اُسکے موجود ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس مطلب پر قدیم حکما، اور اہل ملت کا اتفاق ہے۔ بلکہ آجکل کے فلاسفروں نے بھی روح و نفس کا نہایت شدّ و مدسے اقرار کیا ہے۔ اور یہ کہ اُن کے آثار ایسے عجیب و غریب ہیں کہ اُن کے مقابلہ میں مادی آثار کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آثار سے مؤثر پر بحث کرنا قوت جاذبہ کا پتہ لگانا۔ رویا رصادقہ وغیرہ در اصل ایسے آثار ہیں جنکے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ بعض اوقات انسان کو خواب میں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے آیندہ کے مفصل حالات معلوم ہوجاتی ہیں اس مطلب کو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ اسکے علاوہ انسانوں کی خواہشوں اور رغبتوں کا باہم مختلف اور متضاد ہونا قابل انکار نہیں ہے۔ ایک شخص دین و دنیا کے اُمور میں اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ اور نفسانی فضائل و کمالات کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ دوسرا شخص رہبانیت کو پسند کرتا ہے۔ اور دنیاوی لذتوں کو بالکل بے حقیقت سمجھتا ہے۔ تیسرا شخص محض دنیاوی لذتوں کا دلدادہ ہے اور اُسکو اُمور دین کی طرف سے محض بے پروائی ہوتی ہے۔ ان سب اُمور سے عقل سلیم اس نتیجہ پر ضرور پونہچتی ہے کہ عالم مادی کے علاوہ ایک دوسرا عالم (عالم عقلی) بھی ضرور موجود ہے۔ اس تقدیر پر اس عالم کی علت و معلول کا سلسلہ بھی قانون فطرت میں داخل ہوگا۔ اور قانون فطرت عالم مادی اور عالم عقلی دونوں کے مجموعہ کا نام ہوگا۔ اور پہلا قول باطل قرار پائیگا۔ مگر ہمارا علم اس عالم کے آثار کی نسبت بھی نہایت ہی محدود ہے۔ اور ہم کو اُس کے واقعی حالات اور حقیقی سلسلۂ علت

ومعلول کے جملہ لوازم و آثار پر اطلاع پانے کا بھی کوئی طریقہ حاصل نہیں ہے لہذا ہم کو قانون فطرت کے معلوم ہونے۔ اور اُسکے خلاف کے محال ہونے کا دعویٰ اب بھی صحیح نہ ہوگا۔ مسمریزم کے جن آثار پر ہمکو اب اطلاع ہوئی ہے وہ ہم بالکل مجہول تھے۔ اور یہ کہ ناواقف لوگ اگر اُسکے عجائب و غرائب کو کسی شخص کی زبانی سنتے تو ضرور اُسکا مضحکہ اڑاتے مگر اب یہ امر کسی طرح قابل انکار نہیں ہے کہ مسمریزم کے جو آثار معلوم ہوتے ہیں وہ بھی دراصل اسی عالم عقلی کے آثار میں بلکہ بعض لوگوں نے اسی نفسانی قوت کے اثر کا نام معجزہ رکھا ہے۔ اور اُسکا خرق عادت ہونا تسلیم نہیں کیا۔ مگر یہ اُنکی غلطی ہے اُنھوں نے اس بارہ میں غور سے کام نہیں لیا ورنہ اُنکو معلوم ہوجاتا کہ اس قوت کو معجزہ سے تعلق نہیں ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی نفسانی قوت بہت کچھ کرشمے دکھلاسکتی ہے۔ اور مسمریزم کی بنا بھی اُسی پر قائم ہے۔ اور حکماء کے نزدیک یہ قوت تمام عالم کے ہیولیٰ پر اپنا اثر کرسکتی ہے۔ پانی کو خون۔ ہوا کو پانی بنا سکتی ہے مگر غیر نبی سے اُسکے آثار بغیر مشق و ریاضت کے ظاہر نہیں ہوتے اسی لئے وہ معجزہ نہیں ہوسکتے اور نبی میں اسی قوت کے آثار بدون مشق و ریاضت ظاہر ہوسکتے ہیں لہذا وہ معجزہ میں داخل ہوجاتے ہیں اسی لئے اگر اس قوت کا فطرت نبی میں موجود ہونا فرض کیا جائے جب بھی وہ معجزہ سے خارج نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اُسپر کوئی دوسرا بشر کسی سبب عادی کے ذریعے قادر نہیں ہوسکتا

معجزہ اور مسمریزم کا فرق

اب ہم توضیح مطلب کے لئے نبی اور غیر نبی میں اس قوت کے اعتبار سے جو امتیاز ہوتا ہے اُسکو زائد شرح کے ساتھ وارد کرتے ہیں پس واضح ہو کہ معجزہ اور قوت نفسانی کے اثر میں کئی وجہوں سے فرق ہوتا ہے۔ جسکو ہم ذیل میں وارد کرتے ہیں مسمریزم[ف]

ف یہ جزو ہمنے انتصار الاسلام سے منتخب کیا ہے۔ جسکو زائد تفصیل مطلوب ہو اصل کتاب کیطرف رجوع کرے

کئی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور معجزہ میں اُنکی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۱) مسمریزم میں مشق و ریاضت سے تدریجی ترقی کر کے قوت مکمل کیجاتی ہے۔ پھر آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور معجزہ میں مشق و ریاضت کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲) مسمریزم میں تخلیہ تام کا حاصل ہونا۔ حواس کا مجتمع ہونا۔ دل کا مطمئن ہونا آثار مخصوصہ کے ظاہر ہونیمیں شرط ہے اور معجزہ میں ان اُمور کے ہونے نہ ہونے پر بنا نہیں ہر وہ اُسوقت بھی ظاہر ہوتا ہے جبکہ مذکورہ بالا اُمور میں سے کوئی امر بھی موجود نہو۔

(۳) مسمریزم میں آلات و اسباب کا بہم پونہچانا ضروری ہوتا ہے مثلاً سبزہ کا موجود ہونا معمول کا مرطوب المزاج ہونا جیسے بچہ۔ عورت۔ اور معجزہ کے صادر ہونے میں کسی قسم کے آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۴) مسمریزم میں اگر کسی غائب کا علاج کیا جاتا ہے تو کپڑے۔ روئی۔ پانی۔ مقناطیس مصنوعی شیشہ۔ کوئلہ وغیرہ میں سے کسی چیز کا بہم پونہچانا۔ اور اپنے روڈائل (نورانی اثر) کا مریض تک پرنہچانا لازم ہوتا ہے ورنہ کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اور معجزہ میں کسی چیز کی بہم پہونچانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۵) مسمریزم میں معمول کا بیخود ہو جانا لازمی امر ہے خواہ یہ خود ہی معمول بنے یا کسی دوسرے شخص کو معمول بنائے۔ اور معجزہ میں ایسی حالت ہرگز طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ نبی کے ہوش و حواس اپنی اصلی حالت پر باقی رہتے ہیں۔ اور اگر کسی دوسری شخص سے معجزہ کا تعلق ہوتا ہے تو وہ بھی اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا ہے۔

(۶) مسمریزم میں جسپر اثر ڈالا جاتا ہے اُسکا خالی الذہن ہونا شرط ہے۔ پس ایسے ہی شخص پر اُسکا اثر ہوتا ہی۔ جو اُسکا اعتقاد رکھتا ہو یا خالی الذہن ہو۔ اور منکر پر اُسکا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور معجزہ میں اسکی شرط نہیں ہے بلکہ معجزہ کا منکروں پر زیادہ اثر ہوتا ہی۔

(۷) مسمریزم میں معمول کا نرم دل ہونا۔ عامل کے مزاج سے اُسکے مزاج کا مختلف ہونا

اُنکا کم ہونا اثر کے ظاہر ہونے میں شرط ہے اور معجزہ میں کوئی شرط نہیں ہے۔ قوی دل، مشتق المزاج اور معمر و سن رسیدہ سب پر یکساں ظاہر ہوتا ہے۔

(۸) مسمریزم کا اثر انبیاء اور اوصیاء پر نہیں ہوتا۔ اور معجزہ کا اثر ہر ایک شخص پر ہوتا ہے

(۹) مسمریزم میں معمول کے توسط سے یہ امر بھی بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے معجزہ اور مسمریزم کے عمل کا ماخذ وہی نفسانی قوت ہے یا کوئی اور چیز۔ ہم کہتے ہیں کہ معمول اسکو خود ظاہر کریگا کہ معجزہ کو مسمریزم کے عمل سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اور یہ کہ مسمریزم کے آثار کا محض ریاضت و مشق پر مدار ہے۔ اور معجزہ محض حقتعالیٰ کا ارادی امر ہے جو بدون اسباب طبعیہ و عادیہ کسی نبی کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتا ہے اب جس شخص کو معجزہ اور مسمریزم کے عمل میں اشتباہ ہوا ور اول الذکر آٹھ وجہوں کے ذریعہ سے اُن دونوں میں امتیاز نہ کر سکتا ہو تو سمجھ لے کہ مسمریزم کے عمل کا معجزہ پر حمل کرنا قیاس مع الفارق ہے اور یہ کہ مسمریزم سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ اُن اسباب معینہ کا نتیجہ ہے جسکو قدرت نے مقرر کر دیا ہے۔ اور اُن اسباب کے ذریعہ سے ہر ایک شخص اُسمیں مہارت پیدا کر سکتا ہے اور معجزہ کی موجودہ اسباب پر ہرگز بنا نہیں ہے اور اُسکے ظاہر کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مذکورہ بالا آٹھ وجہوں کی ذریعہ سے اُن دونوں کا فرق کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اُسکو نویں وجہ کے ذریعہ سے اُن دونوں کا باہمی فرق دریافت کر لینا نہایت سہل و آسان ہو گا۔ بہر حال ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ اگر قانون فطرت سے عالم مادی اور عقلی کے مجموعہ کا نام مراد لیں تب بھی ہمکو اُس (قانون فطرت) کا اپنی محدود معلومات میں منحصر فرض کرنا درست نہ ہو گا اس لئے کہ ہمکو اُس مجموعہ کے واقعی حالات اور اُسکے سلسلہ علت و معلول کے حقیقی لوازم و آثار پر اطلاع نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں کسی کا قانون فطرت کے محال ہونیکا حکم کرنا محض نادانی پر مبنی ہو گا۔ اور اگر اس کے متعلق تفکر کیجئے تو اہل حکمت ا

حکمار کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ عالم کا مادی اور عقلی عالم میں کبھی انحصار نہیں ہے بلکہ اسکے علاوہ بھی ایسے موجودات ہیں جنکے واقعی حالات پر ہمکو اطلاع نہیں ہے۔ پس ممکن ہے کہ اُن موجودات سے ایسا عجیب وغریب اثر ظاہر ہو جو عالم عقلی کے مخالف ہو اس صورت میں قانون فطرت کا دوسرے معنوں سے متغیر ہونا کسی طرح بھی محال نہ ہوگا اب ضرور ہوا کہ قانون فطرت سے واقعی اور موجودہ اسباب وسببیات عالم کا ربط حقیقی مراد لیا جائے۔ اور کہا جائے کہ قانون فطرت سے عالم کا وہ نظم مراد ہے جو عالم میں واقعی علت ومعلول کے سلسلہ سے قائم ہے خواہ وہ سلسلہ مادی ہو یا عقلی یا دیگر موجودات کا اگر ہم تسلیم کرلیں کہ اس معنی سے قانون فطرت کا بدلنا محال ہے تو ہمکو کیا فائدہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہم اُس پر مطلع نہیں ہیں کیا معلوم کہ فلاں امر کسی واقعی سبب موجود سے حادث ہوا یا نہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان معنوں سے بھی قانون فطرت کے خلاف کا وقوع میں آنا محال نہیں ہو سکتا اس لئے کہ معمولی عقل بھی اس امر کے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی کہ کوئی مقنن اپنا قانون تیار کرے اور تیار کرنے کے بعد اُسکو اپنے قانون کے بدل دینے پر قدرت نہ رہے البتہ یہ امر مسلم ہو سکتا ہے کہ غیر مقنن کو اُسکے تبدیل کرنے کا اختیار نہ ہو۔ پس یہ امر کسی طرح تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ قانون فطرت کے بدلنے پر خود مقنن کے لئے بھی اختیار نہیں ہے ورنہ لازم آئیگا کہ مقنن اپنے مصنوعی قانون اور جبلی نظام کے متغیر کرنے سے عاجز ہو جائے جو بالکل غیر معقول بات ہے۔ اب اگر قانون فطرت کے یہ معنی لئے جائیں کہ اس عالم میں جو چیز واقع ہوتی ہے اُسکے لئے کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے۔ اور علیت ومعلولیت کے اس علاقہ کا برہم ہونا اور کسی شے کا بدون کسی واقعی علت کے موجود ہونا محال ہے تو ہم قانون فطرت کے یہی معنی تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اور اس امر کو بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اس معنی سے قانون فطرت کا بدل جانا محال ہے

لیکن خرق عادت جو معجزہ وکرامت میں فرض کیجاتی ہے وہ بھی اسی قانون میں داخل ہے
اور معجزہ وکرامت اِس قانون فطرت کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ ہمیشہ سے
حق تعالیٰ اپنے انبیاء و اولیاء کے لئے اُسکو برابر کرتا رہا ہے۔ اور اب بھی کرسکتا ہے۔

اعتراض۔ جب معجزہ کا ظاہر کرنا بھی قانون فطرت میں داخل ہے۔ اور حق تعالیٰ اُسکو برابر کرتا رہا ہے تو اُسکو مجرائے عادت میں داخل کرنا چاہیے۔ پھر اُسکو خرق عادت کیوں کہا جاتا ہے۔ اور علماء اسلام نے معجزہ کی تعریف میں اُسکے خرق عادت ہونیکا اعتبار کیوں کیا ہے۔

جواب۔ معجزہ کو خرق عادت محض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خداوند عالم کے موجودہ اسباب کے خلاف ہے۔ اور یہ کہ وہ فقط حق تعالیٰ کے ارادہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اُسمیں علت ومعلول کے موجودہ سلسلہ کو دخل نہیں ہوتا ورنہ علماء اسلام کے نزدیک وہ بھی عادت خدا ہے۔ اور اُسکا سبب محض ارادۂ خداوندی ہے جسپر اُسکے سوا کوئی دوسرا شخص مطلع نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اُسکے ذریعہ سے کسی اثر کو موجود کرسکتا ہے۔ اِس مطلب کی تصدیق کے لئے اصل عالم کا ملاحظہ کرنا کافی ہوگا جو محض ارادۂ ازلیہ سے وجود میں آیا ہے۔ پس اگر ہر ایک چیز کے حادث کرنے میں موجودہ اسباب کا توسط ضروری ہوتا تو یہ عالم کیونکر موجود ہوتا ورنہ قبل عالم کسی عالم کا موجود ہونا لازم آئیگا۔ پس جسطرح کہ اصل عالم کے وجود میں کسی سبب عادی کو دخل نہ تھا اسیطرح معجزہ کے وجود میں بھی کسی سبب عادی کو دخل نہیں ہوتا اور یہ کہ حق تعالیٰ اُس (معجزہ) کو مصلحت نبوت کے لئے محض اپنے ازلی ارادہ سے اُسی طرح حادث کردیتا ہے جسطرح کہ پورے عالم کو محض اپنے ازلی ارادہ سے حادث کردیا ہے لہذا معجزہ کا صادر ہونا بدون اسکا ۔۔۔ کے محال ہونیکا خیال بالکل باطل ہوگا۔

معجزہ پر اہل یورپ کے اعتراضات اور انکا دفعیہ	[illegible]

اور اہل اسلام اُنکے اُصول مسلمہ کی بنا پر جواب دیتے رہے ہیں چنانچہ ہم بھی حسب موقع اُنمیں سے بعض نہایت قوی اور زور دار اعتراضات کا تذکرہ اور اُنکا تحقیقی جواب وار دکرینگے لیکن آجکل کے تعلیم یافتہ حضرات کی طرف سے معجزہ پر جو تمام اعتراض کئے جاتے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض - خرق عادت اور معجزہ قوانین قدرت اور اُصول فطرت کے منافی ہے اور یہ کہ اُس سے سلسلہ علیّت ومعلولیت کا برہم ہونا۔ اور سبب کا بدون سبب موجود ہونا لازم آتا ہے لیکن چونکہ اُصول فطرت کے خلاف کسی فعل کا صادر ہونا یا کسی معلول کا بے اپنی علت کے موجود ہونا محال ہے لہذا معجزہ کا صادر ہونا بھی محال ہوگا ان لوگوں کا خیال ہے کہ عالم میں جو چیز واقع ہوتی ہے وہ محض اُس علاقہ کی وجہ سے واقع ہوتی ہے جو ایک مادہ کو دوسرے مادہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اور کوئی چیز بلا کسی علاقۂ مادیہ کے واقع نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ مادہ کا قدیم ہونا۔ اور اُسپر فنا کا جائز نہ ہونا۔ اور نوامیس مادہ کے خلاف کسی چیز کے واقع ہونیکا محال ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور معجزہ کے فرض کرنے میں اُصول مذکورہ کی مخالفت لازم آتی ہے لہذا وہ باطل ہوگا۔ ان حضرات کا بیان ہے کہ عدم محض سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوسکتی۔ عالم میں جو کچھ موجود ہے اُسکا مادہ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ قدیم اہل مادہ کا خیال تھا کہ مادہ اگرچہ قدیم ہے لیکن وہ (مادہ) جو صورت اختیار کرتا ہے وہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ کے اہل سائنس کا یہ خیال ہے کہ مادہ کے علاوہ دُنی چیز جو غیر مادی ہو موجود نہیں اور یہ کہ حیات قوت مدرکہ۔ کانشنس (معرفت طبعی) شعور وارادہ وغیرہ سب مادہ ہی کے کرشمے ہیں۔ مادہ ہی سکے مجتمع ہونے کے یہ چیزیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔

جواب - اعتراض مذکورہ کے جواب میں ہمکو اہل سائنس سکے اُصول مسلمہ کی بنا پر

مادہ اور اسکے احوال سے بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مادہ اور اسکے نوامیس طبیعیہ ماہیین کا خیال ہے کہ ہر ایک جسم اور عنصر کی اصل فقط وہ اجزاء لاتیجزیٰ یا چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو آنکھوں سے محسوس نہیں ہو سکتے۔ اور مادہ سے دراصل یہی ذرے مراد ہیں اور اُنکے باہمی تعلق کو قوت اجزار لاتیجزیٰ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اُنکو اگرچہ کسی حاسہ کے ذریعہ سے معلوم نہیں کیا لیکن وہ اُن کو استدلال اور قیاس کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

اِن اجزار میں چند خاصے موجود ہیں جنکو نوامیس مادہ کہتے ہیں۔

پہلا خاصہ۔ قوتِ اتصال ہے جو ہر ایک جسم یا عنصر کو جو ذرہ برابر مجتمع اور اکٹھا رکھتی ہے یہ قوت ٹھوس[ل] مادہ میں زائد ہوتی ہے۔

دوسرا خاصہ۔ حرکت ارتعاشی جسکی وجہ سے ہر ایک ذرہ بے چین رہتا ہے اور اُس کے مختلف نتیجوں سے مادہ کی حالتوں میں فرق ہو جاتا ہے۔

تیسرا خاصہ۔ اتحاد نوعیت جس سے ہر ایک جسم کے عنصر یا ذرہ کی جسامت کا یکساں ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ اور اس وجہ کہ ہر ایک جسم یا عنصر کا ہر حصہ ایک ہوتا ہے اور یہ کہ گیس کی دو قسمیں پیدا کرنا جو مختلف جسامت کے ذروں سے بنے ہوں ممکن نہیں۔

چوتھا خاصہ۔ ہر ایک جسم کے اجزار لاتیجزیٰ یا ذرہ کی اندرونی حرکت کے علاوہ ایک بیرونی حرکت بھی ہوتی ہے۔ پس بیرونی حرکت سے

[ل] اہل سائنس نے مادہ کی تین حالتیں تسلیم کی ہیں۔

ایک حالت۔ ٹھوس جیسے برف لیسے مادہ میں قوت اتصال زائد ہوتی ہے۔

دوسری حالت۔ سیال جیسے پانی۔ اسمیں قوت اتصال کم ہوتی ہے۔

تیسری حالت۔ دخانی جیسے آکسیجن اسمین قوت اتصال نہین ہوتی ۱۲

کل جسم یا نظام کی حرکت مراد ہے اور اندرونی حرکت جزو کی ایک حصہ کی دوسرے حصہ پر ہوتی ہے۔

نوامیس مادہ سے کے نتائج } مذکورہ بالا خاصتوں کے علاوہ اور بھی خاصے ذکر کئے گئے ہیں جیسے مفصلۂ ذیل نتائج نکلتے ہیں

(۱) ایک شی کے اجزا لاتیجزے یا ذرے بالکل ایک ہی سے ہوتے ہیں مگر دوسری شی کے اجزا یا ذروں سے مختلف ہوتے ہیں۔

(۲) مختلف اشیاء کے ذرون کی جسامت مختلف ہوتی ہے اور انمیں کامل تدریجی ترقی نہیں ہوتی۔

(۳) ایک شی کے ذرے اپنی اندرونی حرکت میں توافق رکھتے ہیں۔ اور اسی نوامیس روشنی میں بھی توافق رکھتے ہیں جو انسے نکلتی ہے۔

(۴) کسی ذرہ میں کسی عمل سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔

(۵) ہر ایک ذرہ میں مادہ کے خواص مذکورہ بالا موجود ہوتے ہیں۔

(۶) ہر ایک ذرہ فی نفسہ دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا یا مفرد ہوگا جیسے آکسیجن کا ذرہ یا مرکب ہوگا جیسے پانی کا ذرہ جسمیں ہیڈروجن کے دو جزو اور آکسیجن کا ایک جزو ہوتا ہے یہی وہ مادہ ہے جسکو اہل سائنس اور ارباب طبیعت نے تمام نظام کائنات کا باعث قرار دیا ہے آب ہم مادہ کے نتائج مذکورہ اور مادہ کے قدیم ہونے سے بطور اجمال بحث کرنا چاہتے ہیں

نتائج مذکورہ اور مادہ کے قدیم ہونے سے بحث } بڑے بڑے طبی ڈاکٹروں اور ذی فلاسفروں نے یہ کلیہ تسلیم کیا ہے کہ علم کی صرف استقرار اور تجربہ ہی پر بنیاد قائم ہے۔ اور یہ کہ وہ غیر محسوس پر علمی مسائل میں اعتماد نہیں کرتے۔ لہذا ہم کو انکے اسی ضابطہ سے کام لینا مناسب ہے۔ اہل تجربہ نے معلوم کیا ہے کہ اجزاء لاتیجزے یا ذروں کو ہزار ملائیں۔ اور ہزار الٹ پلٹ کریں

اُن کے اجتماع سے حیات - قوت مدرکہ - کانشنس وغیرہ کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا - تہا
صورت میں یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ عالم کے موجودہ انواع اُن کے مجتمع ہونیسے
کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں اور یہ کہ ہر ایک ذرّہ دوسرے ذرّہ کے ساتھ کیونکر مجتمع ہو سکتا ہے
بعض اہل سائنس نے خیال کیا ہے کہ وہ ذرّے خود بخود مجتمع ہو جاتے ہیں اور یہ کہ اُنکے
مجتمع ہو جانے سے حیات قدرت مدرکہ - شعور - ارادہ - عقل اور کانشنس سب کچھ پیدا
ہو جاتا ہے - لیکن اُنکا یہ خیال کچھ بہت زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھنے کے قابل
نہیں ہے اسلئے کہ وہ تجربہ کے خلاف ہے - اور عقل سلیم اُسکو کسیطرح تجویز نہیں کر سکتی
یہ ظاہر ہے کہ ذرّوں کے لئے کوئی نقیب یا ہرکارہ ایسا نہیں ہے جو اُنکو وقت ضرورت
مجتمع ہونے اور کسی انجمن کے قایم کرنے پر آمادہ کرتا ہے - اور نہ اُنکے پاس کوئی تار گھر
جس کے ذریعہ سے وہ اطلاع پا کر کسی خاص مقام پر بہ ترتیب مخصوص مجتمع ہوتے
ہیں - ایسی صورت میں خاص قسم کے ذرّوں کا کسی خاص نوع کی پیدائش کے لئے خود مجتمع
مجتمع ہونا اور غایت حکمت و تناسب کے ساتھ اکٹھا ہو جانا کیونکر ممکن ہوا - کیا یہ ممکن ہے کہ
کسی مردہ اور بے جان سے ایسے حکیمانہ افعال اور عاقلانہ حرکات صادر ہوں ہرگز
نہیں - ایسی صورت میں ہمکو ایک ایسی اعلیٰ قوت کے موجود ہونیکا ضرور اقرار کرنا پڑیگا
جو مذکورہ بالا اُمور کو اپنی حکمت بھرے ارادہ سے انجام دے اور اُنکی کونسل قایم کرکے
کسی خاص نوع کے بنانے اور تیار کرنے پر اُنکو آمادہ کرے - اسکے علاوہ اگر یہ اجزا
دراصل ساکن فرض کئے جائیں تو اُن میں حرکت کے پیدا کرنے کی غرض سے ایک
محرک کے فرض کرنیکی ضرورت پیش آئیگی - اور اگر وہ متحرک فرض کئے جائینگے تو تین
حال سے خالی نہ ہونگے -

(ا) اُنکا اپنے طبعی احیاز میں موجود ہونا اس صورت میں اُنکا اپنے حیز سے حرکت
کرنا محال ہوگا - اور کسی نوع کا اُنسے وجود میں آنا باطل قرار پائیگا اس لئے کہ کسی نوع

پیدا ہونے میں ذرّوں کا باہم اکھٹا ہونا لازم ہے - اور جبکہ اُنکا اپنے اپنے طبعی احیاز میں موجود ہونا فرض کیا گیا تو اُسکا لازمی نتیجہ یہی نکلیگا کہ اُنپر حرکت کرنا صحیح نہو -

(۲) اُنکا کسی غیر طبعی اور قسری حیز میں موجود ہونا اس صورت میں کسی قاسر کا موجود ہونا ضروری ہوگا جو اُن کے طبعی مرکزوں سے کھینچ تانکر کسی دوسرے غیر طبعی مرکز پر اکھٹا کردے جسکا موجود ہونا مفروض نہیں ہے -

(۳) اُنکا اپنے قصد و ارادہ سے حرکت کرنا - اِس صورت میں اُن کے لئے حیات - قوت مدرکہ - ارادہ - شعور - کا تشخص وغیرہ سب چیزوں کا فرض کرنا لازم ہوگا تاکہ کسی خاص نوع کو مخصوص انداز پر حد درجہ کی حکمت اور معقول تدبیر سے پیدا کر سکیں - یہ صورت بھی ممتنع ہے اس لئے کہ تجربہ نے اُنکا اوصاف مذکورۂ بالا سے خالی ہونا ثابت کردیا ہے - اِس کے علاوہ اُنھیں ایسے اوصاف کا فرض کرنا بدیہی طور سے باطل ہے - بہرحال اُن اجزا سے کسی نوع کے حاصل ہونے میں ایک ایسی اعلیٰ قوت کے موجود ہونے کی ضرورت ہوگی جو اُن کو اپنے حد درجہ کی حکمت عمل کے ساتھ اکھٹا کرے - اور ظاہر ہی کہ اِس صورت میں اُنکے قدیم ہونیکا خیال محض بے دلیل بلکہ وہم پرستی میں داخل ہوگا اور اُن کے حدوث کا قائل ہونا ضروری قرار پائیگا - یہ اور بات ہے کہ ہماری ناقص عقلیں اور محدود فکریں عالم کی ابتدا اور انتہا اور بے شمار مخلوقات کے پیدا ہونے کی واقعی حالت پر مطلع نہوں - اسوقت میں نظام شمسی یا کرہ زمین یا نباتات وحیوانات یا نوع انسان میں بیشمار تبدیلیوں کا واقع ہونا اجزاء لا یتجزئے کے قدیم ہونے کو کسی طرح بھی مقتضی نہ ہوگا - بلکہ یہ تبدیلیاں ایک اعلیٰ مقنن کے غیر متغیر قانون کا نتیجہ قرار پائینگی - اور مصلحت کے وقت اُس مقنن کو اپنے قانون کے بدل دینے اور اُسمیں تغیر کے پیدا کردینے کا اختیار ہوگا جبکہ ہم نے اصل فطرت میں مقنن کی غایت حکمت و مصلحت اندیشی کا تہہً اقرار کیا تو کیا وجہ ہے کہ اُس (قانون) کے پیدا ہونے کے بعد اسکے اختیارات سلب کرلئے جائیں اور اُس کو

اپنے بنائے ہوئے قانون میں ضرورت کے وقت مداخلت کرنیکا اختیار باقی رہے۔ یہ بات بالکل مسلّم ہے کہ اُسکے قانون میں کوئی دوسرا شخص ترمیم کرنے کا بالکل اختیار نہیں رکھتا اور نہ اُسکو قانون فطرت کے بدل دینے کی قوت حاصل ہوسکتی ہے لیکن جو لوگ معجزہ اور خارق عادت کو تجویز کرتے ہیں اُنکی غرض یہ نہیں ہے کہ ربانی قانون میں کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی تبدیلیاں پیدا کرسکتا ہے۔ بلکہ اُن کی غرض اسیقدر ہے کہ خود واضع قانون جسوقت اپنی فطری قانون میں کسی قسم کی تبدیلی کو قرینِ حکمت و مصلحت سمجھتا ہے اُسوقت اُسمیں تبدیلی و تغیر کو واقع کردیتا ہے۔ ایسی صورت میں معجزہ اور خرق عادت پر وہی شخص معترض ہوسکتا ہے جسنے مدعیان معجزہ و خرق عادت کے اصل غایت پر ذرا بھی غور سے کام نہ لیا ہو۔

مادّہ کے متعلق نئی تحقیق

ابتک حدوث مادہ کے بارہ میں جو کلام کیا گیا وہ اُن حضرات کے مقابلہ میں تھا جو مادہ کو قدیم سمجھتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اگر اس مادہ میں دوسرے گروہ کے مذاق پر کلام کیا جائے جو اسکا حادث ہونا ثابت کرچکے ہیں تو ہم کو زائد اہتمام کرنے کی ضرورت پیش نہ آئیگی اور عالم کے لئے ایک اعلیٰ قوت اور علۃ العلل کا جو قادر و مختار اور غایت حکمت کے ساتھ موصوف ہو موجود ہونا بدون اشکال ثابت ہوجائے گا۔ اور معجزہ کی تجویز کرنے میں بھی زائد اشکال نہ رہیگا جسکی وجہ ہماری اوپر کی تقریر سے بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ گذشتہ دس برس کے زمانہ میں ایک جدید عنصر ریڈیم دریافت ہوا ہے جسکے ظاہر ہونے سے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم شروع ہوگیا ہے اور مادہ کا حادث اور قابل فنا ہونا تجربہ اور مشاہدہ میں آچکا ہے۔ ریڈیم ایک قسم کی دھات ہے اگر اُسکو سکروسکوپ (ایک آلہ کا نام ہے) میں رکھکر دیکھا جائے تو اُس (دھات) سے روشنی کی شعائیں خارج ہوکر بالکل صاف اُڑتی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور اُسمیں رات دن کسی کی تخصیص نہیں بلکہ شب و روز یہ عمل نہایت سرعت سے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اسکی تحقیق

تفتیش کرنے کے بعد ثابت ہوا کہ یہ شعاعیں (جنکا ارباب سائنس الکٹران نام رکھتے ہیں) بجلی کی چنگاریاں ہیں۔ ریڈیم کا مادہ تھوڑا تھوڑا فنا ہوکر بجلی کی شکل اختیار کرتا جاتا ہے اور اُسکے بعد پھر نہ معلوم کس صورت میں چلا جاتا ہے جو محسوس نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت اسی مادہ کی ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ بعض اور دھاتوں میں بھی اُس (کیفیت) کا مشاہدہ ہونا ثابت ہوا ہے۔ اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ مادہ اور اُسکا ہر عنصر بجلی کی چنگاریوں سے مرکب ہوا ہے یا یوں کہئے کہ اگر یہ چنگاریاں ایک خاص طریقہ سے ترتیب دیجائیں تو ریڈیم بنجاتا ہے۔ اور دوسرے طریقوں سے ترتیب دیجائیں تو سونا۔ چاندی۔ لوہا۔ تانبا۔ آکسیجن۔ ہیڈروجن اور نائٹروجن وغیرہ عناصر بنجاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مادہ کے ذرات میں انقلاب عظیم ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ بجلی کی صورت میں تبدیل ہوکر کسی لا معلوم حالت میں چلے جاتے ہیں۔ ان تجربوں اور مشاہدوں سے مادہ کے حادث اور فانی ہونیکا پورا ثبوت ملتا ہے اور یہ خیال کہ مادہ ایسے چھوٹے چھوٹے اجزاء لا تتجزیٰ یا ذروں سے بنا ہوا ہے جنپر فنا طاری نہیں ہوتی باطل ہوجاتا ہے۔

اعتراض۔ مادہ کو قدیم ماننے والے لوگ کہتے ہیں کہ اس تحقیق سے صرف سالمات کا وجود باطل اور مادہ کا حدوث ثابت ہوا لیکن ہم ذروں اور چنگاریوں ہی کو مادہ کی ابتدائی صورت قرار دیکر قدیم اور غیر حادث تسلیم کرتے ہیں اس بناء پر بھی مادہ قدیم اور غیر فانی ہی رہیگا۔

جواب۔ تجربوں اور مشاہدوں سے صراحۃً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ بجلی کی اُن چنگاریوں پر مادہ کی تعریف صادق نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ وہ (چنگاریاں) دراصل مادہ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک قسم کی قوت کا نام ہے۔ **الغرض** جدید تحقیقات نے یہانتک تو ثابت کر دکھایا کہ تمام مادی دنیا برقی قوت کی مختلف حالتوں کا مجموعہ ہے جو کبھی کسی صورت میں مستحیل ہوجاتی ہے اور کبھی کسی حالت میں متبدل ہوجاتی ہے۔ **پس** جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ انسان عامہ دنیا کی تمام چیزیں برقی قوت کا نمونہ ہیں۔

البتہ قدم مادہ کے قائل اِس مقام پر یہ عذر کر سکتے ہیں کہ اگرچہ آپ کی تقریر سے مادہ کا قدیم ہونا باطل اور اُسکا حادث ہونا ثابت ہوا لیکن آپ کے بیان سے ابھی تک بجلی کا قدیم ہونا باطل نہیں ہوا **پس** ممکن ہے کہ ہم تمام دنیا کو بجائے اِس کے کہ وہ مادہ اور قوت سے مرکب تسلیم کیجائے صرف ایک بجلی ہی کا کرشمہ کہینگے اور اُسی (بجلی) کو جمیع مخلوقات کا خالق اور موجد قرار دینگے۔ **لیکن** اُن لوگوں کا یہ عذر بھی قابل تسلیم نہو گا کیونکہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ بجلی کے اجزاء لاتیجزّے یا ذرّے جو قدیم سے خارج ہوتے ہیں اپنے اصلی مرکز سے نکلکر ایسی حالت میں چلے جاتے ہیں جسکی نسبت کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں اور کس صورت میں چلے گئے۔ اور ہم اس حالت کو فنا کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ قوانین برق کی بنا پر اس مطلب کی اسطرح توضیح ہو سکتی ہے کہ بجلی کی دو قسمیں ہیں ایک مثبت دوسرے منفی۔ شیشہ کی ڈنڈی کے سرے کو ریشم کے کپڑے پر رگڑنے سے ڈنڈی کے سرے پر ایک خاص قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے اُسکو مثبت بجلی کہتے ہیں۔ اور لاکھ کی ڈنڈی کو فلالین کے کپڑے پر رگڑنے سے لاکھ کے ڈنڈے کے سرے پر ایک مختلف قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے اُسکو منفی بجلی کہتے ہیں مثبت کے ذرے اپنے ہمجنس ذرّوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ اِسی طرح منفی کے ذرے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر مختلف قسم کی بجلیوں (مثبت و منفی) کے ذرے ہمیشہ ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔ جب ان دونوں قسموں کے ذرّے باہم اکٹھا ہوتے ہیں تو پھر نہ مثبت کا وجود قائم رہتا ہے نہ منفی کا بلکہ دونوں فنا ہوکر ایک خاص طاقت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی حالت بجلی کے اُن ذرّوں کی ہے جنسے مادہ یا عناصر مرکب ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ مثبت و منفی بجلیاں باہم ملکر دونوں فنا ہو جاتی ہیں اور ایک خاص قوت کی شکل میں متبدل ہو جاتی ہیں جو نہ مادہ ہے نہ بجلی۔ پس مادہ فنا ہوکر بجلی بن جاتا ہے۔ اور پھر بجلی بھی فنا ہوکر ایک نامعلوم قوت کی

شکل اختیار کرلیتی ہے جس سے مادّہ اور بجلی دونوں کا فانی اور حادث ہونا ثابت ہوا۔ اب فقط یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جس قوت میں بجلی تبدیل ہوجاتی ہے اسی کو ہم قدیم مان لیتے ہیں کیا مضائقہ ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ قوت بھی قدیم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ دونوں قسم کی بجلیوں کی ترکیب کا نتیجہ ہے اور جو شے مرکب ہوتی ہے وہ ہرگز قدیم نہیں ہوسکتی جسطرح رگڑ کی قوت سے دو مختلف قسم کی بجلیاں پیدا ہوئیں اسی طرح دونوں کے ملنے اور فنا ہونے سے پھر ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہوگئی۔ پس بجلی اور قوت دونوں کا فانی اور حادث ہونا ثابت اور قدیم ہونا باطل ہوا۔ اس صورت میں قانون فطرت کے لئے ایک اعلیٰ مقنن حکیم کا موجود ہونا ضروری ہے جسکو بعض وقت اپنے وضع کردہ قانون میں تغیر دینے کا اختیار ہوگا اور ہم اسی تغیر کو معجزہ کہتے ہیں اور ہماری پوری تقریر کا نہایت مختصر عبارت میں اس طرح خلاصہ ہوسکتا ہے کہ مادّہ الکٹریسٹی (بجلی) کی طرف منقلب ہوجاتا ہے جو ارباب سائنس کے نزدیک غیر مادہ ہے اور جو چیز غیر مادہ کی طرف منقلب ہوسکتی ہو وہ قدیم نہیں ہوسکتی لہٰذا مادّہ قدیم نہ ہوگا پس قانون فطرت میں مداخلت[۱] ربانی کا کوئی مانع نہ ہوگا۔ اور اسی مداخلت کا نام معجزہ ہے۔

شبہہ ۔ اِس تقریر سے فقط ایک خاص مادّہ (ریڈیم) کا حادث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ باقی مادّے قدیم ہوں۔

جواب ۔ آجکل کے بعض تعلیم یافتہ حضرات نے علت کی دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) علت حدوث جس سے وہ مادّہ مراد لیتے ہیں جو ہمیشہ علت داخلیہ ہوتی ہے۔

(۲) علت خلق جس سے وہ غیر مادہ مراد لیتے ہیں جو اُن کے نزدیک برتقدیر

---

[۱] ڈاکٹر ڈریپر صاحب نے معرکۂ مذہب و سائنس میں جو انکی مشہور کتاب ہے اس مطلب پر بہت زور دیا ہے کہ قانون فطرت میں مداخلت ربانی کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ مسئلہ ارتقا میں ان کی عبارتیں جابجا مذکور ہوئی ہیں ۱۲

وجود علت خارجیہ ہے۔ اب اگر اس مادہ مخصوصہ (ریڈیم) کی علت کا علت حدوث ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ ذہ علت، خارجیہ ہو حالانکہ وہ ہمیشہ علت داخلیہ ہوتی ہے۔ اور اگر اسکی علت کا علت خلق ہونا فرض کیا جائے تو اُسکا قدیم ہونا ضروری ہوگا۔ ورنہ سلسلہ کا غیر محدود ہونا لازم آئیگا جسکا وجود محال ہے۔ اِس صورت میں اگر باقی مادہ کا قدیم ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ عالم کے لئے دو قدیم علتیں ہوں۔ ایک علت حدوث (مادہ) جو اس مخصوص مادہ (ریڈیم) کے سوا باقی مادوں کے لئے علت ہو۔ دوسرے علت خلق جو خاص اس مادہ (ریڈیم) کی علت ہو۔ حالانکہ کسی عاقل نے اِس کو اختیار نہیں کیا۔ اب اگر فقط علت حدوث کے قائل ہوں اور علتِ خلق کے قائل نہوں تو لازم آئیگا کہ اِس مخصوص مادہ (ریڈیم) کے لئے جسکا حادث ہونا ثابت ہوچکا ہے کوئی علت نہو۔ اور اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ پس ضرور ہوا کہ مجموع عالم کے لئے فقط ایک علت خلق موجود ہو جو اُسکے لئے علت خارجیہ ہوگی۔ اس صورت میں تمام عالم کا حادث ہونا لازم آئیگا۔ اور ہمارا مطلوب یہی ہے۔ اس تقدیر پر عالم میں تغیر کے پیدا ہوجانیکا کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔ جسکو ہم معجزہ کہتے ہیں۔

فائدہ۔ جبکہ نئی تحقیقات کی رو سے مادہ کا فنا ہونا ثابت ہوا تو اب حضرت موسیٰ کا یہ معجزہ[ل] کہ آپ کے عصا نے اژدہا بنکر جادوگروں کی رسیوں اور لکڑیوں کو نگل لیا اور

[ل] اِس معجزہ پر اہل سائنس کی طرف سے دو شبہے ہوسکتے ہیں جنکا اس مقام پر ذکر کرکے بروجہ اجمال اُن سے تعرض کرنا مناسب ہے ۱۲

پہلا شبہ۔ عصا کا اژدہا بنجانا قانون فطرت کے خلاف ہے۔

جواب۔ مسئلۂ ارتقا کی بنا پر بے حس و بے حرکت مادہ سے نباتات کا اور نباتات سے حیوانات کا تکون ہوا ہے پس عصا کا اژدہے کی طرف مستحیل ہونا بھی محال نہ ہوگا۔

پھر اپنی اصلی حالت پر عود کیا۔ قانون فطرت کے ہرگز خلاف نہو گا اِس لئے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسیوں اور لکڑیونکا مادّہ فنا ہوگیا۔ اور عصا نے اپنی اصلی حالت کی طرف عود کیا۔ اگرچہ ہم قدیم خیال (مادّہ کے قدیم ہونے) کی بنا پر بھی یہ جواب دیسکتے ہیں کہ اِس خیال کی بنا پر ایک مادّہ کا کسی دوسرے مادّہ میں تبدیل ہو جانا ممکن ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ رسیوں اور لکڑیوں کا مادّہ بھی عالم کے موجودہ مادّہ کی طرف مستحیل ہوگیا ہو۔

دوسرا اعتراض ۔ ہم ایک اعلیٰ قوت (خداوند عالم) کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں لکن اُس نے عالم کے موجودہ انواع اور اُنکے افراد کی بنا کو مادّہ کے انتخاب طبعی پر قایم کیا ہے۔ پس اُنکا سلسلہ ایک غیر متغیر قانون کا پابند ہے۔ اور یہ کہ اُسمیں کسی قسم کی رکاوٹ اور برہمی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ اور خرق عادت کا فرض کرنا اِس نظم کے برہم ہونے اور قانون کے غیر متغیر سلسلۂ علت و معلول کے متغیر ہونیکو مقتضی ہے اِس لئے معجزہ اور خرق عادت کے ظاہر ہونیکا قائل ہونا صحیح نہ ہوگا۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۰) **دوسرا شبہ** ۔ چھوٹی اور کم وزن عصا سے اژدہا ایسے بڑے اور وزنی جسم کا بنجانا کیونکر ممکن ہے لئے کہ مادّہ کے وزن و مقدار کا محفوظ رہنا لازمی امر ہے۔

جواب ۔ چھوٹی مقدار کا بڑی مقدار کی طرف تبدیل ہو جانا معمولی امر ہے چنانچہ ہوا اور باقی تمام گیسوں میں تخلخل اور تکاثف کی وجہ سے مقدار کا زائد اور کم ہو جانا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ رہا وزن کا بڑھ جانا اُسمیں دو احتمال ہوتے ہیں **ایک** یہ کہ عصا کے مادّہ میں عالم کے موجودہ مادّہ میں سے بعض اجزاء اگر شریک ہوگئے ہوں اور جب عصا نے اپنی اصلی حالت کی طرف عود کیا ہو تو اجزاء زائدہ نے اپنے اصلی مرکز کی طرف رجوع کیا ہو۔ **دوسرے** یہ کہ عصا کے مادّہ میں نیا مادّہ پیدا ہو کر شریک ہوگیا ہو۔ اِس لئے کہ مادّہ کا حادث ہونا ثابت ہو چکا ہے اور جب عصا نے اپنی اصلی حالت کی طرف عود کیا تو نیا مادّہ فنا ہوگیا ہو یا عالم کے موجودہ مادّہ میں تبدیل ہوگیا ہو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۱۲

جواب - اِس اعتراض کے مسئلہ ارتقا پر بنا قائم ہوئی ہے جو ڈاکٹر ڈارون کا مذہب ہے لہٰذا اِس اعتراض کے جواب میں اوّلاً مسئلۂ ارتقا کے مفہوم سے بحث کرنا بعدازاں تقریر جواب میں اشتغال کرنا مناسب ہے۔

مسئلہ ارتقا کا مفہوم ڈاکٹر ڈارون نے موجودہ انواع کے تکون کو مادہ کے انتخاب طبعی یا حفظ اُصول اصلح کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اور ڈاکٹر بختر نے اُسکی چار قسمیں کی ہیں اگرچہ ڈارون کے نزدیک وہ (چاروں قسمیں) انتخاب طبعی میں داخل تھیں مگر ڈاکٹر بختر نے تسہیل خطاب کے لیے اُن کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔

پہلی قسم - تنازع بقا جس سے حیوانی نسل میں مزاحمت کا واقع ہونا مراد لیا جاتا ہے اور اُس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) فاعلی جس سے حیوان کے زندہ افراد کا مزاحمت کرنا اور قوی کا ضعیف پر غالب آنا اور اُس کو ہلاک کردینا مراد ہے جیسے شکاری پرندوں کا چڑیوں کو مار ڈالنا۔

(۲) مفعولی جس سے طبیعت کی قوای صادمہ یا اُمور خارجیہ کا مزاحمت کرنا مراد ہے جیسے گرمی یا سردی کی شدت کا حیوانوں کو ہلاک کرنا۔ یہ مزاحمت نباتات میں بھی واقع ہوتی ہے۔

دوسری قسم تغیر افراد جس سے ہر ایک زندہ جسم کا اپنی اصل سے بعض اوصاف میں مغائر اور بعض اوصاف میں مشابہ ہونا مراد ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بختر کہتے ہیں کہ ہر ایک زندہ جسم کی ایسا ہی جسم پیدا ہوتا ہے جو بعض اوصاف میں اُسکے مشابہ ہوتا ہے اور یہ مشابہت طولانی سلسلہ میں کم ہوجاتی ہے - اور یہ اختلاف محض اعراض ہی میں نہیں بلکہ جوہریات میں بھی بہم پہونچتا ہے - ان افراد کے تغیرات کو بعض لوگوں نے انواع پر اور بعض نے تباینات پر محمول کیا ہے اور اصلی نوعیت افراد میں وراثت پونہچتی ہے۔

تیسری قسم وراثت جس سے تغیرات مذکورہ کا نسل میں سرایت کرنا مراد لیا جاتا ہے

جیسے آبار واجداد کے بعض امراض اولاد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

چوتھی قسم۔ انتخاب طبعی جس کو ڈاکٹر برن تحسین طبعی کہتے ہیں اور اُس سے طبیعت یا اُمور خارجیہ کا بعض افراد میں کسی ایسی خصوصیت کو حادث کردینا مراد لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ممتاز ہوجاتے ہیں اور یہ خصوصیت نسل میں بھی جاری ہوجاتی ہے۔

اور خصوصیت مذکورہ فرد کے لئے کبھی مضر یا بے فائدہ بھی ہوتی ہے جیسے فرقاطہ جو ایک قسم کی بط ہے اور خشکی میں بسر کرتی ہے۔ پس اُسکے پاؤں کی وہ جھلی جو اُنگلیوں کے اندر ہے اُس کے لئے کسی قسم کا فائدہ نہیں رکھتی اور اصل کے لئے مفید تھی اس لئے کہ وہ پانی میں بسر کرتی تھی۔

اہل سائنس نے عالم کے موجودہ انواع کو مادہ کے مذکورۂ بالا نوامیس (خاصوں) کا نتیجہ قرار دیا ہے اور جملہ انواع کے تکون کو سلسلۂ ارتقار کے ساتھ مربوط کیا ہے اور اُسکا مفہوم[1] جیسا کہ ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر ایم ای ایل ایل ڈی نے اپنی کتاب کانفلکٹ بیٹوین ریلیجن اینڈ سائنس (معرکۂ مذہب و سائنس) میں وارد کیا ہے یہ ہے کہ کرۂ زمین پر زندگی کے نمودار ہونے کے وقت سے لیکر اسوقت تک اُن مخلوقات کی مختلف شکلوں کا جو اعتبار رکھتے ہیں ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہے جسکے اجزا نے نشو و نما کے مدارج کو منزل بمنزل طے کیا ہے۔ ان مخلوقات کی ترقی قانون غیر ممکن التغیر کی عمل کی تابع ہے۔ خدا کے غیر مسلسل غیر مربوط اور سنت شکن مداخلت کا ماحصل نہیں ہے جس طرح آسمان پر ایک بادل آتا ہے ایک جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات کا یہ نظام دوسری بیشمار دنیاؤں کا قایم مقام ہے۔ جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں

---

[1] یہ عبارتیں ادنےٰ تغیر کے بعد معرکۂ مذہب و سائنس کے مختلف مقامات سے جو ڈاکٹر موصوف کی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے نقل کی گئی ہیں ۱۲

اور اُن ان گنت دنیاؤں کا پیش رو ہے جو وجود میں آنے والی ہیں جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ہے اُسمیں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ کیا یہ تبدیلیاں ربانی مداخلت کا نتیجہ ہیں ان مباحث سے ہمارے اس خیال کو بھی تقویت ہوتی ہے کہ بجائے تخلیق اور بغتةً پیدا ہو جانے کے ایک جسم سے مستحیل ہو کر دوسری شکل کو قبول کر لینا بہت قرین عقل ہے۔ تخلیق یا پیدائش کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شئے دفعةً خود بخود نمودار ہو جائے۔ اور استحالہ سے یہ مراد ہے کہ ایک شکل جو پہلے سے موجود ہو بتدریج متغیر ہوتی ہوئی دوسری صورت اختیار کر لے۔ ہر شخص کو زندگی کی تمام منزلوں کو طے کرنے میں قدم قدم پر مداخلت ربانی کا سہارا ڈھونڈھنا پڑتا ہے یا بجائے اسکی یہ عقیدہ زیادہ تر قرین عقل ہوگا کہ وہ بیشمار نفوس انسانی جو روئے زمین پر آباد رہ چکے ہیں ایک غیر متغیر اور ہمہ گیر قانون کے تابع رہیں۔ فوری پیدائش یعنی کسی شئے کا یک بیک کامل اور مکمل صورت میں نمودار ہونا خارج از امکان ہے ہر وجود کمال آہستگی سے اپنا چولا بدلتا ہے اور ایک سابق کی شکل سے ترقی کرتا ہوا ثانی کی شکل اختیار کرتا ہے اس کے لئے بھی ایک بہت بڑے طویل زمانہ درازہ کا انقضاء لازمی ہے۔ ڈاکٹر ڈیپر اپنی کتاب مذکور میں کہتے ہیں کہ یہ قول بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتا اگر کسی انسان نے کسی نوع کی کسی فرد کو ارتقار کا چولا بدلتے ہوئے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ شاید وہ لوگ جنکا یہ قول ہے اس امر کی طرف سے خالی الذہن ہیں کہ آجتک کسی شخص نے اپنی آنکھ سے یہ بھی تو نہیں دیکھا کہ کوئی جسم جو اعضا رکھتا ہو بغیر کسی مورث کے یک بیک خود بخود پیدا ہو جائے۔

یہ ہیں وہ تقریریں جو مسئلہ ارتقار کی تائید اور معجزہ و خرق عادت کے ابطال پر پہنے اہل یورپ کے مختلف حالات میں سے منتخب کی ہیں اب ہم مذکورہ بالا تقریرات سے منصفانہ عنوان پر تعرض کرتے ہیں۔

مسئلہ ارتقاء سے منصفانہ بحث

اِس مقام پر اگرچہ اصل مسئلہ ارتقاء کے ثابت ہونے نہ ہونے سے ہماری اصلی غرض کا بہت ہی کم تعلق ہے اور ہم اُسکا سرے سے انکار کرنا بھی نہیں چاہتے بلکہ ایک حد تک اُسکی تائید کرنیکو تیار ہیں جیسا کہ ہمارے آیندہ کے بیان سے عنقریب معلوم ہوگا۔ جس سے اصل مسئلہ ارتقاء کا معمہ بھی بخوبی حل ہو جائیگا۔ لیکن کیا اِس کی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس مقنن نے قانون ارتقاء کو جاری کیا ہے وہ اُسکو بدلدینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ ضرور رکھتا ہے۔ پس معجزہ اور خرق عادت کی تجویز کے لئے تو اسیقدر کافی ہے جس کی شرح کے لئے قبل کا تفصیلی بیان ملاحظہ کے قابل ہے۔ اب چونکہ مسئلہ ارتقاء سے بحث کرنے پر معجزہ کے علاوہ کچھ اور بھی دینی ثمرے مترتب ہوتے ہیں جنپر ہمارے ناظرین خود ہی متنبہ ہو جائینگے۔ اِس لئے ہمکو اس مسئلہ سے مفصل بحث کرنا مناسب ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اِس بات میں کونسا عقلی استحالہ لازم آتا ہے کہ اصلی مادہ سے بعض انواع پیدا ہوں اور اُسکے بعد اُنکے افراد میں سلسلہ ارتقاء فرض کیا جائے۔ یہ امر بظاہر نزاع کے قابل نہیں ہے کہ مادہ ارضیہ سے بہت سے حیوانات یا دیگر اشیاء ابتداءً پیدا ہوتے ہیں پس ممکن ہے کہ اُنکی نسل میں باعتبار اوصاف تدریجی ترقی ہوتی رہے۔ یا بعض انواع نسل میں طول زمان کے بعد متعدد نوعیں بھی حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس تجویز سے یہ کلیہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ اصلی مادہ سے فقط ایک ہی نوع حادث ہوا اور اُسی سے عالم کے تمام انواع تدریجی ترقی کر کے نئے قالب میں ڈھلتے جائیں۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ جب آپ نے ہر ایک عنصر یا جسم میں مختلف قوتوں کے ذرے یا اجزاء لایتجزے کو فرض کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُن کے مجموعے مجموعے پر ایک ہی نوع حاصل ہوا اور اُسی میں ترقی فرض کرتے کرتے باقی انواع کا بتدریج پیدا ہونا فرض کیا جائے بلکہ اس بنا پر عقل کے نزدیک ایک ہی وقت میں مختلف اجزا

کے مختلف مجموعوں سے انواع مختلفہ کا حادث ہونا زیادہ ترقرین قیاس ہے۔
البتہ۔ اگر اجزار لایتجزّیٰ کے آثار یکساں ہوتے اور اُنہیں مختلف قوتیں موجود نہ فرض
کیجاتیں تو ممکن تھا کہ اُن کے اجتماع سے ایک ہی نوع حاصل ہو۔ لیکن اُس صورت
میں یہ اشکال ضرور پیش آتا کہ پھر عالم میں ایک نوع کے سوا کوئی دوسری نوع موجود
نہ ہوسکتی اس لئے کہ مختلف انواع کے لئے مختلف قوتوں کے اکھٹا ہونیکی ضرورت
ہوتی اور یکساں قوتوں سے مختلف انواع کے حادث ہونیکا خیال بداہتہً باطل نظر آتا ہے
پس اہلِ سائنس کا محض ڈارون یا اُنکے ہمخیال حضرات کے قول کی بنا پر مسئلۂ ارتقاء کا
اعتقاد کرنا محض تقلید قرار پاتی ہے جس سے یہ حضرات کوسوں دور رہنے کے مدعی ہیں

مسئلہ ارتقاء پر دوسرے پہلو سے نظر

اب ہم اس مسئلہ پر دوسرے پہلو سے نظر ڈالنا چاہتے
ہیں وہ یہ ہے کہ اگر موجودہ انواع کی کیمسٹری کے
ذریعہ سے تحلیل کیجائے تو اُن سب انواع کی انتہا بالآخر
کی طرف ہوگی جو اُن کے نزدیک اجزار لایتجزّیٰ سے مرکب فرض کئے گئے ہیں۔
ایسی صورت میں سوال یہ قایم ہوتا ہے کہ آیا ان کل اجزار لایتجزّیٰ سے جو مختلف انواع
کے تحلیل کے بعد پیدا ہوتے ہیں ایک ہی نوع حاصل ہوگی یا مختلف نوعیں حاصل ہوسکینگی
پہلی صورت کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے اس لئے کہ وہ سب اجزار مختلف نوعوں سے
حاصل ہوئے ہیں پھر اُنسے ایک نوع کا حاصل ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور دوسری
صورت میں مسئلہ ارتقاء کا باطل ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ اس مسئلہ کی بنا پر مختلف نوعوں
کا ابتداءً حاصل ہونا صحیح نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ اگر جملہ انواع کا مسئلہ
ارتقاء کی بنا پر نشو ونما کرنا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ ہر ایک اگلی نوع میں پچھلی نوع
کے کل آثار وخواص موجود ہوں۔ اور اُن کے علاوہ اُسمیں بعض آثار ایسے بھی موجود ہوں
جو پچھلی نوع میں موجود نہ تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگلی نوع میں پچھلی نوع کے آثار بالکل

ناقص اور غیر مکمل ہوتے ہیں۔ مثلاً جمادات میں صلابت۔ استحکام اور مضبوطی کے جو آثار موجود ہوتے ہیں وہ نباتات میں بالکل ناقص ہوجاتے ہیں اسی طرح نباتات میں نشو و نما کے جو مکمل آثار موجود ہوتے ہیں وہ حیوان میں موجود نہیں ہوتے اسیطرح حیوانات میں جو حس و حرکت کے کامل آثار موجود ہوتے ہیں وہ انسان میں کہیں ناقص ہوتے ہیں پس اگر عالم کی موجودہ انواع میں مسئلہ ارتقاء کے بنا پر تدریجی ترقی ہو تو ہر ایک پچھلی نوع کے آثار کا ہر ایک اگلی نوع میں پورے طور سے محفوظ رہنا ضروری قرار پائے۔ حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہے علاوہ بریں جب مسئلہ ارتقا ایک مکمل اور غیر متغیر قانون کا نتیجہ ہے جسمیں ربانی مداخلت کو دخل نہیں ہے تو ہر ایک پچھلی نوع کا اگلی نوع کے پیدائش کے وقت فنا ہو جانا ضروری ہے۔ حالانکہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اور انسان سب کی سب انواع ایک ہی وقت میں موجود ہیں۔

ممکن ہے کہ اسکے جواب میں یہ کہا جائے کہ جس نوع کے بعض افراد میں ترقی کرنے اور کمال کے بہم پہونچانے کی شرطیں مفقود ہوگئیں وہ تنزل کی حالت پر باقی رہ گئیں۔ اور جن افراد میں ترقی کرنے کی شرطیں موجود ہوگئیں اُنہوں نے آگے قدم بڑھایا جس طرح کہ نوع انسان کے بعض افراد تنزل کی حالت میں رہجاتے ہیں اور بعض افراد ترقی کے اعلیٰ زینہ پر چڑھ جاتے ہیں۔ اور بعض افراد کے لئے ترقی کے شرائط کا بہم پہونچ جانا اور بعض افراد کے لئے بہم نہ پہونچنا بھی فطری قانون کا نتیجہ ہے۔ جس میں ہر ایک مسبب اپنے سبب کا تابع ہوتا ہے اور اُسمیں تغیر یا تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ جواب ایسا ضعیف ہے کہ سلیم عقلوں اور صحیح فکروں کے سامنے دو قدم بھی نہیں چل سکتا اس لئے کہ انکے نزدیک ہر ایک نوع فقط اجزاء لایتجزےٰ کی ذاتی قوت و حرکت اور اُن کے باہم مجتمع ہونیکا نتیجہ ہے۔ لہذا بعض انواع میں اُنکی قوت کو کس نے ضعیف کر دیا۔ اور اُنکی حرکت کس نے دھیمی کر دی اور اُنکے اجتماعی آثار کو کس نے برہم کر دیا۔

جو ترقی کی راہ بند ہوگئی اور وہ اپنی تنزل ہی کے گڑھے میں گر کر رہ گئے اور ترقی سے رک
انکا قدم آگے نہ بڑھا پس اُنکے ذاتی آثار کا بعض افراد میں مسلوب ہوجانا کیونکر صحیح ہوگا
اور وہ اپنی ترقی کرنے سے کیوں باز رہے اور انسے ایسے غفلت کیونکر صادر ہوگی
کہ بعض انواع کے بعض افراد بالکل بے ڈھنگے ہوکر رہ گئے۔ یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں
کہ وہ ترقی کے بعض شرائط بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے ناقص رہ گئے لیکن کلام اسمیں ہے
کہ آخر وہ بعض شرائط کیوں نہ بہم پہونچے جبکہ اجزاء لا تیجزے موجود اور اُنکے ذاتی آثار
موجود تو اُن کے لئے منزل مقصود تک پہونچنے میں کیوں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور
کیا چیز سدّ راہ ہوئی جس نے اُنکو کامیابی سے باز رکھا۔

اگر کہا جاوے کہ ذرّوں کی قوت اور حرکت اور اجتماع وغیرہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو عالم کے
تمام موانع پر غالب آجائیں بلکہ وہ (قوت وغیرہ) اُن موانع خارجیہ سے ضرور دبتا
ہوتے ہیں اور نوع کی ترقی میں جو ذرّوں کی غایت سعی ہے بہت کچھ رکاوٹیں پیدا کردیتی
تو ہم کہ سکتے ہیں کہ جب عالم کے خارجی موانع اُنکے مزاحمت کرسکتے اور اُنکی غرض
کے حاصل ہونے میں رکاوٹیں پیدا کرسکتے ہیں تو پھر ہمکو کسی نوع کی ترقی کرنی اور دوسری
نوع کی طرف مستحیل ہونے پر کیونکر وثوق ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے خارجی

ل ہمارے نزدیک عالم کے موجودات میں کوئی چیز بے ڈھنگی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک مصنوع میں
ایسے اعلیٰ درجہ کی حکمتیں موجود ہیں جنکا ادراک کرنا عقل بشری کے ادراک سے باہر ہے۔
ربّنا الذی اعطٰی کل شیٔ خلقہٗ ثمّ ھدٰی (سورۂ طٰہٰ پ ۱۶) (ہمارا پروردگار ہے جس نے ہر ایک شے کو اُسکے مناسب خلقت عطا فرمائی۔ پھر ہدایت کی۔)
لیکن یہ تعبیر اہل سائنس کے مذاق کی حکایت ہے اس لئے کہ اُنکے نزدیک تمام عالم کا خالق
بے شعور و بے جان مادّہ قرار پاتا ہے لہذا اُس کے مصنوع کا بے ڈھنگا ہوجانا قرین قیاس ہے۔ ۱۲

تو عالم میں ہمیشہ ہی موجود رہتے ہیں اور لا اقل پچھلے زمانوں میں بھی ایسے موانع کے بہم پہونچنے کا احتمال تو ضرور ہے ایسی صورت میں مسئلہ ارتقاء پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے بلکہ اُمور مذکورہ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد وہ محض قیاسی اور تخمینی امر رہجاتا ہے پس جس مسئلہ کی اصل ایسی تخمین اور قیاس پر مبنی ہو اسکو باین طمطراق وارد کرنا اور اُسکے مقابلہ میں احتمال اغلب بانی بلکہ اُسکی احتمال پر قہقہہ لگانا اور مضحکہ اوڑانا جیسا کہ آجکل کے بعض روشن خیال اور عالی دماغ حضرات [illegible] کا شعار ہے محض نادانی کا فعل ہوگا پہلے اُنکو اپنی من گڑھت مسئلہ کی چولوں کا درست کرنا لازم ہے اُسکے بعد اُنکو اختیار ہوگا۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ حیوان کے بعض گذشتہ انواع اور انسان کے بعض گذشتہ افراد کا اِس زمانہ کے موجودہ انواع و افراد سے کامل تر ہونا کسی طرح قابل انکار نہیں ہے جیسے تاریخ عالم کے ورق گردانی کے بعد پوری اطلاع ہو سکتی ہے بلکہ اس مطلب کا ضروریات و بدیہیات میں داخل ہونا اُسکی صداقت میں کافی ہے۔ پس اگر جنس کی ہر ایک نوع یا نوع کی ہر ایک فرد میں بعنوان ارتقاء تدریجی ترقی ہوتی تو پچھلی انواع یا افراد کا اگلی انواع یا افراد کی نسبت مکمل ہونا محض بے معنی ہوتا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ بعض محقق ڈاکٹروں[۱] سے ایسے متعدد وقائع منقول ہوئے ہیں جنکی تصدیق کے بعد مسئلہ ارتقاء کی جڑ کھوکھلی اور اُسکی چولیں بالکل ڈھیلی ہو جاتی ہیں ہم اس مقام پر اُنہیں سے بعض وقائع کو بطور خلاصہ درج ذیل کرتے ہیں۔ اور وہ کئی ہیں۔

پہلا واقعہ۔ ادنی درجہ کے بہت سے دریائی حیوانات آجتک اُسی طرح باقی ہیں جسطرح کہ وہ ابتداء عالم میں موجود تھے **پس** اگر مذہب ارتقاء صحیح ہوتا تو اُنکا اِس طولانی مدت تک اپنی اصل حالت پر باقی رہنا درست نہ ہوتا۔

---

[۱] ان وقائع کو ڈاکٹر موہر نے اپنی کتاب تاریخ الارض میں وارد کیا ہے جیسا کہ فلسفہ نشو و ارتقاء میں مذکور ہے ۱۲

دوسرا واقعہ۔ زمین کے تحتانی طبقوں میں نباتات۔ ادنیٰ درجہ کے حیوانات اور اعلیٰ درجہ کے حیوانات ایک ساتھ ایک وقت میں موجود رہتے ہیں پس اگر مذہب ارتقاء درست ہوتا تو لازم تھا کہ ادنیٰ اور اعلیٰ کا ایک مقام پر ایک ہی وقت میں موجود ہونا صحیح نہ ہوتا بلکہ اعلیٰ کا ادنے کے بعد ہونا ضروری ہوتا۔

تیسرا واقعہ۔ زمین کے جدید طبقات میں ایسے اجناس یا انواع موجود ہیں جو گذشتہ زمانہ کے اجناس یا انواع کی بہ نسبت نہایت ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ادنیٰ درجہ کے بعض حیوانات کا زمین کے اعلیٰ طبقات میں اور اعلیٰ درجہ کے بعض حیوانات کا زمین کے ادنیٰ طبقات میں موجود ہونا بھی ثابت ہے۔ پس اگر مسئلہ ارتقاء صحیح ہوتا تو یہ واقعہ صحیح نہ ہوتا

چوتھا واقعہ۔ بعض حیوانات کا نشو و نما پہلے زمانہ میں اس زمانہ کی نسبت کہیں زیادہ مکمل تھا۔ پس اگر ہر زمانہ میں ارتقاء کا عنوان فرض کیا جاتا تو لازم تھا کہ حیوانات مذکورہ کا نشو و نما اس زمانہ میں گذشتہ زمانہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ مکمل ہوتا۔

بہر حال مذکورۂ بالا وقائع کا مسئلہ ارتقاء پر منطبق کرنا نہایت مشکل ہے۔

اس تقریر کے جواب میں بعض فلاسفروں نے صرف اسی قدر بیان کیا ہے کہ جن حیوانات کو ہم ادنے درجہ میں پاتے ہیں وہ دراصل نباتات سے تدریجی ترقی کر کے حیوانیت کی مرتبہ پر فائز ہوئے ہیں۔ اور جن حیوانات کو ہم اعلیٰ درجہ میں پاتے ہیں وہ دراصل حیوانیت کے ادنے درجہ سے ترقی کر کے اس اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے ہیں اور مسئلہ ارتقاء کی بنا پر لازم نہیں آتا کہ ایک صنف کا دوسری صنف کے ساتھ مجتمع ہونا ممتنع ہو۔ اس لئے کہ ہر ایک صنف کا ارتقاء جداگانہ ہے جو اپنے ماتحت سے ترقی کرتے کرتے اس صنف کی موجودہ درجہ پر پہونچا ہے۔ **البتہ** اگر ہر ایک ادنیٰ صنف سے اعلیٰ صنف کا حاصل ہونا فرض کیا جاتا تو اُن دونوں کا ایک ہی وقت میں مجتمع ہونا صحیح نہ ہوتا۔

له اس مضمون کو فلسفۂ نشو و ارتقاء میں ڈاکٹر مختر کی شرح سے نقل کیا ہے جو انھوں نے ڈاکٹر ونرادو کے رسالہ پر لکھی ہے ۱۲

لیکن ہر ایک عاقل ادنیٰ غور کے بعد اس بیان کے اضمحلال اور اس تقریر کے ضعف و ہزال کا بدیہی طور سے ادراک کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس بیان میں ارتقاء کے عنوان پر نباتات وحیوانات کے نشو و نما کرنے کا صرف احتمال ہی احتمال مذکور ہے جس کو واقعہ کی تحقیق اور واقعی جانچ سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں ہے۔ حالانکہ مدعیان ارتقاء کے لئے اپنے اس عجیب و غریب دعوے پر کسی قوی استدلال کرنے کی ضرورت ہے۔ اور محض احتمال سے کوئی دعوےٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ فرض کیا جائے۔ حالانکہ خود انہیں حضرات کا یہ بھی مقولہ ہے کہ ہم اُس وقت تک کوئی بات نہیں مانتے جب تک کہ اُس پر کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو یا تجربہ اور مشاہدہ اُس کی تائید نہ کرتا ہو۔ پھر نہ معلوم کہ اس کلیہ کو مسئلہ ارتقاء میں بھول کر کیوں بالائے طاق رکھ دیا۔

ایک مقام پر ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر مسئلہ ارتقاء پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"انعدام[1] نوع کی کوئی تاریخی مثال دیتے ہوئے ہم بھی کچھ زیادہ وثوق ظاہر نہیں کرتے لیکن ان قرون و ادوار میں جنھیں حقائق طبقات ارض سے تعلق ہے صدہا ہزار کون و فساد اور ارتقاء و انعدام پیش آ چکے ہیں۔"

پھر کچھ فاصلہ کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"ہر نوع کا ایک سابق کی نوع سے تبدیلی اعضاء کے بعد ترقی پا کر درجۂ کمال پر فائز ہونا اس کے مقابلہ میں زیادہ قرین دانش ہے کہ وہ نوع یک بیک عدم سے وجود میں آ جائے۔"

ڈاکٹر ڈریپر صاحب کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کے پاس انعدام نوع کی کوئی تاریخی مثال موجود نہیں ہے بلکہ وہ محض قیاس سے اس امر کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ ہر ایک نوع سابق سے بہ تبدیل اعضاء ترقی پا کر درجۂ کمال پر فائز ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب

---

[1] یہ عبارتیں معرکۂ مذہب و سائنس کے صفحہ ۱۶۶ سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

موصوف نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اگر ہم اُن کی اس ترجیح کو تسلیم کرلیں تب بھی ہر ایک نوع کا خواہی نخواہی فنا ہوتا اور اُس سے دوسری نوع کا پیدا ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اُن کی اِس ترجیح سے محض اسی قدر ثابت ہوگا کہ موجودہ انواع کا کسی ایک ہی نوع کے بگڑنے کے بعد حاصل ہونا بہ نسبت اس کے زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ سب کے سب ایک ہی دفعہ پیدا ہوں مگر کیا کوئی عاقل اُن کی اس ترجیح کو علمی دلیل کہہ سکتا ہے کہ جس سے وہ اپنے مخالف خیال کے لوگوں پر ڈگری حاصل کرسکیں۔ ہرگز نہیں۔

انواع کے وجود میں آنے کی صورت

ہمارے نزدیک انواع عالم کے وجود میں آنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مبدء فیاض نے مادہ سے ایک ہی دفعہ بہت سے انواع پیدا کیا ہو اور تنازع بقا کے بعد باقی ماندہ انواع محفوظ رہے ہوں۔ اور صرف اُن کے افراد میں تغیر ہوتا رہا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ابتدا میں مادہ سے بعض انواع پیدا ہوئے ہوں۔ اور تنازع بقا کے بعد باقی ماندہ انواع سے بہ تدریج ترقی کرکے دوسری نوعیں پیدا ہوتی رہی ہوں۔ اور ہر ایک نوع کے افراد میں تغیر ہوا ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ابتدا میں مادہ سے صرف ایک ہی نوع پیدا ہوئی ہو۔ اور کسی ایک نوع سے عالم کے جملہ انواع بہ تدریج ترقی کرکے موجود ہوئے ہوں۔ اور اُن کے افراد میں بھی تغیر ہوتا رہا ہو۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ممکن ہونے میں یہ تینوں صورتیں برابر ہیں اور اُن میں سے کسی خاص صورت کا فرض کرنا بھی محال نہیں ہے لیکن ازبسکہ بعض انواع کا ابتدا میں پیدا ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم اسی صورت کو ترجیح دینے پر مجبور ہیں۔ لیکن جبکہ ہم اس

قطع نظر کرکے دیکھتے ہیں تب بھی ابتدا میں انواع متعددہ کا پیدا ہونا بہ نسبت اس کے زیادہ تر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں ایک ہی نوع پیدا ہوئی ہو اس لئے کہ ایک ایسے بسیط مادہ سے جو شکل و اعضاء اور دیگر جسمانی چیزوں سے عاری ہو مختلف نوعوں کا پیدا ہونا آثار قدرت کی حد سے زیادہ نمودار شکل معلوم ہوتی ہے بخلاف اس کے کہ ہر ایک نوع کو ایسی نوع سے بنتا ہوا فرض کریں جس میں اعضاء و جوارح وغیرہ موجود ہوں کیونکہ اس صورت میں قدرت کی زیادہ صناعی باقی نہیں رہتی اس تقدیر پر پہلی صورت کو دوسری صورت پر اور دوسری صورت کو تیسری صورت پر ترجیح ثابت ہوتی ہے پس ڈاکٹر ڈریپر صاحب کا تیسری صورت کو باقی دونوں صورتوں پر ترجیح دینا بظاہر بے وجہ معلوم ہوتا ہے۔ اور جبکہ متعدد انواع سے دوسری انواع کا قدرت کے ایک ہی غیر متغیر قانون کی موافق بتدریج ترقی کرنا فرض کیا جائیگا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی تلون آمیز[1] جبروت کی شان پیدا نہ ہوگی

---

[1] بعض حضرات نے ڈاکٹر ڈریپر کی تائید میں لکھا ہے کہ خدا کی صنعت و حکمت کا جو ثبوت اس ضابطۂ غیر منفک و تغیر میں ملتا ہے۔ وہ کسی ایسے فعل سے ہرگز نہیں بہم پہونچ سکتا۔ جس میں تلون آمیز جبروت کی شان پائی جاتی ہو۔ دنیا کے ترقی یافتہ مسلک یعنی اسلام نے اسی خیال کو بار بار ان الفاظ میں ظاہر کرکے حقیقت قدرت ازلی کے چہرہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ـ لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا ڈاکٹر موصوف سے اس مقام پر جو لغزش ہوئی ہے اُس کے زیادہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اُن کا یہ بیان صحیح ہو تو علاوہ اُس اشکال کے جو کتاب میں مذکور ہوا یہ اشکال بھی پیش آئیگا کہ ایسی صورت میں خود صانع حکیم کو بھی اپنے مقرر کردہ قانون میں تغیر دینے کا اختیار نہ رہے اور اثبات موت کا راستہ سرے سے بند ہو جائے ۱۲

اور آیۂ شریفہ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ (خدا کی مخلوق میں تبدیلی نہیں ہوتی) اور آیۂ مبارکہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (تم خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہ پاؤگے) وغیرہ کا اُس پر انطباق بھی واضح طور سے ممکن ہوگا۔ اس لئے کہ اگر خلقت کے متبدل نہ ہونے سے یہ مراد لیجائے کہ پہلی اور پچھلی نوعوں میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا ایجاد غیر معقول ہے بلکہ اس صورت میں ایک نوع سے متعدد نوعوں کے حدوث کا قائل ہونا ہی محال ہو جائیگا کیونکہ تعدد کو فی الجملہ تبدیلی ضرور لازم ہے پس خلقت میں تبدیلی کے واقع نہ ہونے سے یہ مراد ہوگی کہ خدا کے مقرر کردہ قانون میں تبدل اور تغیر نہیں ہوتا۔ پس حدوث تغیر کی جو صورت ابتدا میں مقرر کردی ہے وہی بقاء عالم تک باقی رہیگی اور خدا کے علاوہ کسی چیز کو اُسکے متغیر کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔ اور خدا کی یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی کہ اپنے مقرر کردہ قانون میں وہ کسی وقت بھی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ البتہ بدون مصلحت وہ نیز قانون کو بلا تبدیلی باقی رکھتا ہے جو حکمت کی شان ہے۔

ڈاروِن کی تقریر سے مسئلۂ خلق کی تائید اور مسئلہ ارتقا کی رد

اور اگر مذکورۂ بالا سب تقریریں قطع کیجائیں تو خود ڈاکٹر ڈارون کی تقریر سے بھی ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے خود موصوف نے بھی (۱) اصل میں زندہ جسموں کا ایک ہی اصل میں حصر نہیں کیا بلکہ وہ بھی حیوان کی موجودہ انواع کی اصل چار پانچ نوعیں قرار دیتے ہیں جو اُن کے نزدیک دور دراز زمانہ سے مخلوق ہوتی ہیں۔

---

(۱) شبلی شمیل نے ڈاکٹر ڈارون کی اس تقریر کو شرح بخنر سے فلسفہ نشو و ارتقا میں با ین الفاظ نقل کیا ہے۔

علی ان دارون لم یحصر الاحیاء فی اصل واحد وربما کان ذلک لعدم جسارتہ

ڈارون نے زندہ جسموں کا ایک اصل میں حصر نہیں کیا اور شاید اسکا سبب یہ ہو کہ انہوں نے (ایسا) کہنے کی جسارت نہیں کی

---

(۲) یہ ڈارون ... ڈارون کی رائے ... ڈارون کو ... ڈارون سے ... ڈارون ... ڈارون ...

ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:۔

"ان انواع اصلیہ میں ہر ایک نوع کا ایک جوڑہ تھا"

اور اُسی حکم کو اُنہوں نے نباتات میں بھی جاری کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی کتاب کے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ:۔

"میری رائے میں اس زمین کے سب جاندار حیوان ایک ہی صورت سے مخلوق ہوئے ہیں جسمیں خالق عالم نے زندگی کی رُوح کو پھونک دیا ہے"

ڈاکٹر ڈارون کی اس تقریر کو ڈاکٹر بخنر نے مذہب ڈارون کی شرح میں وارد کیا ہے۔ اور شبلی شمیل نے فلسفہ نشو و ارتقاء میں اسکا ترجمہ کیا ہے۔ اِس صورت میں ڈاکٹر جان ولیم کا اس مطلب پر بار بار اصرار کرنا کہ زندہ جسموں کی تمام نوعیں ایک ہی اصل سے تدریجی ترقی پاکر حاصل ہوئی ہیں۔ محض ہٹ دھرمی میں داخل ہوگا۔ جبکہ اصل مسئلہ ارتقاء کو اس شرح و بسط کے ساتھ ڈاکٹر ڈارون ہی نے ایجاد کیا ہے۔ اور اُسکی تفصیل میں وہ خود اُصول اولیہ کو چار پانچ اصلوں میں منحصر کرتے ہیں تو ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر وغیرہ حضرات کو کوئی حق نہیں ہے

(بقیہ صفحہ ۱۲۴) فجعل الحیوان اربعۃ او خمسۃ اصول اولی مخلوقۃ منذ زمان طویل لکل اصل زوج	پس اُنہوں نے حیوان کے لئے چار یا پانچ اصلیں ایسی قرار دی ہیں جو زمانہ دراز سے پیدا کی گئی ہیں اور اُنہیں سے ہر ایک اصل کو ایک جوڑا قرار دیا ہے۔

اور کچھ فاصلہ کے بعد اُس سے نقل کرتے ہیں۔

فی ارے فیما یظہر لے ان الاحیاء التی ماشت علی ہذہ الارض جمیعہا من صورۃ واحدۃ ولیۃ نفخ الخالق فیہا نسمۃ الحیوۃ	میری رائے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام زندہ جسم جو زمین پر چلتے ہیں سب کے سب ایک ہی صورت سے پیدا ہوئے ہیں۔ جنمیں خالق (خدا) نے زندگی کی رُوح کو پھونک دیا ہے ۱۲

کہ وہ خود ڈاکٹر ڈارون کے خلاف پر اصرار کریں۔ اس مقام پر فارسی کی مشہور شل "پیران نمی پرند مریداں مے پرانند" کیسی صادق آتی ہے۔

ڈاکٹر بخنر نے ڈاکٹر ڈارون کی اس رائے کو نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ:۔

یہ قول غیر قیاسی ہے اور مذہب ارتقار کو ناقص بلکہ باطل کرتا ہے۔

اسکے بعد ڈاکٹر بخنر نے ڈاکٹر برن کی تقریر کو جو ڈاکٹر ڈارون کی مترجم ہیں اسطرح نقل کیا کہ جب ہم نے آٹھ دس جوڑوں کی اصلی اور مخلوق ہونیکو تسلیم کرلیا تو اس امر کے تسلیم کرلینے سے کون چیز مانع ہوسکتی ہے کہ عالم کے تمام زندہ اجسام بھی اسیطرح مخلوق ہوئے ہوں۔ اور کیا وجہ ہے کہ اس امر کو تسلیم کرلینے کے بعد بھی ہم اسی کے قائل ہیں کہ اُن سبھوں نے ارتقار طبعی کی بنا پر ظہور کیا ہے اس لئے کہ فیلسوف کے نزدیک زندہ جسموں کا ایک یا کئی مرتبہ مخلوق ہونا یکساں ہے پس کسی نوع کی مخلوق ہونیکو اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہو تسلیم کرلینا ناموس طبعی کے مقام معجزہ قائم کردینے کا حکم رکھتا ہے۔

ڈاکٹر برن کی تقریر سے بحث

اگر ڈاکٹر برن اپنی اس تقریر کو خود ڈاکٹر ڈارون پہ وارد کرتے تو شاید وہ بھی ان کے ہم آواز ہو سکتے۔ لیکن اتفاق سے جو کلمۂ حق تھا وہ انکی زبان پر جاری ہوگیا۔ ان کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیلسوف کو اندھا دُھند کسی ایک طریقہ کا بے سوچے سمجھے اختیار کرلینا لازم ہے اور یہ کہ واقعیت پر نظر کرنا فیلسوف کے لئے لازم نہیں ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہمارے نزدیک کسی فیلسوف کی رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ ارتقار میں ڈاکٹر برن کی ذاتی رائے

اس تقریر کے بعد ڈاکٹر برن لکھتے ہیں کہ:۔ ہمارے نزدیک آخر سلسلہ تک مذہب ارتقار کو وسعت دینا لازم ہے جس کو ڈاکٹر ڈارون نے محدود کیا ہے اور یہ کہ تمام عالم عضوی ایک ہی اصلی البسیط صورت سے مشتق ہوا ہے

اُس (اصلی صورت) کو کر دی قرار دیں یا بیضاوی۔
ڈاکٹر برن کی اِس رائے سے ہم بھی ضرور اتفاق کرتے۔ اگر وہ محض قیاسی نہ ہوتی۔ بلکہ اُس پر کوئی برہانی استدلال بھی قائم ہوتا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم کو اُن کی اِس رائے کے لئے تخمین اور خیال بندی کے سوا کسی قسم کی تائید دستیاب نہیں ہو سکتی۔

نتیجہ کلام بہرحال مذکورۂ بالا بیانات سے یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ ڈاکٹر داروِن کی نزدیک بھی ایک بسیط مادہ سے انواع موجودہ کی چند اصلوں کا ایک ہی دفعہ مخلوق ہونا۔ اور اُن کا قانون فطرت کے خلاف بطور معجزہ و خرق عادت پیدا ہونا مسلّم ہے۔ اِس صورت میں کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ خدا کو انواع موجودہ کو حادث ہونیکے بعد اُن میں تصرف کرنے اور حسب مصلحت تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ معجزہ اور خرق عادت سے قانون ارتقاء یا قانون فطرت ہرگز مانع نہیں ہو سکتی۔

خلق انواع پر شبہات اور اُن کا جواب اگرچہ ہمارے بیان سے مسئلۂ ارتقاء کا شافی جواب ہو چکا ہے جس کے بعد ہم کو دور از کار شبہات کے وارد کرنے اور اُنسے تعرض کرنیکی ضرورت نہیں ہے لیکن توضیح مطلب کے لئے بعض اُن قوی اور پُرزور شبہات کا جو مسئلہ ارتقاء کے دلدادہ گروہ کی طرف سے مسئلہ خلق پر وارد کئے گئے ہیں وارد کرنا اور اُنکا برطرف کرنا مناسب ہے۔ اور وہ دو شبہے ہیں۔

پہلا شبہہ - اگر موجودہ انواع کا مسئلہ خلق کی بنا پر حادث ہونا۔ اور اُنکا کسی عاقل اور زبردست قوت کے قصد و ارادہ سے مخلوق ہونا فرض کیا جائے تو اُن میں قصد و ارادہ کے آثار کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ حالانکہ اُن میں ایسے آثار بکثرت پائے جاتے ہیں جو قصد و ارادہ پر منطبق نہیں ہوتے مثلاً بعض حیوانات میں اعضاء اثریہ پائے جاتی ہیں

جن میں اُن حیوانات) کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پس اگر انواع کو کسی اعلیٰ قوت
اپنے ارادہ سے خلق کیا ہوتا تو مذکورہُ بالا حیوانات میں ایسے غیر مفید اعضاء کا موجود
معقول نہ ہوتا۔ بہرحال اعضاء اثیریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی انواع موجود
ارتقاء مادی کی بنا پر نشو و نما ہوا ہے۔ اور یہ کہ وہ محض نوامیس مادہ کی بنا پر حادث ہوئے ہیں
اور اُنکے حادث ہونے میں کسی اعلیٰ قوت کے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ
اعضاء اثیریہ اُن نواع کی اصل کے آثار ہیں۔ جو اُس میں مکمل اور فائدہ مند تھے۔ ا
محض ضرورت مادہ کی وجہ سے ناقص ہو کر منتقل ہو گئے ہیں یا یہ کہ وہ اعضاء
اُن کی اصل میں موجود نہ تھے۔ اور فقط اِنہیں میں حادث ہوئے ہیں تاکہ آیندہ کی
میں جاکر مکمل ہو جائیں جنکو اُنکی حاجت ہوگی۔

جواب۔ انسانی عقل کے ادراکات نہایت محدود اور اُس کے معلومات جدید
ناقص ہیں۔ پس اگر ہمکو کسی چیز کا فائدہ معلوم نہو تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُسمیں
در اصل بھی کوئی فائدہ نہو۔ پس ممکن ہے کہ اعضاء اثیریہ میں ایسے فوائد موجود ہوں جنپر
ناقص عقلوں کو اطلاع نہ ہوئی ہو چنانچہ سابق اور حال کے اکثر محقق فلاسفروں اور فاضل
ڈاکٹروں نے اکثر اشیاء کے ادراک کرنے سے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا ہے اسکی علاوہ
یہ ہے کہ اعضاء اثیریہ فقط بعض انواع میں موجود ہیں۔ اور عالم کے اکثر انواع اُنسے خالی
پس اُن اعضاء کی بنا پر ہر ایک نوع میں مسئلہ ارتقاء کا جاری کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ اور اس
امر کو ہم خود بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ بعض انواع[1] کا بطور خلق حادث ہونا بعد ازاں مسئلہ ارتقاء کی بنا پر

---

[1] مثلاً سانپ میں اعضاء اثیریہ پائے جاتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ اس نوع نے مسئلہ ارتقاء کی بنا پر
ترقی کرکے حالت موجودہ کو بہم پہنچایا ہو اور یہ کہ اُنکے اصل میں پاؤں موجود ہوں۔ اور انسان کے خوف سے
اُسنے جلد بھاگ جانے کے لئے زمین پر رینگنے کو اختیار کیا ہو۔ اور پاؤں کے استعمال کرنے کو ترک کر دیا

انکا تدریجی ترقی کرنا ممکن ہے - اِس تقدیر پر یہ کلام اُسوقت تک ناتمام رہے گا جبتک کہ بعض انواع کے مخلوق ہونے کا احتمال کسی قوی برہان سے باطل نہ کر دیا جائے جو امکان سے باہر ہے - اسکے علاوہ یہ ہے کہ شبہۂ مذکورہ کی استقرار ناقص پر بنا قائم کیگئی ہے جو کسیطرح مفید یقین نہیں ہوسکتا - مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ بعض لوگ کسی جنگل میں بسر کرتے ہوں - اور اُنہوں نے اپنی عمر بھر ایسے ہی جانوروں کو دیکھا ہو جو فقط خشکی میں زندہ رہ سکتے اور پانی میں زندہ نہ رہ سکتے ہوں - اور اُنہوں نے کسی دریائی جانور کو نہ دیکھا ہو اور وہ اپنے استقرار اور تجربہ کی بنا پر یہ کلیۃ قائم کریں کہ کوئی حیوان پانی میں زندہ نہیں رہ سکتا تو ظاہر ہے کہ اُنکا یہ استقرار ناقص اور اُنکا ضابطہ مذکورہ غلط ہوگا -

دوسرا شبہہ - طبقات ارض کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں ابتداءً ادنیٰ درجے کے حیوان اور نبات کا تکوّن ہوا تھا - اُسکے بعد اعلیٰ درجہ کے نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے رہے ہیں - اور فوقانی طبقہ میں انسان کا تکوّن ہوا ہے جو باقی سب حیوانوں میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے - اِس ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے نباتات اور حیوانات معدوم ہوتے اور اعلیٰ درجہ کے حادث ہوتے گئے ہیں - پس اگر انواع کا بطور خلق تکون ہوا ہوتا تو ایک ہی طبقہ اور ایک ہی وقت میں ادنےٰ اور اعلیٰ دونوں قسم کی انواع موجود ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے - پس ثابت ہوگیا کہ اعلیٰ کی اصل ادنےٰ ہے -

---

(بقیہ صفحہ ۱۲۸) اور حقتعالیٰ نے طوفان کے بعد اُسکی خلقت میں تغیر دیدیا ہو اور یہی تغیر اُسکی نسل میں بھی منتقل ہوگیا ہو یہانتک کہ حالت موجودہ میں بلاؤں کے محض آثار باقی رہگئے ہوں اسلئے کہ اُسکا پاؤں سے مستغنی ہونا مفروض ہے - بلکہ اس مطلب کی بعض روایات سے بھی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابن عباس وغیرہ سے منقول ہے کہ :-

"سانپ دراصل نہایت خوبصورت چوپایہ تھا لیکن جب سے کہ اُسنے شیطان کو بہشت میں داخل کیا تا کہ وہ حضرت آدم کو بہکائے اُسوقت سے اُسکی صورت مسخ کر دی گئی" ۱۲

اور اُس سے تدریجی ترقی کرکے وہ حاصل ہوتے گئے ہیں اور اُن کے حدوث وتکون میں
نوامیس مادہ اور انتخاب طبعی کو دخل رہا ہے۔ اور ازبسکہ بندر اور انسان میں صورت ا
کے اعتبار سے بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک
اصل سے حادث ہوئے ہوں اور انسان نے نوامیس مادّہ کی وجہ سے ترقی حاصل کر
حالت موجودہ کو بہم پہونچایا ہو۔

جواب۔ طبقات ارض کے معائنہ سے مسئلہ ارتقاء پر استدلال کرنا اُسوقت تک
صحیح نہیں ہے جبتک کہ ادنیٰ کے فنا ہوجانے اور اعلیٰ کے ازسرنو پیدا ہونے کا احتمال
نہ کردیا جائے پس ممکن ہے کہ حیوان اور نبات کی ادنیٰ نوع موجود رہی ہو۔ اور چونکہ
زمانہ میں اُسکا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو اس لئے حق تعالیٰ نے اُس (ادنیٰ) کو معدوم
اور دوسری نوع کو جو اُس سے اعلیٰ ہو مستقلاً پیدا کیا ہو۔ اور کسی وسیلے سے اُس (ا
تدریجی ترقی نہ کی ہو۔ اور اسیطرح کچھ عرصہ کے بعد اُسکو بھی فنا کردیا ہو۔ اور اُس سے
نوع کو مستقلاً پیدا کیا ہو اور اسی طریقہ پر ایک نوع کے معدوم ہونے پر دوسری
پیدا ہوتی رہی ہو۔ یہانتک کہ اسکا سلسلہ نباتات و حیوانات کی موجودہ انواع
منتہی ہوا ہو پس جبتک کہ یہ احتمال قائم ہے تو اسکا یقین کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہر ایک
نوع نے ادنیٰ سے تدریجی ترقی حاصل کی ہو۔

اور انسان و بندر کے متحد ہونیکا خیال بالکل بے سروپا ہے اس لئے کہ محض صور
شکل یا بعض افعال میں مشابہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن دونوں کی اصل ایک ہو
علی الخصوص جبکہ اُن دونوں میں اسقدر فرق بیّن موجود ہے جسکے بعد یہ خیال ا
محال کی صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ کیا یہ امر بدیہی نہیں ہے کہ انسان ا
پیدائش کے وقت ایسا ضعیف و ناتواں اور بے سکت ہوتا ہے کہ اُسکو چلنے
اور بیٹھنے پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ وہ حد درجہ کا انجان اور ناواقف

اُسکو اپنے گرد و پیش کی بھی خبر نہیں ہوتی - اور وہ زمین کو آسمان سے اور آگ کو پانی سے تمیز نہیں کر سکتا - اور اُسکو اپنے نفع و ضرر کی چیزوں پر بھی بالکل وقوف نہیں ہوتا باوجود اس کے رفتہ رفتہ اُس کے ادراک اور قوت میں ترقی شروع ہوتی ہے - اور آخر کار ایسے فضائل اور کمالات پر فائز ہو جاتا ہے جنپر کوئی دوسرا حیوان نہیں پہونچ سکتا - وہی انسان جو اپنی پیدائش کے وقت حد درجہ کا ضعیف و ناتوان اور انتہا مرتبہ کا بے شعور ہوتا ہے وہی آخر میں آسمان اور زمین کے قلابے ملانے لگتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا فلاسفر اور ڈاکٹر کہلانے لگتا ہے اور بندر کی حالت اسکے بالکل برعکس ہوتی ہے - وہ پیدائش ہی کے وقت حرکت کرنے پر قادر اور اپنے نفع و ضرر کی چیزوں سے باخبر ہو جاتا ہے - اور آب و دانہ وغیرہ فائدہ مند اشیاء کا ادراک کرنے لگتا ہے - اور تھوڑی مدت میں ہوشیار اور زرنگ ہو جاتا ہے کہ اُس قدر مدت میں انسان کا بچہ درست ہو کر بیٹھ بھی نہیں سکتا - آخر کار اُسکی ترقی ایک حد تک جا کر موقوف ہو جاتی ہے - اور انسان کی ترقی کے ادنیٰ درجہ تک بھی نہیں پہونچ سکتا پس اگر انسان اور بندر کا ایک ہی اصل سے تکون ہوا ہوتا تو انسان کا اوّل امر میں بندر سے ناقص اور غیر مکمل ہونا - اور آخر امر میں اُس سے ترقی کر کے کہیں بڑھ جانا کیونکر صحیح ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور بندر دونوں کی اصلیں جداگانہ ہیں اور ایک کا دوسرے سے ماخوذ ہونا محض لغو اور بے معنی ہے -

تنبیہ - اس مقام پر دو امروں کا بیان کر دینا ضروری ہے -

اوّل یہ کہ جس مقام پر ہمنے بعض انواع کا ارتقاء طبعی کے عنوان پر حادث ہونا تجویز کیا ہے وہاں پر ہمنے غیر انسان کو مراد لیا ہے اسلئے کہ خصوص نوع انسان کا پانی اور مٹی کی بطور خلق پیدا ہونا اور بر سبیل ارتقاء طبعی مخلوق نہ ہونا یقینی ہے - اور جو شخص خصوص نوع انسان کا بطور ارتقاء پیدا ہونا تجویز کرے وہ بے دین ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم ابو البشر کا پانی اور مٹی سے پیدا کرنا قرآن شریف کی کئی آیتوں میں

بہ تصریح بیان فرمایا ہے۔ اُنہیں سے بعض آیات کو ہم اس مقام پر وارد کرتے ہیں۔

پہلی آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ (پارہ ۲۳ سورہ ص) میں مٹی سے ایک آدمی بنانیوالا ہوں۔

دوسری آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ (پارہ ۱۸ سورہ المومنون) اور ضرور ہمنے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔

تیسری آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ - (پارہ ۳ سورہ آل عمران) بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی مثال ہے اسکو مٹی سے پیدا کیا۔

چوتھی آیت - پروردگار عالم فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (پارہ ۱۴ سورہ الحجر) اور بیشک ہمنے آدمی کو کھنکھناتی سنی ہوئی سیاہ سڑی ہوئی کیچڑ سے پیدا کیا۔

پانچویں آیت - حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (پارہ ۱۴ سورہ الحجر) میں آدمی کو کھنکھناتی سنی ہوئی سیاہ مٹی سڑی ہوئی کیچڑ سے پیدا کرنے والا ہوں۔

چھٹی آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا (پارہ ۱۹ سورہ الفرقان) اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔

ساتویں آیت - حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ (پارہ ۱۸ سورہ النور) اور اللہ نے ہر چلنے والا پانی سے پیدا کیا۔

آٹھویں آیت - پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء) اور ہمنے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنا دیا۔

اِس صورت میں خصوص نوع انسان کے بطور خلق پیدا ہونیکا اعتقاد لازمی ہوگا۔

دوم یہ کہ اگر حیوان وغیرہ کی کسی نوع کا مسئلہ ارتقار کی بنا پر حادث ہونا تجویز کیا جائیگا تو اُس کے یہ معنی ہونگے کہ حکیم مطلق نے ایک نوع سے باقی انواع کو یکے بعد دیگرے بر سبیل ارتقار پیدا کیا۔ اور اُس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ بے شعور اور بے جان مادّہ سے انواع کا خود بخود یکے بعد دیگرے بر سبیل ارتقار تکون ہوتا رہا۔ اور یہ کہ اُسمیں مدبر فیاض کی حکمت کو کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ مادّہ حادث اور بے حس و حرکت ہے جس سے کوئی شعور دار اور حس دار اور حرکت والی چیز ہرگز نہیں بن سکتی۔

مسئلہ خلق وارتقار میں محاکمہ

آخر میں ہم مسئلہ خلق وارتقار میں اسقدر فیصلہ کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو حضرات اپنی روشن خیالی۔ اور عالی دماغی سے نوع انسان کا بندر سے مشتق ہونا اور مسئلہ ارتقار کی بنا پر تدریجی ترقی کے بعد حالت موجودہ پر اُسکا فائز ہونا ضروری سمجھتے ہیں حسب مقولہ مشہورہ اَلْزِمُوْهُمْ بِمَا الْتَزَمُوْا[1] وہ بنی قرد (بندر کی اولاد) کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور جو لوگ نوع انسان کا اپنی مذہبی پابندی سے بطور خلق پیدا ہونا۔ اور اُسکا بطور استقلال مخلوق ہونا تسلیم کرتے ہیں وہ بنی آدم (آدم کی اولاد) کہلانے کے مستحق ہیں لہٰذا ہم انسان کو دو گروہ پر منقسم کرتے ہیں ایک بنی قرد (بندر کی اولاد) دوسرے بنی آدم (آدم کی اولاد) اور اگر ہم مسئلہ ارتقار کے صحیح ہونے اور قانون فطرت کے متغیر نہ ہونیکے بلکہ اُسکے محال ہونیکو بھی تسلیم کرلیں تب بھی وقت مصلحت اُسمیں ربّانی مداخلت کا فرض کرنا ممتنع نہ ہوگا اس لئے کہ محال عادی کا واقع ہونا عقل کے نزدیک کسی قباحت پر مشتمل نہیں ہے۔ لہٰذا حقیقتاً

---

[1] (ترجمہ) اُن کو اُسی چیز کا الزام دو جسکا وہ خود التزام کرتے ہیں ۱۲

معجزہ اور خرق عادت کو اپنے انبیاء کی تصدیق کے لئے ظاہر کرنا بالکل بے عیب ہی بلکہ باعتبار حکمت وکمال قدرت اُس کا ایسے اوقات میں ظاہر کرنا۔ اور معمولی عادت کا ترک کرنا لازم ہے۔ جسکی تقریر ہو چکی۔ واللہ یعلم۔

نبی کا صاحب وحی ہونا

وحی کے معنی اگرچہ لغت میں لفظ وحی کا کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اشارہ کتابت۔ نامہ۔ پیغام۔ پوشیدہ بات۔ اور مخفی آواز۔ لیکن جو وحی کہ حقیقت نبوت میں داخل ہے اور اُسکی وجہ سے نبی یا امام میں تفرقہ کیا جاتا ہے اور جسکا استقرار شریعت کے بعد غیر نبی پر اطلاق کرنا درست نہیں ہے اُس سے وہ شئے مراد لیجاتی ہے جو خدا کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر بطریق مخصوصہ نازل ہوتی ہے۔

انبیاء پر وحی نازل ہونیکی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات خدا کی طرف سے آواز آتی ہے اور نبی سنتے ہیں اور بعض اوقات خدا کی طرف سے فرشتہ آکر باتیں کرتا ہی اور بعض اوقات اُن (انبیاء) کے دلوں میں کوئی مضمون خدا کی طرف سے ڈالا جاتا ہی الغرض علماء نے وحی کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں یہانتک کہ بعض علماء نے وحی کو بہت سی قسموں پر منقسم کیا ہے۔

(۱) رویائے صادقہ (سچا خواب) جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا خواب تھا جسکو حضرت نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل ؑ سے بیان کیا تھا چنانچہ قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ ۔ (پارہ ۲۳ ۔ سورہ ۔ الصٰفٰت) } اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔

۱؎ ان مطالب کو جناب علیین مکان نے وارد کیا ہے اور ادنیٰ تغیر کے ساتھ وہ یہاں پر لکھے گئے ہیں ۱۲

اور اسکی تصدیق میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ قرآن مجید میں لکھا ہوا ہے۔

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ (پارہ ۲۳ سورۃ الصّٰفّٰت)

اے پدر بزرگوار آپ جس امر پر مامور ہوئے ہیں اسکو بجالائیے مجھ کو انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیگا۔

اور بخاری نے حضرت عائشہ سے وحی کا رویائے صادقہ سے شروع ہونا اس طرح نقل کیا ہے کہ

إِنَّ أَوَّلَ مَا بُدِئَ رَسُولُ اللَّهِ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ

پہلی پہل جو حضرت پر وحی نازل ہوئی تھی وہ رویائے صادقہ تھی پس حضرت جو خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہو جاتے تھے

اور تفسیر صافی میں جناب امیر سے منقول ہے کہ خدا کا کلام کئی وجہوں پر واقع ہوتا ہے۔

مِنْهُ رُؤْيَا تَرَاهَا الرُّسُلُ

ازانجملہ وہ خواب ہے جنکو انبیا دیکھتے ہیں۔

اور اہل اسلام نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ جس خواب کو پیغمبر اپنی نبوت کے زمانہ میں دیکھتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔

تنبیہ بعض علماء اعلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ رویار صادقہ (سچے خواب) کی (۲) دو قسمیں ہیں۔

اوّل - وہ خواب ہیں جو فرشتہ نازل ہونے سے قبل ہوتا ہے اور یہ خواب وحی میں داخل نہیں ہے۔

دوم - وہ خواب جو فرشتہ نازل ہونیکے بعد ہوتا ہے اور یہ خواب وحی میں داخل اور اُسی کی ایک قسم ہے - اور اس مطلب کی اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے بھی تصریح فرمائی ہے - اگرچہ انبیاء کرام کے خواب خواہ نزول فرشتہ سے قبل کے ہوں یا بعد کے صحیح ہوتے ہیں جسمیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کیونکہ اُسمیں شیطان کو کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوتی لیکن وحی میں وہی خواب داخل ہے جو نزول فرشتہ کے بعد ہو اور رویار صادقہ سے بھی یہی خواب مراد ہوتا ہے - اور اس مطلب کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے - جس میں حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

واما النبی فهو الذی یری فی منامه نحو رؤیا ابراهیم ونحو ما کان رأی رسول الله من اسباب النبوة قبل الوحی حتی اتاه جبرئیل من عند الله عز وجل بالرسالة (الحدیث)	لیکن نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے جیسے ابراہیمؑ کا خواب دیکھنا یا ہمارے حضرتؐ کا اسباب نبوت کو قبل وحی دیکھنا یہانتک کہ حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس خدا کی طرف سے رسالت لیکر آئے

اِس حدیث سے بصراحت معلوم ہوگیا کہ حضرت رسول خدا جس خواب کو کہ حضرت جبرئیل کے نازل ہونے سے قبل دیکھتے تھے وہ وحی نہ تھا۔

(۲) وہ شئے ہے جو انبیاء علیہم السلام کے مقدس دلوں میں القاء کی جاتی ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا تذکرہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل اجلها ورزقها فاتقوا الله واجملوا فی الطلب	میرے دل میں اس امر کا القا ہوا ہے کہ کوئی نفس اُسوقت تک نہیں مر سکتا جبتک کہ اپنی عمر کی مدت اور رزق کی مقدار کو پورا نکرے پس تم لوگ حق تعالیٰ سے ڈرو اور طلب رزق میں میانہ روی اختیار کرو۔

اور جناب امیر علیہ السلام سے کلام حق تعالیٰ کی جو قسمیں منقول ہوئی ہیں اُن میں

ومنه ما قذف فی قلوبهم	وہ چیز بھی منقول ہے جسکو وہ انبیاء کے دلوں میں القا کرتا ہے۔

(۳) وہ آواز ہے جو صلصلۂ جرس (گھنٹے کی صدا) کی طرح پیدا ہوتی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حارث ابن ہشام نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ

کیف[1] یاتیك الوحی	آپ پر وحی کیونکر آتی ہے۔

---

[1] مناقب میں پوری حدیث کو اسطرح نقل کیا ہے واما کیفیة نزول الوحی فقد سأله الحارث بن هشام کیف یأتیك الوحی فقال احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت ما قال واحیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول اور اُسکا حاصل یہ ہے کہ حرث بن ہشام نے حضرتؐ سے کیفیت وحی کو دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ وہ مجھپر

پس حضرت نے اُسکے جواب میں وحی کے آنے کو صلصلۂ جرس کے ساتھ اسطرح تشبیہ دی کہ

احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشده علیّ	بعض اوقات وہ (وحی) مجھپر صلصلۂ[1] جرس کی طرح آتی ہے اور یہی قسم مجھ پر زیادہ شدید ہوتی ہے۔

بعض فضلانے ایسی شدید وحی کے نازل ہونیکی وجہ میں اس طرح بیان کیاہے۔

وکان کذلک لیجتمع عند ذلک فیکون اوعی ما یسمع	وحی کی یہ قسم اس لئے ہوتی تھی تاکہ حضرتؐ کے ہوش وحواس اُسوقت مجتمع ہوجائیں اور وحی کو ہمہ تن گوش ہوکر سماعت فرمائیں

اور علی بن ابراہیم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ:۔

ان اهل السموات لم یسمعوا وحیا فیما بین ان بعث عیسی بن مریم الی من بعث محمد فلما ان بعث الله جبرئیل الی محمد اسمع اهل السموات صوت وحی القران کوقع الحدید علی الصفا فصعق اهل السموات فلما فرغ من الوحی انحدر جبرئیل کلما مر باهل السماء فزع عن قلوبهم	جب اہل آسمان نے حضرت عیسٰیؑ کے بعد وحی کو نہ سنا تو حضرت رسول خداؐ کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں اُنھوں نے قرآن کی وحی سے ایک صدائے عظیم کو سنا جو اُس آہن کی آواز سے مشابہ تھی جو سخت پتھر پر گرتا ہے پس تمام اہل آسمان بیہوش ہوگئے۔ جب کہ وحی تمام ہوئی۔ اور حضرت جبرئیل واپس آئے تو جس آسمان پر وہ پہونچتے تھے وہاں کے فرشتوں کی دہشت کم ہوجاتی تھی

(بقیہ صفحہ ۱۳۶) کبھی صلصلۂ جرس کی طرح نازل ہوتی ہے اور جب حالت برطرف ہوجاتی ہے تو میں اُسکے معنوں کو سمجھ لیتا ہوں اور کبھی کوئی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھسے ہمکلام ہوتا ہے پس میں اُسکے قول کو سمجھ لیتا ہوں۔ ۱۲

[1] نہایہ میں صلصل کے معنی یہ لکھے ہیں کہ:۔

الصلصلة صوت الحدید اذا حرک	صلصلہ سے آہن کی وہ آواز مراد ہے جو اُسکے متحرک ہونے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲

(۴) وہ ہے کہ فرشتہ نبی پر انسانی شکل میں ظاہر ہو جس طرح کہ حضرت جبرئیلؑ دحیہ کلبی[۵۱] کی شکل میں ہمارے حضرت کے پاس آیا کرتے تھے۔

(۵) وہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اپنی اصلی[۵۲] صورت میں نازل ہوتے تھے۔

(۶) وہ شئے ہے جو نبی پر روشنی کی طرح ظاہر ہوتی تھی اور نبیؑ آواز کو سنتے تھے اور کوئی صورت دیکھتے تھے۔

(۷) وہ شئے ہے کہ نبیؑ کو فرشتہ کی آواز سنائی دے اور کوئی چیز دکھلائی نہ دے۔

حدیث[۵۳] صحیح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہونے سے پہلے اسباب نبوت کو دیکھتے تھے اور فرشتوں کی باتوں کو سنتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر نازل ہوئے اور آپ نے اُن کو اُن کی اصلی صورت پر دیکھا۔

اور ایک حدیث[۵۴] میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کنا نحن معاشر الانبیاء لتنام عیوننا ولا تنام قلوبنا {ہم انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں} سنتے ہاتھ پر تکیہ کئے سوتا تھا اور

---

[۵۱] منقول ہے کہ دحیہ کلبی حسن و جمال میں اور لوگوں سے ممتاز تھے ۱۲

[۵۲] منقول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کے چھ سو پر تھے اور اُنسے مروارید اور یاقوت گرتے تھے ۱۲

[۵۳] حدیث صحیح سے وہ حدیث مراد ہے جسکو معصوم علیہ السلام تک فرقۂ امامیہ کا کوئی ثقہ راوی نقل کرے ۱۲

[۵۴] اصل روایت طولانی ہے اور اُس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

الرسول الذی یاتیه جبرئیل قبلا فیراه ویکلمه فهذا الرسول وامّا النبی فهو الذی یری فی منامه نحو رؤیا ابراهیم و نحو ما کان یری رسول الله من اسباب النبوة قبل الوحی حتی اتاه جبرئیل من عند الله بالرسالة۔

{رسول وہ ہے کہ جسکے پاس جبرئیل آتے ہیں اور وہ اُنکو دیکھتے اور اُنسے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور نبی وہ ہے جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم کا خواب اور مثل اسکے کہ حضرت رسول خدا قبل وحی اسباب نبوت کا مشاہدہ کرتے تھے تا اینکہ جبرئیل اُن کے پاس خدا کی جانب سے رسالت لیکر آئے}

انجم سماوی کی آمد و رفت کا وہ مقام معلوم ہوتا ہے جس میں تاریک سنگریزے ہوں ۱۲

علی وجھہ علی بن ابی طالب
عن یمینہ وجعفر بن ابی طالب
عن یسارہ وحمزۃ بن عبد المطلب
عند رجلی فما انبھنی عن رقدتی غیر
حفیف اجنحۃ الملائکۃ وبرد ذراع علی
بن ابی طالب فی صدری فانتبھت من
رقدتی وجبرئیل فی ثلاثۃ املاک یقول
له احد الاملاک الثلثۃ یا جبرئیل
الی ای ھؤلاء الاربعۃ ارسلنا فرفسنی
برجله فقال لی ھذا قال ومن
ھذا یستفھمه فقال ھذا
محمد سید النبیین وھذا علی بن ابی طالب
سید الوصیین وھذا جعفر بن
ابی طالب له جناحان خضیبان
یطیر بھما فی الجنۃ وھذا حمزۃ
بن عبد المطلب سید الشھداء

علی میری داہنی طرف اور جعفر طیار میری بائیں طرف اور حمزہ
میری پائنتی کی طرف سوتے تھے۔ یکایک میں نے جبرئیل اور
میکائیل اور اسرافیل کے پاؤں کی آواز سنی
جس سے مجھ کو ایک قسم کی دہشت عارض ہوئی
میں نے سُنا کہ جبرئیل سے اسرافیل پوچھتے تھے
کہ ہم ان چار شخصوں میں سے کس کی طرف مبعوث ہوئے
ہیں پس جبرئیل نے میری طرف اشارہ کیا
طرف مبعوث ہوئے ہیں جنکا نام محمد ہے اور تمام
پیغمبروں سے بہتر ہیں۔ اور جو شخص کہ ان کی
داہنی طرف سوتے ہیں وہ اُن کے بھائی
اور وصی ہیں۔ اور جملہ اوصیا سے بہتر ہیں۔
اور جو شخص اُن کی بائیں طرف سوتے ہیں
وہ جعفر پسر ابو طالب ہیں جو بہشت میں دو
پروں سے پرواز کرینگے۔ اور چوتھے
شخص حمزہ ہیں۔ جو سید الشہداء
ہوں گے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:۔

کان جبرئیل اذا اتی النبی
قعد بین یدیہ قعدۃ العبد
وکان لا یدخل حتی
یستاذنہ

جب جبرئیل امین حضرت رسالتمآب کے پاس آتے تھے
تو غلاموں کی طرح حضرت کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور
جب نازل ہوتے تھے تو بیرون خانہ اُس جگہ پر کھڑے ہوتے تھے جو
بمقام جبرئیل کہی جاتی ہے اور بلا اجازت داخل خانہ نہ ہوتے تھے

اور علی بن ابراہیم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جبرئیل امین نے
حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت اسرافیل کی نسبت عرض کیا کہ:۔

هذا حاجب الرب واقرب خلق الله منه واللوح بين عينيه من ياقوتة حمراء فاذا تكلم الرب تبارك و تعالى بالوحى ضرب اللوح جبينه فنظر فيه ثم القى الينا نسعى به فى السموات والارض - الخ۔	یہ (اسرافیل) حاجب پروردگار ہیں اور تمام مخلوق کی نسبت صدور وحی کی جگہ سے نزدیک تر ہیں اور یاقوت سرخ کی ایک لوح انکی آنکھوں کے درمیان رہتی ہے جبکہ حقتعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی صادر ہوتی ہے تو وہ لوح اُن کی پیشانی سے ٹکراتی ہے پس وہ لوح میں نظر کرتے ہیں اور اُسکے احکام کو ہم پر القا کرتے ہیں۔ اور ہم اُس کو اطراف زمین اور آسمان میں پہونچاتے ہیں۔

(۸) وہ معنی ہیں جو نبی کے دل میں القا کئے جاتے ہیں اور اُسکو الہام[1] کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں
چنانچہ حضرت رسولؐ خدا کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحَىٰ ۝ پارہ ۲۷ سورہ النجم	وہ اپنی خواہش نفسانی سے کوئی کلام نہیں کہتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں انکو بذریعۂ الہام معلوم ہوتا ہے۔

(۹) نبی پر[2] کسی حقیقت کا منکشف ہونا اور نبی کا اُسکو اپنی مقدس رُوح سے مشاہدہ کرنا

۱؎ جناب علیین مکان طاب ثراہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ظاہر لفظ وحی سے آیۂ شریفہ میں معنی عام مراد ہیں جو الہام اور غیر الہام دونوں کو شامل ہیں اسکے علاوہ چونکہ اقسام وحی میں نفث فی الروع (دل میں القا ہونا) کا ذکر ہو چکا ہے اسلئے الہام کی علیحدہ مذکور ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ نفث فی الروع اور قذف فی القلب (دل میں ڈالنا) اور الہام میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ سب ایک ہی معنی کی مختلف تعبیریں ہیں

۲؎ جناب علیین مکان طاب ثراہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قسم بھی ذریعۂ الہام سے ہے البتہ اگر یہ مراد لیجائے کہ نبی اپنی قوت قدسیہ سے نظری بدیہیات اولیہ کی طرح جان لیتے تھے تو کہہ سکتے ہیں کہ الہام اسکے مغایر اور جداگانہ قسم ہے ۱۲

(١٠) وہ پیچیدہ آواز ہے جو نبی کو مگس شہد کی طرح سُنائی دیتی ہے جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے اور یہ کہ ہمارے حضرت اُس سے خدا کی مراد کو دریافت کر لیتے تھے۔

(١١) وہ کلام ہے جسکو حقتعالی پردۂ غیب سے بدون واسطہ کسی نبی پر بیداری کی حالت میں متوجہ فرماتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر یا ہمارے حضرت کے لئے شب معراج واقع ہوا تھا منقول ہے کہ حضرتؐ پر اُسوقت غشی (بیہوشی) یا ایک حالت ایسی طاری ہوتی تھی، جو غشی سے مشابہ ہوتی تھی اور حضرتؐ کے جسم مبارک سے پسینہ بہنے لگتا تھا اور حاضرین کو اُسکے مشاہدہ سے معلوم ہو جاتا تھا کہ حضرت پر وحی نازل ہوئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بعض اصحاب نے سوال کیا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ بعض اوقات تو حضرت رسول خداؐ یہ فرماتے تھے کہ مجھ سے جبرئیل نے کہا ہے اور یہ جبرئیل مجھکو حکم کرتے ہیں۔ اور پھر دوسری حالت میں حضرت پر بیہوشی طاری ہوتی تھی۔ آپ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :-

انه اذا كان الوحي من الله اليه ليس بينهما جبرئيل اصابه ذلك لثقل الوحي من الله واذا كان بينهما جبرئيل لم يصبه ذلك فقال قال لي جبرئيل وهذا جبرئيل

رسول خداؐ پر یہ حالت اسوقت طاری ہوتی تھی جبکہ حقتعالی حضرت پر بدون توسط فرشتہ وحی کو بھیجتا تھا اسلئے کہ اس حالت میں حضرت کو اُس (وحی) کی گرانی محسوس ہوتی تھی اور جبکہ جبرئیل بیچ میں آتے تھے تو اس قسم کی حالت طاری نہ ہوتی تھی اور اسی صورت میں حضرت فرماتے کہ مجھسے جبرئیل نے کہا اور یہ جبرئیل ہیں

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حیات القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث معتبر میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ انبیاء پر جو وحی نازل ہوتی تھی اسکی کئی قسمیں تھیں کبھی تو فرشتہ بھیجے جاتے تھے اور کبھی حقتعالی اُن کے ساتھ خود ہمکلام ہوتا تھا اور کوئی درمیانی نہ ہوتا تھا اور جناب امیرؑ سے وحی کی کئی قسمیں منقول ہیں (١) وحی نبوت (٢) وحی الہام (٣) وحی اشارہ

(۴) وحی تقدیر (۵) وحی امر (۶) وحی کذب (۷) وحی خیر۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ

من این تاخذ الوحی فقال اخذہ من اسرافیل فقال و من این یاخذہ اسرافیل قال یاخذہ من ملک فوقہ من الروحانیین قال فمن این یاخذ ذلک الملک قال یقذف فی قلبہ قذفاً	تم وحی کو کہاں سے حاصل کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ اسرافیل سے حضرت نے پوچھا کہ اسرافیل کہاں سے لیتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ وہ اس فرشتہ سے حاصل کرتے ہیں جو ان سے بلند تر ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ فرشتہ کہاں سے لیتا ہے انہوں نے عرض کیا اُسکے دل میں القا ہوتا ہے

اور حضرت کے لئے مراد خدا معلوم ہونیکی مختلف صورتیں تھیں جیسے وحی جبرئیل علیہ السلام کی معرفت کسی دوسرے فرشتہ کی معرفت علم ضروری کا دل میں ہوجانا باوجودیکہ حضرت جبرئیل فرشتہ مقرب اور فرستادہ خدا ہیں اور قسم جن یا شیطان سے نہیں ہیں چنانچہ حقتعالیٰ جبرئیل میں علم ضروری کو پیدا کرتا ہے کہ یہ کلام ہے یا اُن کے ہاتھوں پر خوارق عادت ظاہر ہوتے ہیں جس طرح کہ انبیا کے لئے ظاہر ہوتے ہیں بہرحال دونوں صورتیں صحیح ہوسکتی ہیں

بہرحال عرف شرع میں لفظ وحی کا جبکہ نبی کی طرف منسوب ہوتا ہے تو جملہ اقسام مذکورۂ بالا پر اطلاق ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تین معنوں پر (لفظ وحی) کا زائد اطلاق ہوتا ہے[1]

[1] نصوص قرآن مجید میں وحی کا لفظ غیر انبیا کی نسبت بھی مستعمل ہوا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔
وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی (پارہ ۲۰ سورہ قصص) ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی کی۔
اور اس مقام پر وحی سے الہام مراد ہے۔ اور کبھی (لفظ وحی) کا امر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے حقتعالیٰ فرماتا

اوّل آواز کا خدا کی طرف سے آنا اور نبی کا اُسکو سُننا۔

دوم۔ فرشتہ کا خدا کی طرف سے آنا اور نبی سے باتیں کرنا۔

سوم۔ کسی مضمون کا نبی کے دل میں ڈالا جانا اور اُسکو القاء اور الہام کے ساتھ بھی تعبیر کرتے ہیں بلکہ ظاہر قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی خدا جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی وہ تین ہی قسموں میں منحصر تھی۔

اوّل الہام جس سے کسی مطلب کا نبی کے دل میں ڈالدینا مراد ہے خواہ بیداری میں ہو یا خواب میں

دوم۔ حقتعالیٰ کا بدون واسطہ کلام کرنا۔

سوم۔ فرشتہ کا بھیجنا چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا	کسی بشر سے حقتعالیٰ کلام نہیں کرسکتا مگر یہ کہ الہام کرے
وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ	یا پس پردہ سے کلام کو پیدا کرے یا کسی فرشتہ کو
رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (پارہ ۲۵ سورۂ شوریٰ)	بھیجدے جو وحی کو اُس تک پہونچائے ۔

پس قول واجب تعالیٰ اِلَّا وَحْيًا سے الہام کرنا یا حالت خواب میں القاء کرنا مراد ہے اور قول حقتعالیٰ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ سے بدون واسطہ کلام کا کسی جسم میں پیدا کردینا مراد ہے جسطرح حقتعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ کے لئے اور شب معراج کسی جسم میں ہمارے حضرت کے لئے

(بقیہ صفحہ ۱۲۲) اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (پارہ ۷ سورۂ مائدہ) } مینے حواریوں کی طرف وحی بھیجی۔

اور کبھی اُسکا شعور طبعی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (پارہ ۱۴ سورۂ النحل) } تمہارے پروردگار نے مگس شہد کی طرف وحی کی۔

یعنی اُس میں طبعی شعور رکھا گیا ہے کہ وہ پہاڑوں میں اپنے گھر بنائے اگرچہ لفظ وحی کا باعتبار لغت کے جملہ معانی پر اطلاق کرنا صحیح ہے لیکن شریعت سے اُسکا انقطاع وحی کے بعد کسی غیر نبی کے حق میں استعمال کرنیکی ممانعت ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے ۱۲

کلام کو پیدا کر دیا تھا اور قول حق تعالیٰ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا آہ سے فرشتہ کا بھیجنا اور اُسکے واسطے کلام کرنا مراد ہے چنانچہ اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں علامہ طبرسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اى ليس لاحد من البشر ان يكلمه الله اِلَّا ان يوحى اليه وَحْيًا وهو داؤد اوحى فى صدره فزبر الزبور اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اى ويكلمه من وراء حجاب وهو موسى اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا وهو جبرئيل ارسل الى محمد فَيُوْحِىَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ارسل ملئكته يكتبه وكلامه ليبلغوا ذلك عنه عباده	کسی بشر کے لئے یہ امر صحیح نہیں ہے کہ حق تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر یہ کہ اُسکے دل میں الہام کرے جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے لئے کیا گیا تھا جسکے بعد اُنھوں نے زبور کو لکھا تھا یا اُس کے لئے پس پردہ کسی آواز کو پیدا کرکے جیسا کہ حضرت موسےٰؑ کے لئے کیا گیا تھا یا اُسکے پاس فرشتہ (جبرئیل) کو پیغام لیکر بھیجے جیسا کہ حضرتؐ کے لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ اُس کے حکم سے جس چیز کو پہونچانا چاہتا ہے اُس کو بندوں تک پہونچا دے ۔

اور علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ کی بحار الانوار جلد ششم تفسیر آیۂ مذکورۂ بالا میں جو عبارت مرقوم ہے اُسکا حاصل درج ذیل ہوتا ہے کہ ۔

(وما كان لبشر) اى لا يصح له ان يكلمه الله الا وحيا) اى الهاما وقذفا فى القلوب او القاء فى المنام (او من وراء حجاب) اى يكلمه من وراء حجاب كما كلم موسى بخلق الصوت فى الطور وكما كلم نبينا فى المعراج وهذا اما	کسی بشر کے لئے صحیح نہیں ہے کہ حق تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر یہ کہ الہام کرے اور دلوں میں ڈالدے یا خواب میں القا کرے یا پس پردہ کلام کرے جس طرح کہ حضرت موسےٰؑ سے طور میں آواز پیدا کر دینے کے ساتھ کلام کیا تھا ۔ یا جس طرح کہ ہمارے نبیؐ سے شب معراج کلام کیا تھا ۔ اور یہ کلام یا تو

على سبيل الاستعارة والتشبيه
فان من يسمع الكلام
ولا يرى المتكلم يشبه
حاله بحال من يكلم من وراء
حجاب او المراد بالحجاب
الحجاب المعنوي من كماله
تعالى ونقص الممكنات ونوريته
تعالى وظلمانية غيره كما سبق
تحقيقه في كتاب التوحيد او يرسل
رسولا اي ملكا فيوحي باذنه ما يشاء
فظهر ان وحيه تعالى منحصر في اقسام
ثلاثة اما بالالهام والالقاء في المنام
او بخلق الصوت بحيث يسمعه الموحى اليه او بارسال ملك
وعلم الملك ايضا يكون على هذا الوجه والملك الاول
لا يكون علمه الا بوجهين منها وقد يكون بمطالعة في اللوح

بر سبیل استعارہ و تشبیہ ہے اس لئے کہ جو شخص کلام کو سنتا ہے
اور متکلم کو نہیں دیکھتا اُسکا حال اُس شخص سے مشابہت
رکھتا ہے جو پس پردہ سے کلام کرتا ہے یا
حجاب سے حجاب معنوی (کمال خدا اور نقصان ممکنات
اور نوریت خدا اور ظلمانیت مخلوقات) مراد ہے جسکی
تحقیق کتاب توحید میں گذر چکی ہے یا کسی فرشتہ کو بھیجے
تاکہ وہ اُسکی اجازت سے جس پیغام کو وہ پہونچانا چاہتا ہے
پہونچا دے پس (اس بیان سے) ظاہر ہوا کہ حق تعالیٰ
کی وحی تین قسموں میں منحصر ہے الہام کرنا اور خواب میں
القا کرنا یا آواز کا اِس طرح پیدا کر دینا کہ وہ شخص (جسکے
پاس وحی بھیجی گئی ہے) سن لے یا فرشتہ کو بھیجدے
اور فرشتہ کا علم بھی اقسام مذکورہ میں سے کسی ایک قسم کے
ساتھ حاصل ہوگا اور پہلے فرشتہ کا علم اُن میں سے فقط دو
قسموں[1] کے ساتھ حاصل ہوگا اور کبھی اُس (پہلے فرشتہ
کے علم) کا لوح محفوظ کے مطالعہ کرنے سے حاصل ہونا بھی جائز ہے

اس عبارت سے وحی کا فقط تین قسموں میں منحصر ہونا بصراحت معلوم ہوا۔ پس بعض علما سے جو بہت سی
قسمیں نقل کی گئی ہیں وہ سب انہیں تین قسموں پر کچھ خصوصیتوں کے اضافہ کر دینے سے حاصل کی گئی ہیں

---

[1] اول الہام القا کر دینا دوم بدون واسطہ کلام کا حادث کر دینا۔ اور تیسری قسم اِس مقام پر نہیں ہو سکتی ورنہ تسلسل اور خلاف مفروض لازم آئیگا اس لئے کہ اُسکا پہلا فرشتہ ہونا فرض کیا گیا ہے پس کسی فرشتہ کا اُس سے پہلے فرض کرنا صحیح نہ ہوگا ۱۲

اور علم جو روحانی غذا ہے وہ جسمانی غذا سے اشرف ہے پس ضرور ہوا کہ حضرت میکائیل سے حضرت جبرئیل اشرف ہوں۔

سوم یہ کہ حقتعالی نے اُن (حضرت جبرئیل) کا اپنی مقدس ذات کے ساتھ ہی ذکر فرمایا

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج (پارہ ۲۸ سورہ التحریم) — اللہ اُس کا مولے ہے اور جبرئیل اور صالح المؤمنین۔

چہارم یہ کہ حقتعالی نے اُن کو روح القدس قرار دیا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ کے حق میں فرمایا

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تف (پارہ ۷ سورہ المائدہ) — جب میں نے تمکو روح القدس کے ساتھ قوت دی

پنجم - یہ کہ وہ (حضرت جبرئیل) ہزار فرشتوں کے ساتھ اولیاء خدا کی نصرت کرتے اور اعدا کو مقہور کرتے ہیں۔

ششم یہ کہ حق تعالی نے اُن (حضرت جبرئیل) کو اپنے اس ایک قول میں کہ:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ (پارہ ۳۰ سورہ التکویر) — وہ رسول کریم کا قول ہے جو صاحب قوت ہے اور صاحب عرش کے نزدیک رفیع القدر (فرشتے) اُنکی اطاعت کرتے ہیں اور امین ہے۔

چھ صفتوں کے ساتھ موصوف کیا ہے

(۱) رسالت ہے کہ حقتعالی نے اُنکو جملہ انبیاء کے پاس اپنا پیغامبر بناکر بھیجا اس صورت میں جملہ انبیاء اُن کی اُمت ہوں گے۔

(۲) کرم ہے اور اُنکے پیش خدا کریم (بزرگ) ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ حق تعالی نے اُنکو اپنے اور انبیاء کے درمیان جو اُس کے بندوں میں اشرف ہیں سطہ اور سفیر بنایا

(۳) قوت ہے جسکے لئے اسی قدر کافی ہے کہ اُنہوں نے حضرت لوط کی قوم کی

لہ انبیاء کا فرشتوں سے افضل ہونا آئندہ مذکور ہوگا۔ لہذا یہ قول خالی از بحث نہیں ۱۲

بلند کر کے اُلٹا کر دیا تھا۔

(۴) مکانت ہر (رفعت قدر) اور اُنکی رفعت قدر کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ حقتعالیٰ نے اُنکو اپنے قول فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ میں اپنی ذات مقدس کا تالی (دوسرا قرار دیا ہے۔

(۵) اُنکا مطاع ہونا جس کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ جملہ فرشتے اُن کے مطیع و منقاد ہیں اور وہ اُن سب کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔

(۶) اُن کا امین ہونا جس کا ذکر حقتعالیٰ اپنے اِس قول میں فرماتا ہے کہ:۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۞ پارہ ۱۹ سورۂ الشعراء — اُس (قرآن) کو روح الامین نے تمہارے دل پر اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

حضرت عزرائیل کا ذکر

اور منجملہ اکابر ملائکہ حضرت عزرائیل ہیں جنکا موجود ہونا اخبار و احادیث سے ثابت ہوچکا ہے اور اسی طرح حدیث سے یہ امر بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عزرائیل سے ملک الموت مراد ہیں چنانچہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ۔ پارہ ۲۱ سورۂ السجدہ — تم کہدو کہ ملک الموت تمہاری روحوں کو قبض کریگا جو تم پر مُوکل کیا گیا ہے۔

اور یہ جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے قبض رُوح کے متعلق قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے کہ:۔

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ۔ پارہ ۷ سورۂ الانعام — کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اُسکی رُوح کو ہمارے رسول قبض کر لیتے ہیں۔

تو اُس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ حقتعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے قبض ارواح کیلئے مقرر ہوئے ہیں پس ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے ملک الموت کو فرشتوں کی ایک جماعت کا رئیس قرار دیا ہو اور وہ (جماعت) قبض ارواح کے لئے مقرر کی گئی ہو چنانچہ سبحانہ وتعالےٰ

قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ
پارہ ۱۰ سورۃ الانفال

اگر تم کافروں کو اُس حالت میں دیکھتے کہ فرشتے اُنکی روحوں کو قبض کرتے ہیں اور اُن کے چہروں اور پشتوں پر ضرب لگاتے ہیں (تو تم امر عجیب کا مشاہدہ کرتے)۔

حضرت اسرافیل کا ذکر

اسی طرح حضرت اسرافیل بھی نہایت جلیل القدر فرشتہ ہیں جنکا اخبار و احادیث سے صاحب صور ہونا ثابت ہے چنانچہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝
پارہ ۲۴ سورۃ الزمر

اور صور پھونکا جائیگا پس جو لوگ کہ آسمانوں میں اور جو لوگ کہ زمین میں ہیں وہ مرجائینگے سوا اُن لوگوں کے جنکا باقی رکھنا خدا کو منظور ہوگا پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائیگا اور تمام مردے کھڑے ہوکر انتظار کرنے لگینگے۔

چوتھی صنف - ملائکہ جنت (بہشت کے فرشتے) ہیں چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ
پارہ ۱۳ سورۃ الرعد

اہل بہشت پر ہر ایک دروازہ سے فرشتے داخل ہونگے اور اُنسے کہینگے کہ تم پر تمہارے صبر کے عوض سلام ہو پس (اُس گھر کا کیا اچھا انجام ہے۔

پانچویں صنف ملائکہ جہنم (دوزخ کے فرشتے) ہیں چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ پارہ ۲۹ سورۃ المدثر

اُس دوزخ پر اُنیس فرشتے مؤکل ہیں۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ پارہ ۲۹ سورۃ المدثر

ہمنے اصحاب دوزخ نہیں مقرر کئے مگر فرشتے۔

اور ان فرشتوں کے سردار مالک ہیں چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۔ (پارہ ۲۵ سورۃ الزخرف) — اور اہل دوزخ ندا کرینگے اے مالک ہمارے حق میں حکم کرے کہ تمہارا پروردگار ہم کو مار ڈالے تاکہ ہم عذاب سے بچیں۔

اور ملائکہ جہنم کا نام زبانیہ ہے۔ چنانچہ حقتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۔ (پارہ ۳۰ سورۃ العلق) — وہ (ابوجہل) اپنے اہل مجلس کو بلائے ہم زبانیہ (فرشتگان دوزخ) کو بلا لینگے۔

چھٹی صنف وہ فرشتے ہیں جو بنی آدم پر موکل ہیں چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ (پارہ ۲۶ سورۃ ق) — داہنی طرف سے ایک فرشتہ اور بائیں طرف سے ایک فرشتہ ہمیشہ یا ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ شخص کسی کلمہ کے ساتھ گویا نہیں ہوتا مگر یہ کہ اُس کے پاس ایک حافظ فرشتہ حاضر رہتا ہے۔ جو اُسکی نیکی یا بدی کو لکھتا ہے۔

اور حق تعالیٰ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۔ (پارہ ۱۳ سورۃ الرعد) — اسکے لئے یکے بعد دیگرے وارد ہونے والے فرشتے ہیں جو سامنے اور پیچھے سے بحکم خدا اُسکی حفاظت کرتے ہیں۔

اور تیسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۔ (پارہ ۷ سورۃ الانعام) — حق تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔

ساتویں صنف وہ فرشتے ہیں جو اعمال کو لکھتے ہیں چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (پارہ ۳۰ سورۃ الانفطار) — اور تم پر حفاظت کرنے والے بلند مرتبہ (اعمال کی) لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے افعال کو جانتے ہیں۔

آٹھویں صنف وہ فرشتے ہیں جو احوال عالم پر موکل ہیں جنکی نسبت حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۔ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۔ (پارہ ۲۳ سورۃ الصّٰفّٰت) — قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صف باندھنے والے اور روک ٹوک کرنے والے اور تلاوت کرنے والے ہیں۔

اور انہیں کی نسبت دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ پارہ ۲۶ سورہ ذریت	قسم ہوا اڑانے والی ہواؤں کی پھر قسم ہے بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی پھر آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی پھر امور کے تقسیم کرنے والے فرشتوں کی کہ (ثواب عذاب کا) جو تمسے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے۔

اور ابن عباس سے منقول ہے کہ حقتعالی نے حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ بھی کچھ ایسے فرشتے پیدا کئے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں پس جبکہ کسی جنگل میں تمکو کوئی وقت پیش آئے تو فرشتگان خدا کو مخاطب کر کے اسطرح پکارو۔

اعینوا عباد الله یرحمکم الله } اے بندگان خدا تم ہماری مدد کرو خدا تم پر رحم کرے

مذکورہ بالا تقریرات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حقتعالی نے فرشتوں کو نظم عالم کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ کہ انکو مختلف عہدوں اور جداگانہ خدمتوں پر مامور کیا ہے اور یہ کہ وہ اپنے ذاتی کمالات اور فضائل میں عام انسانوں سے ممتاز ہیں اور حقتعالی نے انکو جو قوتیں عطا کی ہیں وہ باقی مخلوقات کو عطا نہیں کیں

اوصاف ملائکہ } امام فخر الدین رازی نے فرشتوں کے جن اوصاف اور کمالات کو بیان کیا ہے انکا بطور اجمال وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی وصف ہیں۔

پہلا وصف انکا رسول ہونا چنانچہ حق تعالی اپنی مقدس ذات کی مدح میں ارشاد فرماتا ہے :۔

لہ امام رازی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں آیتوں میں فرشتے ہی مراد ہیں اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں فقط ہوائیں مراد ہیں اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ذاریات سے ہوائیں اور حاملات سے بادل اور جاریات سے کشتیاں اور مقسمات سے فرشتے مراد ہیں اور کتاب میں اسی حدیث کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے ۱۲

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴿ پارہ ۲۲ سورہ فاطر ﴾ وہ (خدا) فرشتوں کو رسول مقرر کرنے والا ہے

اس آیہ شریفہ سے جملہ ملائکہ کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ ملائکہ پر الف لام داخل ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

اور اسی طرح حقتعالیٰ دوسرے آیہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴿ پارہ ۱۷ سورہ الحج ﴾ حق تعالیٰ ملائکہ میں سے رسولوں کو منتخب کرتا ہے۔

اور اس آیہ شریفہ میں لفظ مِنْ بیان کے لئے آیا ہے اور تبعیض کے لئے نہیں ہے پس یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس میں فقط بعض ملائکہ کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا وصف اُن (فرشتوں) کا مقرب ہونا چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿ پارہ ۱۷ سورہ الانبیاء ﴾ جو بندے اُسکے قریب ہیں وہ اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور یہ کہ وہ تھکتے نہیں۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴿ پارہ ۱۷ سورہ الانبیاء ﴾ وہ (فرشتے) محترم بندے ہیں۔ اور وہ کسی بات میں خدا پر سبقت نہیں کرتے اور اُسکے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

اور تیسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ ﴿ پارہ ۱۷ سورہ الانبیاء ﴾ وہ رات دن خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔

تیسرا وصف اُنکا مطیع پروردگار ہونا چنانچہ حقتعالیٰ نے ملائکہ کی زبانی نقل فرمایا ہے۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۝ ﴿ پارہ ۱ سورہ البقرہ ﴾ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر بھی قرآن مجید میں اُنہیں (ملائکہ) کی زبانی نقل فرمایا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ ﴿ پارہ ۲۳ سورہ الصّٰفّٰت ﴾ ہم صف باندھنے والے ہیں اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

اور چونکہ حقتعالیٰ نے اس قول میں اُنکی تکذیب نہیں کی لہذا ثابت ہوا کہ وہ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں

اسی طرح حقتعالی نے اُن کی نسبت قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ (پارہ ۱۴ سورۃ الحجر) } جملہ فرشتوں نے (آدم کو) سجدہ کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ وہ احکام الٰہی پر عمل کرتے ہیں ہرگز تاخیر نہیں کرتے بلکہ اُن کو فوراً بجالاتے

اسی طرح حقتعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ :-

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء) } وہ کسی شئے کو بدون اُسکے امر اور عمل میں نہیں لاتے۔

جیسا کہ ابھی مذکور ہو چکا ہے۔

چوتھا وصف انکا صاحب قدرت و قوت ہونا چنانچہ حاملان عرش کی نسبت جنکا آٹھ میں منحصر ہے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ عرش اور کرسی کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور کرسی جو سے کہیں چھوٹی ہے وہ باقی ساتوں آسمانوں سے بڑی ہے اس لئے کہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ } اور اسکی کرسی آسمانوں اور زمین کی گنجائش رکھتی

اسی طرح عرش عظم کی بلندی اسقدر ہے جس تک ہم بھی نہیں پہنچ سکتے چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ (پارہ ۲۹ سورۃ المعارج) } ملائکہ اور روح اُس تک ایک دن میں عروج کرتے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

باوجود اسکے وہ ایک لحظہ میں اُتر آتے ہیں اسی طرح حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (پارہ ۲۴ سورۃ الزمر) } اور صور پھونکا جائیگا پس جملہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے ہلاک ہو جائینگے سوا اُن لوگوں کے جنکے باقی رکھنے سے خدا کی مشیت متعلق ہوگی پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائیگا تو سب کھڑے ہو کر حکم الٰہی کا انتظار کرینگے

پس صاحب صور (اسرافیل) کی فقط ایک نفخہ (پھونک) سے تمام آسمانوں اور زمین کے لوگ مرجائینگے اور اُن کے دوسرے نفخہ سے سب کے سب زندہ ہو جائینگے اب اس قوت کی

عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت جبرئیل کی قوت کی یہ حد تھی کہ انہوں نے حضرت لوط کی اُمت اور پہاڑوں اور شہروں کو ایک ہی دفعہ میں اکھاڑ لیا تھا جسکا ذکر ہو چکا ہے۔

پانچواں وصف اُنکا حقتعالیٰ سے حد درجہ خوف کرنا پس باوجود کثرت عبادت اور طول طاعت کے وہ پروردگار عالم سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں گویا کہ وہ اپنی عبادات کو معاصی سمجھتے ہیں چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝	اور وہ (فرشتے) اُس (خدا) کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں

اور اس مقام پر آیات احادیث کا نقل کرنا بخیال طول قرین مصلحت نہیں ہے البتہ اس مقام پر جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام کے اُس مقدس کلام کا نقل کرنا مصلحت ہے جس میں آپ نے اوصاف ملائکہ اور ان کے اصناف کا ذکر فرمایا ہے اور اُسکو امام رازی نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے اور اُسکی تعریف میں لکھا ہے کہ:۔

انہ لیس من بعد کلام اللہ وکلام رسولہ کلام فی وصف الملٰئکۃ اعلیٰ واجل من کلام امیرالمؤمنین علی علیہ السلام	کلام خداوند عالم عز اسمہ اور کلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فرشتوں کے وصف میں کوئی کلام حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے کلام سے اعلیٰ اور برتر نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت کی عین عبارت مع حاصل ترجمہ ذیل میں مندرج کی جاتی ہے آپ فرماتے ہیں:۔

ثم فتق ما بین السمٰوات العلیٰ فملأھن اطوارا من ملٰئکۃ فمنھم سجود لا یرکعون ورکوع لا ینتصبون وصافون لا یتزایلون ومسبحون لا یسأمون لا یغشاھم نوم العیون ولا سھو العقول ولا فترۃ الابدان ولا غفلۃ النسیان	پھر حقتعالیٰ نے آسمانوں میں کشادگی کو حادث کیا اور اُنکو انواع و اقسام کے فرشتوں سے پر کر دیا پس اُن میں سے بعض فرشتے ایسے ہیں جو ہمیشہ سجدہ ہی میں مصروف رہتے ہیں رکوع نہیں کرتے اور بعض فرشتے ایسے ہیں جو ہمیشہ رکوع ہی میں رہتے ہیں اور سیدھے نہیں ہوتے اور صف بستہ ہیں اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے اور تسبیح کرنیوالے ہیں کبھی نہیں تھکتے اُن پر آنکھوں کے خواب اور عقلوں کی بھول چوک اور جسموں کی سُستی اور نسیان کی غفلت طاری نہیں کرتی

ومنهم امناء على وحيه والسنة
الى رسله ومختلفون بقضائه
وامره ومنهم الحفظة لعباده
والسدنة لابواب جنانه ومنهم
الثابتة فى الارضين السفلى
اقدامهم والمارقة من السماء
العليا اعناقهم والخارجة
من الاقطار اركانهم والمناسبة
لقوائم العرش اكتافهم ناكسة
دونه ابصارهم متلفعون
باجنحتهم مضروبة بينهم
وبين من دونهم حجب العزة
واستار القدرة لا يتوهمون
ربهم بالتصوير ولا يجرون
عليه صفات المصنوعين
ولا يحدونه بالاماكن ولا
تشيرون اليه بالنظائر۔

اور اُن میں سے بعض وہ فرشتے ہیں جو وحی خدا پر امین
ہیں اور اُسکے پیغام کو رسولوں کے پاس لیجاتے ہیں
اور اُسکی قضا و قدر کے پہونچانے میں آمد و رفت کرتے ہیں
اُنہیں سے بعض وہ فرشتے ہیں جو اُسکے بندوں کی حفاظت کرتے اور دروازہ
بہشت کی دربانی کرتی ہیں اور اُنہیں سے بعض وہ فرشتے
ہیں کہ زمین کے تحتانی حصوں میں اُنکے قدم ثابت ہیں اور
آسمان بلند سے اُنکی گردنیں نکلی ہوئی ہیں۔ اور اقطار عالم
سے اُن کے ارکان خارج ہیں۔ اور اُن کے
کاندھے قوائم عرش کے مناسب ہیں اور اسکے نیچے
اُنکی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اپنے
بازوؤں سے اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ہیں
اور اُن کے اور اُن لوگوں کے درمیان جو
اُن سے پست ہیں عزت و قدرت کے پردے
حائل ہیں اپنے پروردگار کے لئے وہ صورت کا
توہم نہیں کرتے اور صفات مخلوقین کو اُسپر جاری نہیں کرتے
اور مکانوں کے ساتھ اُسکو محدود نہیں کرتے اور نظیروں کے
ساتھ اُسکی طرف اشارہ نہیں کرتے۔

بہرحال مذکورۂ بالا تقریروں سے تین نتیجے نکلتے ہیں۔

پہلا نتیجہ یہ کہ وحی سے خدا کا وہ پیغام یا کلام مراد ہے جس پر حقتعالیٰ نبی کو فرشتہ کے ذریعے یا بدون اُسکی وساطت کے مطلع کرتا ہے خواہ خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ آکر باتیں کرے یا اُسکی طرف سے آواز پیدا ہو اور نبی اُسکو سنے یا اُسکی طرف سے نبی کے دل میں کوئی مضمون

ڈالا جاتا ہے خواہ بیداری میں یا خواب میں جسکو الہام یا القا کہتے ہیں اور یہ کہ وحی اور الہام جو نبی کے لئے ہوتا ہے وہ کسی فطری ملکہ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ حقتعالیٰ کا کلام ہے جسکو نبی پر خارج سے نازل کرتا ہے اور وہ (کلام) باہر سے آتا ہے

دوسرا نتیجہ یہ کہ خدا کی طرف سے جو فرشتہ اُسکے پیام یا کلام کو نبی کے پاس لاتا ہے وہ ایک مستقل مخلوق ہے جسکو حق تعالیٰ اپنی طرف سے نبی کے پاس بھیجتا ہے اور یہ کہ وہ (فرشتہ) کسی طبعی ملکہ یا فطری قوت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایسا نورانی جسم ہے جو اُترنے چڑھنے اور ساکن اور متحرک ہونے پر قدرت رکھتا ہے۔

تیسرا نتیجہ یہ کہ نبی وہ بشر ہے جو وحی والہام کے ذریعہ سے تعلیم پاتا ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اور یہ کہ نبوت کسی فطری ملکہ یا طبعی قوت کا نام نہیں ہے جو ہر ایک بشر میں قدرت کی طرف سے عطا ہوئی ہے اور یہ کہ وحی والہام سے اُسکو جن اُمور کی تعلیم ہوتی ہے وہ کسی انسانی قوت کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ نبی کے لئے جس قوت سے کہ کسی امر پر اطلاع ہوتی ہے وہ ما فوق الفطرۃ ہوتی ہے اور غیر نبی کی کُر جس قوت سے کہ کسی بات پر اطلاع ہوتی ہے وہ ماتحت الفطرۃ ہوتی ہے۔

تنبیہ :- اس زمانہ کے بعض مدعیان اسلام نے نتائج مذکورۂ بالا میں ترمیم اور اصلاح کی ہے وہ وحی والہام اور فرشتہ اور نبوت کو فقط انسان کی فطری قوت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں چونکہ اُن کی یہ رائے عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے اس لئے اُن کے کلام کا نقل کرنا اور بروجہ اجمال اُس سے تعرض کرنا مناسب ہے تاکہ ناظرین کے لئے حق و باطل میں تفرقہ کرنے کا موقع ملے اور اپنے صحیح عقیدوں کو زیغ وضلالت سے محفوظ رکھیں۔ پس واضح ہو کہ اُنہوں نے علماء سابقین پر اعتراض کرتے ہوئے وحی والہام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ:-

وحی والہام کے متعلق تقریر

وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دیجاتی ہے مگر اگلے مفسرین نے اسکا بیان کہ وہ کیونکر دیجاتی ہے

تحقیق غور پر نہیں کیا اُنھوں نے خدا و رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کے مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کے مانند سمجھا ہے۔ امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں ارقام[1] فرماتے ہیں کہ آسمان پر جبرئیلؑ خدا کا کلام سنکر آنحضرت پر اُترنے سے تھے اور وہ پیغام کہا کرتے تھے۔ پھر اس تقریر پر اُنکو یہ مشکل پیش آئی کہ خدا کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے پھر جبرئیلؑ نے وہ کیونکر سُنا ہوگا۔ پھر اُسکا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیلؑ میں ایسی سماعت پیدا کی ہو جو خدا کلام سن لیتا ہو پھر اُسمیں یہ قدرت رکھی ہو کہ وہ عبارت میں اُسکی تعبیر کر سکے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے قرآن پیدا کر دیا ہو اور جبرئیلؑ نے اُسکو پڑھ کر یاد کر لیا ہو یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبرئیلؑ نے بھی اُسی کے ساتھ آواز ملالی ہو پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو بتا دیا ہو کہ یہی وہ عبارت ہے جو ہمارے کلام قدیم کو پورا کر دیتی ہے۔

یہ تقریریں ہمارے علماء قدیم کی اُسی قسم کی تقریریں ہیں جنپر آج لوگ ہنستے ہیں اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان حضرت ہی میں ایسی سماعت یا لوح محفوظ میں سے پڑھنے کی قدرت یا جس جسم میں سے وہ اونچی نیچی آوازیں نکلتی تھیں اُنسے کلام سمجھ لینے کی طاقت کیوں نہیں پیدا کی جو خدا کا کلام سن لیتے اور سمجھ لیتے تاکہ اس تکلیف کی کہ جبرئیلؑ سنیں۔ پھر عبارت بنائیں۔ پھر اُن حضرت کو آکر سنائیں حاجت نہ رہتی۔ اسکی بھی تشریح امام صاحب نے نہیں فرمائی کہ اُن اونچی نیچی آوازوں سے آواز ملا لینے کے بعد جبرئیلؑ کو خدا نے کیونکر بتایا کہ یہ وہی عبارت ہے

[1] لفظ ارقام کا تحریر کرنے کے معنی میں استعمال کرنا بظاہر درست نہیں ہے ۱۲

آیا انہیں اونچی نیچی آوازوں سے - اُس سے تو جاننا محال تھا کیونکہ دور لازم آتا ہے پھر اور کسیطرح بتایا ہوگا مگر پہلے ہی اُسی طرح بتا دیا ہوتا - ولاشك ان هذه الهفوات لیس لها فی الاسلام نصیب -

جواب - یہ امر بہت واضح ہے کہ معترض کی بہ نسبت اگلے مفسرین کا قول بہر حال زائد قابل اعتماد ہوگا اسلئے کہ وہ لوگ اہل فن ہیں اور یہ اُس سے بالکل اجنبی ہیں اب اگر دلیل پر بنا کیجائے تو مفسرین کے قول کی تائید میں قوی دلیلیں موجود ہیں جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور عقل بھی اُنکے قول کو ترجیح دیتی ہے اس لئے کہ نبی کی تمیز باقی لوگوں سے اُسی وقت امتیاز ہوسکتا ہے جبکہ وہ نبی کسی ایسی قوت کے ساتھ ہو جو ما فوق الفطرۃ ہو کیونکہ فطری قوت اُن اُمور کے معلوم ہونے میں کافی نہیں ہوسکتی جو مرضی خدا کے موافق اور غیب سے متعلق ہوں - اِس صورت میں مرضی خدا کے دریافت کرنے اور اُمور غیب پر مطلع ہونیکی غرض سے نبی کے لئے ما فوق الفطرۃ قوت کا موجود ہونا لازمی امر قرار پائیگا -

اور اس مطلب کو دوسری عبارت میں اسطرح ادا کرسکتے ہیں کہ نبی اور غیر نبی کے الہام میں فوق الفطرۃ اور تحت الفطرۃ کا فرق ہے جو اُنکی حاجتوں میں ظاہر ہوتا ہے - ایک مسیحی شخص[1] نے کیا خوب لکھا ہے کہ :-

بنی آدم کی کیفیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو آسمانی الہام کی سخت ضرورت ہے اور یہ ضرورت اُن کی طبیعت میں خالق کی طرف سے رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے - یعنی خالق کی صحیح شناخت یا دہ شناخت جو عقلی طبعی شناخت سے بلند و بالا ہو اور اُس کی اس مرضی کی شناخت بھی جو ہم سے متعلق ہے اور اُس مرضی کی تکمیل

---

[1] پادری عماد الدین صاحب ۱۲

یا بجا آوری کی راہ اور بنی آدم کی ابتدائی اور انتہائی کچھ ضروری کیفیت بھی یہ چار باتیں دریافت کرنے کی ضرورت اور خواہش انسان کی طبیعت میں خدا نے رکھی ہوئی نظر آتی ہے اور فطرت معلومہ کی کیفیت سے اور عقلی یا خیالی یا وہمی یا کسی خاص ملکہ کے ہو جانے سے یہ ضرورت رفع نہیں ہو سکتی ہے اور نہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں اس ضرورت کی نسبت تسلی کی راہ فطرت میں دکھلا سکتا ہوں اور یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ یہ ضرورت ایک وہمی بات ہے پس جبکہ ایسی ضرورت یقیناً بنی آدم کی طبیعت میں نظر آتی ہے اور اسکی رفع یا تکمیل کی صورت یقیناً فطرت میں نہیں ہے تو اب کیا کہہ سکتے ہیں یا تو یہ کہ اس فطرت کے فاطر کا یہ فعل ہم میں عبث ہوگا پھر یہ تو عقلاً محال ہے یا یہ کہ کہیں نہ کہیں دنیا میں اسکی رفع کی صورت بھی خدا نے ظاہر ہوئی ہوگی۔ ہم تو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمام جسمانی اور بعض روحانی حاجتوں کے لئے خالق نے تکمیل کی راہ ظاہر کی ہے تو کیا ایسی ضرورت کے لئے جو تمام جسمانی و روحانی ضرورتوں سے از حد عالی اور اہم ضرورت ہو اور جسکی تکمیل کے بغیر زندہ تمیز کا آدمی دنیا میں چین نہیں پا سکتا کوئی تکمیل کی راہ خالق نے ظاہر نہیں کی فطری ملکہ کے الہام سے تو اسکی تکمیل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو مادی ابجزے ہیں اسکی تو یہی ایک صورت ہے کہ خدا خود بولے اور اُن بھیدوں کو کھولدے۔ بہرحال وحی والہام کے بارہ میں جو کچھ کہ علمائے اسلام کا صحیح اعتقاد ہے اور عقلی و نقلی دلیلیں اُسکی تائید کرتی ہیں وہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

معترض صاحب کے نزدیک خدا اور رسول کا دنیا کے بادشاہ و وزیر کے مانند ہونا اور وحی کا بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیام کے مانند ہونا صحیح نہیں ہے لیکن اُنکا یہ کلام بالکل بے دلیل ہے اور اس تشبیہ میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے بلکہ معترض کے مختار کی بنا پر بھی اگرچہ وحی سے محض ایک فطری ملکہ مراد ہے لیکن خدا و رسول کا بادشاہ و وزیر کے مانند کہنا اور فطری ملکہ کا پیام یا کلام کے مانند کہنا صحیح ہے اسلئے کہ

اِس تقدیر پر بھی تشبیہ کے جملہ ارکان موجود ہیں اور کوئی مانع موجود نہیں ہے اور چونکہ خدا کے متکلم ہونے سے اُسکا آواز اور حروف کو کسی جسم میں پیدا کر دینا مراد ہے لہذا جبرئیل کا خدا کے کلام کو سُننا اور نبی سے اُسکو بیان کر دینا بالکل بے اشکال ہے۔

اور یہ اشکال کہ خدا کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے پھر جبرئیل نے وہ کیونکر سنا ہوگا بالکل باطل اور محض لغو ہے اِس لئے کہ حقتعالےٰ کے متکلم ہونے سے یہی مراد ہے کہ وہ کسی جسم میں مفید حرفوں اور آوازوں کو پیدا کر دیتا ہے پس خدا کے کلام میں حروف و آواز کا قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے البتہ اگر حق تعالےٰ کے لئے کلام نفسی کے ثابت ہونیکا اقرار کیا جائے تو یہ کلام درست ہے لیکن کلام نفسی نز باطل ہے پس ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی جسم میں حرفوں اور آوازوں کو پیدا کرے اور جبرئیل کے لئے کوئی ایسی علامت حادث کرے جو اُن حرفوں اور آوازوں کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرے جیسا کہ خود نبی کے لئے بھی اسی قسم کی علامت کا ظاہر ہونا لازمی امر ہے۔

اس مقام پر معترض نے امام رازی کے کلام سے جو تعرض کیا ہے وہ ایک حد تک ہم بھی صحیح سمجھتے ہیں اور بیشک وہ تقریر ہنسنے اور مضحکہ اڑانے کے قابل ہے لیکن ازبسکہ امام صاحب اور معترض دونوں کی تقریریں کلام نفسی و قدیم پر مبنی ہیں لہذا ہم کو اُن دونوں ع تقریروں سے تعرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بعض مسیحی پادریوں نے معترض کی بعض کتابوں سے الہام و وحی کے بارہ میں جو چند عبارتیں نقل کی ہیں اس مقام پر اُنکا وارد کرنا اور بالاجمال اُنسے تعرض کرنا بھی مناسب

سه کلام نفسی سے وہ معنوی صفت مراد لیجاتی ہے جسکے لفظوں کے ذریعے تعبیر کیجاتی ہے اور وہ صفات لفظیہ کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اُس مطلب کا باطل ہونا اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے اس مقام پر اس سے بحث کرنا مناسب نہیں ہے ۱۲

معلوم ہوتا ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلی عبارت۔ ہم نے الہام کو خالی نلی میں پانی بھرنا نہیں مانا بلکہ فوّارہ کی طرح اُس سے اچھلنا مانا ہے۔ جب عام خیال کہ وحی یا الہام اوپر سے آتا ہے نکال دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ آتا نہیں بلکہ جاتا ہے۔ اور پھر پلٹ کر پڑتا ہے۔ اور خاص خاص علوم انکشاف سے تعلق رکھتا ہے تو کتب الہامی کی نسبت بھی خیال صاف ہوا جاتا ہے الہام یا کتاب الہامی کا کچھ نظر (پرتو) خود اسکا دل ہے جپر الہام ہوا خود اُسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اُٹھتی ہے اور خود اُسی پر نازل ہوتی ہے وحی یا الہام کو ہم کامل یا بے نقص نہیں کہتے بلکہ صرف اُسی کو کامل کہتے ہیں جسکو نیچر نے کامل کیا۔

جواب اس تقریر کا جواب بھی اگرچہ ہماری گزشتہ تقریروں سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ہم دوسری عبارت میں اُسکا اعادہ کرنا مصلحت سمجھتے ہیں جملہ اہل سلام اور تمام کتب آسمانی کا اس مطلب پر اتفاق ہے کہ الہام اور وحی ایک بالائی اور بیرونی تلقین ہے جو خدا کی طرف سے نبی کے دل پر نازل ہوتی اور اُترتی ہے جسکو معترض صاحب خالی نلی میں پانی بھرنے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر معترض کے الہام وحی کی تفسیر میں مذکورۂ بالا ایسی انوکھی تحقیقات پر نظر کرنا لازم نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اُنہوں نے اپنی عجیب وغریب تفسیر پر کوئی ادنےٰ سا معقول شاہد بھی بیان نہیں کیا پس ایسا عجیب وغریب دعوے بدون کسی معقول شاہد کے کیونکر مقبول ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ اگر اُن کی یہ تفسیر صحیح تسلیم کر لی جائے تو لازم آئیگا کہ ہر ایک الہامی اور آسمانی کتاب انسان کے فطری خیالات اور دلی جذبات کا ایک مجموعہ ہو اور یہ کہ دنیا کے ہر ایک حکیم کا نبی یا رسول کہنا اور اُسکی فطری خیالات کا آسمانی کتاب کہنا صحیح ہو اور انبیاء کا کسی خاص عدد میں محدود کرنا محض بے معنی ہو بلکہ خود معترض کا نبی کہنا اور اُنکی مذکورۂ بالا خیالات کا آسمانی کتاب کہنا بالکل درست ہو اس لئے کہ اُنکی الہام کی تفسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے جس میں

ان سب باتوں کے داخل ہو جانے کی گنجائش ہے۔
اور معترض کا یہ کہنا کہ :۔

"وحی یا الہام کو ہم کامل یا بے نقص نہیں کہتے ہیں"

اُن کی تفسیر کی رو سے بالکل درست ہے اس لئے کہ اُنکا الہام محض ایک فطری چیز ہے۔ جو خود انسان کی طبیعت سے پیدا ہوتا ہے جس کا ناقص ہونا نہایت واضح ہے پس ناقص سے جو چیز پیدا ہوگی وہ کامل کیونکر ہو سکتی ہے۔ لیکن اُن کی اسی تقریر سے یہ امر بھی بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کو ایک کامل اور بے نقص الہام کی ضرورت ہے جسکے ذریعہ سے اُسکے نقائص برطرف ہوں۔ اور فضائل و کمالات کے حاصل کرنیکے طریقے معلوم ہوں۔ پس ایسے الہام ربانی اور وحی آسمانی کا موجود ہونا بہرحال لازم ہوا جو ہر طرح کامل اور بے نقص ہو جسکا جملہ اہل اسلام بلکہ تمام اہل ملل کو اقرار ہے۔
اور اُن کا یہ فقرہ :۔

"بلکہ صرف اُسی کو کامل کہتے ہیں جسکو نیچر نے کامل کیا"

اور بھی تعجب خیز ہے اس لئے کہ جب اُن کے نزدیک الہام کا نیچری ہونا اور نیچری الہام کا ناقص ہونا ثابت ہو چکا تو اب وہ کونسا نیچر باقی رہا جس کا الہام انکے نزدیک بے نقص اور کامل ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ نیچری کمالات میں کوئی کمال ایسا معلوم نہیں ہوتا جس میں کسی قسم کا نقص نہو نیچر میں غیب دانی اور پیشینگوئی اور گذشتہ و آئندہ کے احوال پر اطلاع یابی کا کوئی طریقہ نہیں ہے جسکی انسان کو حاجت ہے اب اگر دعوے کیا جائے کہ اس قسم کا بے نقص اور کامل الہام بھی ہم کو نیچر کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا ہے تو اس دعوے کے باطل ہونے پر کسی دلیل کے قایم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ انسانی کمالات کے حدود سے یہ مرتبہ بالاتر ہے اور آجتک کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جو ان مراتب کے خود بخود حاصل ہونے کا مدعی ہوا ہو۔ اسکے علاوہ یہ بھی کہ

نیچری کامل کے لئے کوئی حد معین نہیں ہے پس جو شخص کہ بہ نسبت بعض لوگوں کے ناقص ہے وہی بہ نسبت دوسرے بعض لوگوں کے کامل ہے پس اگر نیچری کمال کا نام الہام رکھا جائے تو لازم آئیگا کہ ہر ایک شخص نبی ہو۔ اگر نیچری کمال سے آدمی نبی ہوجاتا ہے تو لازم آئیگا کہ خود معترض کا نبی ہونا بھی تسلیم کیا جائے اس لئے کہ نیچرل اُنکا دماغ بھی ایک خاص وضع کا بنایا تھا جسکی نظیر کمتر ملسکتی ہے پس ممکن ہے کہ ہر چند اُنکو نیچری نبی کہیں لیکن ازبسکہ خود اُن کے نزدیک بھی نیچری کمال بے نقص نہیں ہوتا اور اسلئے اُنسے ہزاروں سامحے ایسے سرزد ہوئے ہیں جنکا باطل ہونا ہر ایک عاقل کے نزدیک بدیہی طور سے معلوم ہوگیا ہے لہذا انسان کو اپنی تکمیل کیلئے کسی دوسرے قسم کی نبی کی حاجت ہوتی ہے جو ان سامحات سے بری ہو اور ایسا نبی وہی شخص ہو سکتا ہے جسنے الہام ربانی اور وحی آسمانی کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت پائی ہو۔

دوسری عبارت جس میں معترض نے اپنے مذکورہ بالا دعوے پر دلیل قایم کی ہے

اور نفس انسانی کی چار حالتیں بتلائی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اوّل۔ تربیتی حالت جسکو کانشنس بھی کہتے ہیں۔

دوم۔ کسی خاص علم و ہنر میں ترقی کرتے کرتے اعلیٰ درجہ کی قدرت اور ملکہ اس علم و ہنر میں پیدا کرتا ہے۔

سوم۔ جب وہ کسی علم و ہنر میں غور کرتا ہے اور کسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہے لیکن اُس کی اکتسابی قوتیں اُس سے عاجز آجاتی ہیں اور تنقیح کا رستہ نہیں بتلاتیں مگر دفعتہً اُسکے دل میں ایک بات آجاتی ہے جس کو وہ نہیں جانتا کہ کہاں سے اور کس طرح آئی اسطرح کی بات کے دل میں آنے کو وحی اور الہام کہتے ہیں کچھ تعجب نہیں کہ اس الہام کی تہ وہی اکتسابی علوم ہوں مگر جبکہ ظاہری طور پر اکتسابی علوم اُسکا ذریعہ نہ تھے اس لئے ہم اُسکو الہام اور وحی کی حد سے خارج نہیں کرتے۔

چہارم۔ ہم انسان میں ایسی حالت پاتے ہیں جسکی بنا اکتسابی علوم پر قایم نہیں ہوسکتی بلکہ

اُس شخص کے نیچر پر قایم ہوتی ہے ایک جاہل شخص کو جو نہ علوم سے واقف ہو نہ عروض کی نہایت عمدہ شاعر پاتے ہیں اَن پڑھ اور بے علم لوگوں نے ایسے دقیق مسائل اخلاق بیان کئے ہیں جنکو حال کی ترقی یافتہ بھی تعجب سے دیکھتے ہیں قدیم زمانہ میں جب علم کی روشنی ذرا بھی نہ چمکی تھی یا بہت تھوڑی چمکی تھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنکو لوگوں نے خدا تک ماننے سے اور یہی نہیں کہ اُنکو ایسا مان لیا تھا بلکہ اُن کے اقوال و مسائل و اصول جو اسوقت دنیا کے پاس موجود ہیں اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے وہ ملنے گئے تھے نعوذ باللہ ویسے ہی ماننے کی لایق بھی تھے بُت پرست مصریوں میں سے بعض کے اقوال الہیات کے مسائل میں ایسے طرح ہیں جنسے زیادہ عمدہ نہیں ہو سکتے ہندوؤں کے ویدوں کے اُن مصنفوں کے اقوال کو دیکھو جہاں اُس جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت اور اُسکے صفات کو بیان کیا ہے موسیٰ نے کس خدا کی جسے اُس مخفی مگر علانیہ ہستی کی ہستی کو ان مختصر لفظوں میں کہ میں وہی ہوں جو ہوں بیان کیا ہے ابراہیم کو دیکھو جسنے بغیر کسی تربیت کے اپنا منہ بتوں کی طرف سے موڑا اور خدا کی طرف پھیرا اور اپنی نطرت سے خدا کو پہچانا دریافت طلب ہے اُس کی فطرت سے آخر میں محمد رسول اللہ کو دیکھو جسنے نہ لات عزے کو مانا نہ تعلیم و تربیت کا لفظ سیکھا نہ سوسائٹی کے قوی اثر کو دیکھا اور دیکھا تو اُس وحدہٗ لاشریک کو دیکھا اس طرح دلمیں پڑنے والی بات کو ہم وحی و الہام کہتے ہیں۔

جواب۔ اِس طولانی تقریر سے کئی امر مستفاد ہوتے ہیں:۔

پہلا امر یہ کہ پہلی دونوں حالتیں اکتسابی ہیں اور اسلئے وہ اُن کے نزدیک الہام و وحی سے خارج ہیں

اِس بیان میں دو باتیں قابل بحث ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ تربیتی حالت اور کانشنس کو ایک بتلاتے ہیں حالانکہ کانشنس ایک طبیعی قوت اور فطری حالت کا نام ہے جسکی تمیز کے ساتھ تعبیر کیجاتی ہے پس اُسکو تربیتی حالت کے ساتھ

جو اکتسابی ہے متحد سمجھنا بظاہر درست نہیں ہے۔

دوم۔ یہ کانشنس کو نیچری وحی والہام سے خارج کرنا اور چہارم کو اُس میں داخل کرنا بھی بظاہر درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ دونوں غیر اکتسابی اور نیچری قوتوں کا نتیجہ ہیں۔

دوسرا امر یہ کہ تیسری حالت نیچری الہام وحی میں داخل ہے۔

اگرچہ فقط نام رکھ لینے میں مناقشہ کرنا زیادہ مفید نہیں ہے لیکن اہل اسلام کسی ایسی بات کو جو ہمارے حضرت کے بعد کسی شخص کے ذہن میں آئے خواہ وہ اکتسابی ہو یا غیر اکتسابی وحی نہیں کہتے پس اسکو وحی کہنا جملہ اہلِ اسلام کے مخالف ہوگا۔

تیسرا امر یہ کہ تعلیم یافتہ شخص کی جب اکتسابی قوتیں عاجز آجاتی ہیں تو جو خیال یکایک اُسکے ذہن میں آتا ہے وہ الہام اور وحی کہلاتا ہے۔

یہ امر بھی کئی وجہوں سے خالی از بحث نہیں ہے۔

اوّل یہ کہ اکتسابی قوتوں کے عاجز آنے کو اُسکی فطری قوتوں کا عاجز آجانا لازم نہیں ہے پس ممکن ہے کہ ایسی صورت میں جو خیال پیدا ہوا ہے وہ کسی فطری قوت کا نتیجہ ہو جیسے خیالی قوت جسکا میدان بقول شخصے[1] کبھی تنگ ہی نہیں ہو سکتا اور وہ روحانی یا جسمانی فطری خواہشوں کے ساتھ آمیزش کرکے ضرور کوئی خیال پیدا کریگی اس لئے دفعۃً اُسکے دل میں کوئی بات آجاتی ہے غلط ہو یا صحیح کچھ نہ کچھ خیال ضرور پیدا ہو جائیگا جسکو وہ نہیں جانتا کہ کہاں سے اور کسطرح آیا۔ یہ صورت تو اُس مسئلہ کی نسبت تنقیح کی صورت نہیں ہے کسی خیال کی پیدائش ہی کا نام تو تنقیح نہیں ہے پس اُس خیال کا صحیح یا باطل ہونا محتمل رہیگا عقل کے نزدیک اُس (خیال) کا صحیح علم اور صحیح حکم ہونا کیونکر ثابت ہو سکتا ہے اس لئے کہ صرف ایک خیال پیدا ہوگیا ہے اور اُسکے مخرج کو وہ نہیں پہچانتا کہ کہاں سے ہے کیوں نہ کہیں کہ اُنہیں

---

[1] اس تقریر کو پادری عماد الدین صاحب نے لکھا ہے جو کسی قدر تغیر کے ساتھ اس مقام پر وارد کی گئی ہے ۱۲

قوائے اکتسابیہ اور فطریہ کا یہ نتیجہ ہے جو عاجز تھیں جب اُس نے فکر پر زور دیا تو ذہن نے اُس خیال کی طرف رسائی پائی اور قوائے اکتسابیہ سے صیقل یافتہ ذہن کی جولانی نے یہ رہبری کی اور شاید کچھ تصدیق یا تکذیب بھی اس خیال کی نسبت اُسکے قوائے اکتسابیہ اور انتظامات فطریہ سے ہوگئی ہو۔ یہ تو معترض صاحب بھی کہتے ہیں کہ "کچھ عجب نہیں کہ کہ اُسکی جڑ بھی وہی اکتسابی علوم ہوں" پس جبکہ یہ خیال قیاس کے بھی مطابق ہو تو کیا ضرور ہے کہ ہم اُسے الہام یا وحی کہیں اکتسابی علوم کا نتیجہ کیوں نہ کہیں پس جبکہ اکتسابی علوم بقول معترض بھی الہام نہیں ہیں تو اُنکا نتیجہ کیونکر الہام ٹھہر گیا کیا صرف اسلئے کہ طبعی تنگ راہ سے وہ نکلا ہے اور بظاہر اکتسابی علوم اُسکا ذریعہ نہ تھے الہام کیلئے مخرج کی تنگی شرط مفروض نہیں ہے مخرج خواہ تنگ ہو یا فراخ صرف منبع اور سرچشمہ کو دیکھنا چاہیئے کہ کہاں سے ہے۔ معترض کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس خیال کا منبع انسانی فطرت ہونا چاہیئے نہ اکتسابی علوم اور اگر اکتسابی علوم ہی اُسکا منبع ہوں تو بھی بظاہر نہ ہوں اور چاہیئے کہ تنگی کی راہ سے وہ خیال نکلے اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ خدا وہ خیال اُسکے دل میں اوپر سے ڈالے بلکہ اُسی کی طبیعت سے وہ پیدا ہو تب وہ الہام فطری کی حد میں داخل ہوگا اگرچہ طبعی ایجاد سے خیالات پیدا ہوتے ہیں لیکن انسان کی طبیعت میں سوت اور تاریکی اور نقصان ہے اور اُسکا دل بڑا فریبی ہے۔ پس جو حالت اُسکی ہوگی ویسی ہی بات اُس سے نکلے گی اس لئے اُسکا وہ فطری الہام نہ تو اُس کی فطری ضرورت کو رفع کریگا نہ دوسروں کی۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ الہام سے وہی تلقین مراد ہوتی ہے جو صحیح اور واقعی ہو اور فطرت انسانی سے جو خیال پیدا ہوتا ہے اُسکا صحیح اور واقعی ہونا ضروری نہیں ہے پس نیچری خیال کا الہام کہنا درست نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اگر ہم ہر ایک فطری خیال اور نیچری گمان کو الہام کہیں تو مختلف خیالات کا الہام ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ ہر ایک انسان کی فطرت یکساں نہیں ہے۔

پس ممکن ہوگا کہ ایک انسان کا فطری خیال دوسرے انسان کے فطری خیال کے مخالف ہو
اور باوجود اسکے دونوں کے خیال الہام میں داخل ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسے لغو خیال کو
کوئی عاقل نہیں مان سکتا۔ پس ضرور ہوا کہ الہام میں وہی اُمور داخل ہوں جنکا منبع
اور سرچشمہ مبدا فیاض ہو جس میں کسی قسم کے نقصان کا شائبہ نہیں ہے اور اس صورت میں
الہام کا انسان کے دل پر باہر سے وارد ہونا لازم ہوگا اور اُسکے منبع کا فطرت انسانی
ہونا باطل قرار پائے گا۔

سوم۔ یہ ممکن ہے کہ اُس خیال کو شیطان نے اُسکے دل میں ڈالدیا ہو پس اُسکو الہام کہنا کب
صحیح ہوگا جس کا خدا کی مرضی کے موافق ہونا ضروری ہے ہاں اصطلاح کے قایم کرلینے کا کوئی
مانع نہیں ہے۔ پس ممکن ہے کہ معترض صاحب ہر ایسے خیال کو الہام کہیں جسکا سبب ان کو
معلوم نہو لیکن اُس سے کوئی معقول نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

چہارم یہ کہ بہت سے اہل علم کے ذہن میں جنکی اکتسابی توتیں عاجز آجاتی ہیں مختلف خیال
پیدا ہوجاتے ہیں پس اگر اُنکے خیالات کا الہام ہونا تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئیگا کہ وہ
سب انبیاء ہوں حالانکہ اُنمیں بعض کا گمراہ اور بیدین ہونا معلوم ہوتا ہے پس ایک خیال کا الہام ہونا
پنجم یہ کہ خیال مذکور کے پیدا ہونے میں کچھ اہل علم ہی کی تخصیص نہیں بلکہ جاہل اور کودن بھی جب
کسی امر کے طے کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو دفعتہً اُسکے ذہن میں بھی کوئی نہ کوئی خیال پیدا ہوتا
ہے پس لازم آتا ہے کہ معترض کے نزدیک شخص مفروض بھی نبی ہو۔ اور اُس کا خیال
الہام میں داخل ہوجائے۔

بہرحال ان تحقیقات کی رو سے جن عجائب و غرائب اُمور کا التزام کرنا پڑتا ہے وہ تحریر میں
نہیں آسکتے پس ایسی تحقیقات پر کونسا عاقل راضی ہوسکتا ہے جسکی بنا پر ایسے دور از کار
اور بیہودہ اُمور کا سامنا کرنا پڑے۔

چوتھا امر یہ کہ جس خیال کی اکتسابی علوم پر بنا نہو بلکہ اُسکی بنا انسان کے نیچر پر قایم ہو

وہ الہام اور وحی ہے۔

یہ امر بھی کئی وجہوں سے خالی از اشکال نہیں ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ اس حالت کے انسان ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم میں موجود ہونی چاہئیں اس لئے کہ کوئی انسان نیچر سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی نیچر ایسا نہیں ہے جسکی وجہ سے ہر ایک شخص میں اس حالت کی فی الجملہ پیدائش نہ ہوتی ہو پس لازم آئیگا کہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم کا ہر ایک انسان نبی ہو اور اُسکی یہ حالت الہام ہو حالانکہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اس عموم کا قائل نہیں ہو سکتا اور اُسکا لغو ہونا ایسا واضح ہے جسکے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ اگر اُن کی عبارت میں انسان سے ہر ایک زمانہ کی خاص خاص قوم کی خاص خاص انسان مراد لئے جائیں تب بھی ہر ایک زمانہ میں ہر ایک کے لئے لا اقل ایک ایک نبی کا موجود ہونا لازم آئیگا جسکا بطلان نہایت واضح ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ اس صورت میں لازم آئیگا کہ ہمارے نبی پر نبوت کا خاتمہ نہو اس لئے کہ حضرت کے زمانہ سے قیامت تک کسی انسان میں نیچر کی حالت مذکورہ کے پیدا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں لیکن ہمارے حضرت کا خاتم الانبیاء ہونا جملہ اہل اسلام کے نزدیک ضروری ہے اور اس مطلب پر قرآن مجید بصراحت دلالت کرتا ہے پس معترض کی یہ تحقیقات بہر حال اُنگاں ہوگی۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس تحقیقات کی بنا پر لازم آئیگا کہ انبیاء کا عدد غیر محصور ہو حالانکہ اُنکا محصور ہونا اور اُن کے سلسلہ کا تا قیامت باقی نہ رہنا معلوم ہے۔

پانچویں وجہ یہ کہ اکتسابی علوم سے جو خیال پیدا ہوتا ہے اُسکا ہر ایک شخص کے نیچری خیال کی کم رتبہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ علماء و حکماء کے ذہن میں جو خیال گذرتا ہے وہ عوام الناس ان پڑھ لوگوں کے خیال سے کہیں زائد معقول اور استوار ہوتا ہے پس معترض کا پہلی قسم کے خیال کو دوسری قسم کے خیال سے کم رتبہ فرض کرنا جیسا کہ اُن کی عبارت سے

سیاق سے معلوم ہوتا ہے علی الاطلاق درست نہ ہوگا۔

ہمارے اس مختصر بیان سے ظاہر ہوگیا کہ جس الہام کی بنا نیچر پر قایم ہوگی وہ ہرگز سچا اور قابل وثوق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ نیچر کا دائرہ خود اسقدر تنگ ہے کہ وہ اپنی تاریکی کے مقررہ حدود سے باہر نہیں جاسکتا اور قسم سوم کی طرح اس سے بھی وہ اغراض حاصل نہیں ہوسکتے جنکی انسان کو اپنی تکمیل میں حاجت ہے اور یہ کہ ان پڑھ اور جاہلوں کا نیچری خیال ایسا بگڑا ہوا اور خراب ہوتا ہے جس سے عقل کو تنفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اسکو الہام و وحی کا درجہ عطا کیا جائے پس ایسی صورت میں ہر ایک شخص کا اپنے بگڑے ہوے نیچر کی اصلاح کے لئے ربانی الہام اور آسمانی وحی کی طرف محتاج ہونا محتاج بیان نہیں ہے جو کسی انسان کے دل پر باہر سے نازل ہوا اور اسکی اور اسکے تابعین کی ہدایت اور دونوں جہان کی خوبی کا سبب قرار پائے۔

پانچواں امر بعض جاہلوں کے نیچری خیالات کا جن میں طبیعت کی موزونی سے شاعری کا ملکہ بہم پہونچتا ہے الہام اور وحی ہونا۔

یہ امر بھی ایسا لغو ہے کہ اسکے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک جاہل شاعر کے نیچری خیالات کو خواہ وہ حق ہوں یا باطل کونسا عاقل وحی و الہام میں داخل کریگا اور اس (جاہل شاعر) کو نبی سمجھیگا۔ قرآن مجید میں شاعروں کی نسبت مذکور ہے کہ:۔

اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۔ پارہ ۱۹ سورۂ شعراء	شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر ایک میدان میں سرگرداں رہتے ہیں۔

پس شاعروں کے نیچری خیالات پر انبیاء علیہم السلام کے ربانی احکام اور نصائح کا قیاس کرنا اور ان کے آسمانی الہام کو شاعروں کی طبع آزمائی کے ساتھ خلط ملط کرنا کسی عاقل کا کام نہیں ہے۔

چھٹا امر یہ کہ اخلاق کے دقیق مسائل کو بعض ان پڑھ اور بے علم لوگوں کے بیان کرنیکا وحی و الہام ہونا

اس خیال کی رکاکت بھی ایسی واضح ہے کہ اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ بعض ان پڑھ اور بے علم لوگوں نے اپنی نیچری قوت کے زور سے اخلاق کے دقیق مسائل کو

بیان کیا ہے تب بھی اُن کے اس بیان کا الہام اور وحی ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ اُنہے
مسائل اخلاق کے بیان میں کسی قسم کی غلطی نہ ہوئی ہو اور اُسکے مثل پر دوسرے لوگ قادر نہوں۔ لیکن
مقتضائے نیچر میں دوسرے لوگوں کا عاجز فرض کرنا درست نہیں ہے جس کی وجہ ظاہر ہے
اور اگر اُس (بیان) کے مثل سے دوسروں کا عاجز ہونا فرض کیا جائے تو اُس (بیان) کا نیچری ہونا
کس طرح مسلم نہیں ہے پس ضرور ہے کہ ایسا بیان اُنہیں حضرات سے صادر ہو جو الہام ربانی اور
وحی آسمانی کے ساتھ موئد ہوں اور اپنے منجانب اللہ مقرر ہونے پر ایسے شواہد رکھتے ہوں جو اُنکی
صداقت پر دلالت کرتے ہوں جیسے آیات و معجزات اور خوارق عادت کا صادر ہونا مراد ہے جیسا کہ
سابق کی تقریروں میں مذکور ہو چکا ہے۔

ساتواں امر یہ کہ قدیم زمانہ میں بعض ایسے لوگوں کے نیچری خیالات کا جو خدا ملنے گئے تھے
الہام و وحی ہونا اور یہ کہ اُن کے اقوال و مسائل و اُصول جو اسوقت دنیا کے پاس موجود ہیں اُنسے
ثابت ہوتا ہے کہ جیسے وہ مانے گئے تھے ویسے ہی ماننے کے لائق بھی تھے۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہندوں کے اوتار کو نبی اور اُن کے اُصول و اقوال کو الہام و وحی
سمجھتے ہیں۔ اس تقریر کے جواب میں پادری عمادالدین صاحب کی وہ تقریر کافی ہے جس کو
اُنہوں نے اپنے بعض رسائل میں وارد کیا ہے۔ ہم اس مقام پر اُسی کا خلاصہ کا وارد کرنا
کافی سمجھتے ہیں۔ پادری صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

بیشک زمانہ قدیم میں بڑی تاریکی دنیا میں تھی ایسا نہ کہ صرف بعض آدمی خدا مانے گئے تھے بلکہ
بعض حیوانات اور بعض درخت اور بعض ستاروں کو بھی جاہلوں نے خدا مانا تھا۔ پس اگر اُن
لوگوں میں نیچری ملکہ کی کوئی خصوصیت تھی جو خدا ملنے گئے تھے تو پرستش کرنے والوں کو
اُن حیوانات و نباتات اور ستاروں میں بھی کچھ نیچری خصوصیات نظر آئے ہونگے۔
ہم کیوں نہ کہیں کہ کچھ نیچری خصوصیت نہ اُن اشخاص میں تھی نہ اُن اشیاء میں
مگر سارا فتور اُس نادانی کا تھا جو اُس زمانہ کے لوگوں میں تھی۔ اگرچہ

وہ فطرت میں ہمارے مساوی تھے مگر وہ اپنی فطرت میں سے کچھ روشنی نہ نکال سکے۔
معترض صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص جنکے اصول وغیرہ مان لئے گئے متعدد ہونگے اور یہ درست ہے اس لئے کہ کئی شخص اوتار ملنے گئے تھے جنکو اکثر ناظرین جانتے ہیں۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ جن اَن پڑھ اور بے علم لوگوں کے اصول و اقوال مانے گئے وہ دراصل وہی حضرات تھے جو ربانی الہام کے ساتھ موید تھے اُنکو پڑھنے اور علم کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اُن حضرات کے علاوہ وہ کسی اَن پڑھ اور بے علم کے قواعد کا عقلائے روزگار کے نزدیک قابلِ تسلیم ہونا ہرگز ماننے کے لایق نہیں ہے۔ البتہ جاہلوں کا ذکر نہیں ہے وہ ہر ایک زمانہ میں ایک قسم کے لوگوں کی آؤ بھگت اور اُنکی باتوں کو مانتے رہتے ہیں بہرحال کسی شخص کے نیچری اُصول و اقوال کا عقلا کے نزدیک مسلم ہونا قابل تسلیم نہیں ہے معترض صاحب اپنے اس مطلب کی کسی دلیل کو قایم کرتے تو اُسپر نظر کیجاتی۔

آٹھواں امر یہ کہ الٰہیات میں بُت پرست مصریوں کے اقوال کا وحی و الہام ہونا۔
اِس قول پر بے ساختہ ہنسی آتی ہے اس لئے کہ خود ہی تو اُن مصری لوگوں کو بت پرست بتلاتے ہیں پھر اُنہیں کے اقوال کا الٰہیات میں وحی و الہام ہونا بتاتے ہیں۔ کوئی پوچھے کہ جب وہ بت پرست تھے تو الٰہیات میں اُنکا بیان الہام کیونکر ہو سکتا ہے یہ تو اسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ توحید کا طریقہ باطل سمجھا جائے اور بت پرستی کا طریقہ صحیح سمجھا جائے مگر مسلمان شخص جو توحید خدا کا قائل ہو وہ بُت پرستی کو محض گمراہی سمجھنے پر مجبور ہے۔ وہ اُسکو الہام کیونکر کہہ سکتا ہے کیا یہ کھلی ہوئی بات نہیں ہے کہ جو بت پرست ہوگا الٰہیات میں اُسکے خیالات نہایت خراب ہونگے۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ اُن بُت پرستوں کے اقوال ایسے ملتے ہیں جن سے زیادہ عمدہ نہیں ہو سکتے۔
بہرحال اس مقام سے معترض صاحب کے اصلی خیال کا اندازہ ہر ایک شخص کر سکتا ہے کہ وہ

بت پرستی کو الہام کہتے ہیں۔

اِس مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ بت پرستی اُن لوگوں کا فعل تھا جنکو معترض صاحب الہامی نہیں کہتے ہاں اُنکے اقوال کو الہامی کہتے ہیں اور اس میں کیا مضائقہ ہے کہ کسی شخص کا فعل گمراہی ہو اور اُسی کا قول الہامی قرار دیا جائے۔ لیکن اس تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ بت پرستوں کا قول بھی وحی والہام ہوتا ہے جسپر کوئی عاقل راضی نہیں ہو سکتا مگر معترض صاحب کو اختیار ہے کہ وہ ہر ایک شخص کے نیچری خیال کا نام وحی والہام رکھیں یہ اُنکی خاص اصطلاح ہوگی جس میں ہم کو مناقشہ کرنیکی حاجت نہیں ہے مگر یہ نام اُسی قبیل کا ہوگا جیسے زنگی کا نام کافور۔ اس صورت میں ہم اُن کے بھی ہر ایک خیال کو وحی والہام کہنے کے لئے تیار ہیں اگر اس میں اُن کے لئے کچھ فائدہ فرض کیا جائے۔

نواں امر یہ کہ بیدوں کے مصنفوں کے اُن اقوال کا جو اُس جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت اور اُسکے صفات کے بارہ میں صادر ہوئے ہیں داخل وحی والہام ہونا۔

یہ خیال بھی کئی وجہوں سے عجیب وغریب ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ ہندوؤں کے ویدوں میں سورج اور آگ اور پانی کی پرستش کا بیان بھی موجود ہے جس سے اُنکا راہ صواب سے بعید ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر اُن کے بعض اقوال کا صحیح ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو اُنکے بیانات کو وحی والہام کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ کیا الہامی شخص کی یہی شان ہے کہ وہ آتش پرستی اور آفتاب پرستی کے محاسن اور اُنکے طریقے بیان کرے۔

دوسری وجہ یہ کہ خود جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت میں بھی جو بیان ہے وہ کسیطرح قبول کرنیکے لائق نہیں ہے اور کہا ہے کہ خدا دو طرح کا ہے[1] ایک نرگن جس میں کوئی صفت نہیں ہے دوسرا سرگن جسمیں صفتیں موجود ہیں خدا کو نرگن اُسوقت کہتے ہیں جب تمام مخلوقات فنا ہوتی ہے اور اُسکی حالت کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا

[1] یہ مطالب تحفۃ الہند مصنفہ مولوی شیخ عبید اللہ صاحب میں مرقوم ہیں جنکو انہوں نے مہابھارت وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے ۱۲

اور سرگن اُسوقت ہوتا ہے جب وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے جبکہ مایا[ع۱] کو جنبش ہوتی ہے تو
تین گن پیدا ہوتے ہیں اول رج (قوت شہوت) دوم ست (قوت عقلی) سوم تم
(قوت سبعیہ) رج کی جہت سے برہما کی صورت میں ظاہر ہوکر مخلوق کو پیدا کرتا ہے ست
کی جہت سے بشن کی صورت میں ظاہر ہوکر مخلوق کو پرورش کرتا ہے تم کی جہت سے مہادیو کی
صورت میں ظاہر ہوکر مخلوق کو فنا کرتا ہے اور یہ تینوں دیوتا ہیں جو ایک خدا کے تین خدا ہیں او
تمام جہان پر حاکم ہیں اتری مُنی کی جورو کی عفت میں رخنہ ڈالنے کے لئے یہ تینوں اُس کے
دروازے پر بھیک مانگنے گئے جبکہ وہ بھیک دینے کو باہر آئی تو کہنے لگے کہ ہم بھوکے نہیں
جو ایسی بھیک لینگے ہاں اگر ہم کو اپنے گھر میں لیجا کر اور برہنہ ہوکر ہم کو کھانا کھلا دے تو ہم ٹھہر
رہینگے وہ اپنے شوہر سے اجازت لیکر ان تینوں کو اپنے گھر لیگئی جب کھانا کھانے لگے تو اُس عورت
اُنکے بدن پر پانی چھڑکا یہ تینوں چھوٹے لڑکے بن گئے سانکھ خدا کا قول[ع۲] ہے کہ میں ایک ہوں او
بہت ہو جاؤنگا انکے یہاں آگ اُسکا سر ہے اور چاند اور سورج اُسکی آنکھیں ہیں اور جہات عش
اُس کے مکان ہیں اور وید اُسکی بولی ہے۔ ہوا اُسکی سانس ہے۔ جہان اُسکی عقل ہے زمین اُسکے
پیر ہیں اور ساری خلقت کا جیو وہی ہے۔ وہی آپ سب کچھ ہے۔ بھلائی اور برائی کا بدلہ دین
اور لینے والا وہ آپ ہی ہے اور آدمیوں اور دیوتاؤں اور ہوم (سوختنی قربانی) اور ذبیحہ میں رہتا ہے
زمین پر ساگ پات ہوکر اوگتا ہے پہاڑوں پر سوتے ہوکر بہتا ہے ہوم اور بلدان کا انگ ہے
تو بھی وہ نہایت پاک اور عظیم ہے۔ وہ سارے جہان کو عین خدا جانتے ہیں اُن کے
نزدیک خدا کا وجود نہیں ہے پس کثرت اور مغائرت کے انکار کا نام اُنہوں نے
وحدت رکھا ہے جو صوفیوں اور نصرانیوں کے مذہب سے ملتا جلتا مذہب ہے۔

[ع۱] بے دانش اور قوت پیدائش کو مایا کہتے ہیں ۱۲

[ع۲] یہ مطلب پادری عماد الدین صاحب کے رسالہ میں مرقوم ہے ۱۲

اب معترض صاحب سے پوچھا جائے کہ کیا اُس جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت اور اُسکے صفات کا ایسا ہی بیان الہام وحی میں داخل ہونے کے قابل ہے - ہندوؤں کے ویدوں اور کتابوںؔ میں اُنکے بزرگان دین کے جو حالات مذکور ہیں اُنسے معلوم ہوتا ہے

ل ان کے دین کا پیشوا برہما ہے اور اُسکو رسول خدا بلکہ خدا جانتے ہیں او زبقول اُنکے اُسی کے چار منہ سے چاروں وید نکلے ہیں اور وید کو کلام الٰہی جانتے ہیں۔ اور باقی تمام شاستروں کو اُنہیں ویدوں سے ماخوذ سمجھتے ہیں چنانچہ برہما اُن سب پیشواؤں کا پیشوا ہے - مہابھارت میں لکھا ہے کہ برہما سارے دیوتاؤں کا استاد ہے مہادیو اُسکے دونوں ابرو سے پیدا ہوا برہما نے پہلے سرستی کو بنایا جو اُسکی بیٹی تھی - بعد ازان کام دیو (شہوت جماع) کو بنایا کام دیو نے برہما سے یہ بر (بخشش) چاہی کہ وہ جسکے دل میں جا گھسے اُسکی عقل جاتی رہے برہما نے اُسکو بر دیا اس کے بعد کام دیو برہما ہی کے دل میں جا گھسا اُسکی عقل رخصت اور شہوت غالب ہوئی اُسنے اپنی بیٹی سرستی سے قصد جماع کیا وہ بسبب شرم کے ایک طرف کو چل گئی - اس طرف برہما کی صورت میں ایک منہ اور ظاہر ہوگیا سرستی کو اُس منہ سے گھورنے لگا - سرستی پیچھے کو ہوگئی اُس طرف بھی ایک منہ اور ظاہر ہوگیا اور نظر بد کرنے لگا - سرستی دوسری طرف کو ہوگئی اودہی حال اُسطرف بھی ہوا - چنانچہ برہما کے چار منہ اُسی وقت سے ہیں جب سرستی نے دیکھا کہ برہما اُسکا پیچھا نہیں چھوڑتا وہاں سے بھاگ چلی وہ اُسکے پیچھے دوڑا سرستی زمین میں غائب ہوکر بھاگنے لگی - جب باہر نکلکر دوڑی وہ بھی اُسکے پیچھے بھاگا غرض اسی طرح سرستی کبھی ظاہر کبھی غائب ہوکر بھاگی مگر اُسنے پیچھا نہ چھوڑا - جب دیوتاؤں میں اس بات کے چرچے ہوے تو مہادیو نے اس گناہ کے بدلے برہما کا اوپر کا ایک سر کاٹ دیا - بعض کہتے ہیں کہ اس گناہ کی شامت سے برہما کی پوجا موقوف ہوئی اور فقط دیوتا پوجے جاتے ہیں نہ برہما بعض کہتے ہیں کہ برہما نے پاربتی مہادیو کی بیوی سے ٹھٹھا کی اس لئے مہادیو نے اُسکا سر کاٹ دیا - کہتے ہیں کہ سرستی نے ندی کی صورت اختیار کی کہ کھتر کی زمین میں تھانیسر کے نیچے کہیں ظاہر اور کہیں زمین میں غائب چلتی ہے سو آجتک اس بات کا نشان موجود ہے اور یہ کہ برہما نے مہادیو کے عضو تناسل کی درازی کی انتہا نہ پائی اور جھوٹوں کہدیا کہ میںنے مہادیو کے لنگ کی مقدار

کہ وہ سب کے سب بیہودہ اور خلاف عقل یا محض خیالی ہیں۔ پس کوئی عاقل آدمی ایسے مطالب کو
وحی والہام کے ساتھ کیونکر تعبیر کر سکتا ہے۔

دسواں امر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان کا جو اُس مخفی مگر علانیہ ہستی کے متعلق ہوا ہے بت پرستوں اور گمراہوں کے خیالات کی طرح نیچری الہام و وحی میں داخل ہونا۔

اس خیال کی رکاکت اور شناعت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے برحق رسول ہیں اور خدا کی طرف سے اُنپر وحی والہام ہوتا تھا۔ خدا نے توارت کو جو آسمانی کتاب ہو نازل کیا تھا لہٰذا اُنکا عام لوگوں پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو۔ اس امر کو ہم بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا اُس مخفی ہستی کے متعلق جو بیان ہوا ہے وہ اُنکی مبارک فطرت کا مقتضا ہو۔ اور یہ کہ حضرت کو اُس مقدس ہستی کے معرفت اُن کی پاک ذہن صفائی اور جودت سے حاصل ہوئی ہو اس لئے کہ ہمارے نزدیک انبیا علیہم السلام کے فطری ملکات بھی عام لوگوں سے بدرجہا ممتاز تھے۔ لکن اُنکے جملہ بیانات کو باقی عوام الناس کیطرح محض نیچری اور فطری الہام و وحی میں داخل کرنا اعلیٰ درجہ کی کھلی ہوئی غلطی ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جملہ بیانات بھی فطری ہوتے تو دوسرے لوگوں کے بیانات کی طرح اُنکے بیانات میں بھی ضرور غلطی اور خطا واقع ہوئی ہوتی۔ اس لئے کہ انسانی فطرت دراصل نہایت تاریک اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵) دریافت کرلی ہو اس جھوٹ کی شامت سے اُنکی پوجا موقوف ہوئی۔ اُن کی بعض تواریخ سے برہما کا فرشتہ بھی معلوم ہوتا ہو۔ اور عقلمند ایسا تھا کہ ایکبار شب کے آنے کو ناپنے لگا جب اُسکی انتہا نہ پائی تو برہما نے جان لیا کہ یہی میرا مالک خالق ہو۔ **الغرض** ہندوؤنکے اُصول اعتقاد ایسے ہی بیہودہ اور خیالی ہیں جسکا جی چاہے رسالہ تحفۃ الہند مصنفہ مولوی عبید اللہ صاحب او تحفہ جبر مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب کی طرف رجوع کرے جس میں جملہ حالات ہندوؤں کی مشہور اور مسلم کتابوں کے حوالے سے لکھے ہوئے ہیں معترض صاحب ایسے ہی خیالات کو وحی والہام میں داخل کیا چاہتے ہیں مومنین باخبر رہیں ۱۲

اور ظلمانی شے ہے اُس سے بدون تعلیم و تعلم جو چیزیں صادر ہوتی ہیں اُن میں غلطی زائد اور اصابت بہت کم ہوتی ہے مگر جبکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ہر ایک بات ہر طرح کی حسن و خوبی پر مشتمل ہے جو بدون تائید ربانی ممکن نہیں تو معلوم ہوا کہ اُن کے جملہ بیانات فطری نہیں ہیں بلکہ آسمانی تائید سے صادر ہوئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب مدعی ہوں کہ ایسے جملہ اُمور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئے محض فطرت کے زور سے صادر ہو سکتے ہیں تو وہ ایسے لوگوں کا نشان دیں جنہوں نے لکھا پڑھا بالکل نہ ہو اور محض اپنی طبیعت کے زور سے گزشتہ اور آئندہ کے اُمور پر مطلع ہو گئے ہوں۔ اور توریت کی طرح اُنہوں نے بھی کوئی حکمت بھری کتاب جس میں گزشتہ اور آئندہ کے صحیح واقعات مرقوم ہوں تالیف یا تصنیف کی ہو۔

گیارھواں امر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خداشناسی کا بمقتضائے فطرت حاصل ہونا

اگرچہ حضرت ابراہیمؑ میں خداشناسی کا بمقتضائے فطرت حاصل ہونا ممکن تھا اِس لئے کہ اُن کی فطرت کا اور دیگر فطرت پر قیاس نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ نے اُنکے لئے جو دماغی قوتیں عطا فرمائی تھیں وہ ہر ایک شخص میں موجود نہیں ہو سکتیں لیکن تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جو خداشناسی حاصل تھی وہ بمقتضائے فطرت نہ تھی بلکہ ربانی الہام و آسمانی تلقین سے حاصل ہوئی تھی چنانچہ خود حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ پارہ ۷ سورۂ انعام	اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہمنے ابراہیم علیہ السلام کو اُنکی قوم پر غالب آنے کے لئے عطا کی تھی۔

ؔلہ لفظ تلک اُسی حجت کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے فاسد اعتقاد کا باطل ہونا ظاہر فرمایا تھا چنانچہ حق تعالیٰ اُسکو قرآن مجید میں اسطرح بیان فرماتا ہے کہ۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ	جب اُنپر رات کی تاریکی چھا گئی تو اُنہوں نے ایک ستارہ دیکھا کہا کیا یہی میرا رب ہے پھر جب وہ غروب ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ غروب ہونے والی چیز کو دوست نہیں رکھتا اور اُنکی

اور اس الہامی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر ستارے قابل پرستش ہوتے تو ان میں تغیر وحرکت جو امکان وحدوث کی علامت ہی موجود نہوتی لکن اُنکا متغیر ومتحرک ہونا اُنکے امکان وحدوث پر دلالت کرتا ہے لہذا وہ پرستش کے قابل نہیں ہیں پس ان کے لئے کبھی ایسے خالق کی ضرورت ہوگی جو امکان وحدوث کے اوصاف سے منزہ ہو۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم نے ان چیزوں کو بطور استفہام انکاری خدا کہا تھا اور اُن چیزوں کے ذکر کرنے پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت کی شرک قوم اُنہیں چیزوں کی پرستش کرتی تھی۔ پس حضرت نے پہلے اُن لوگوں کے معبودوں کا قابل پرستش نہ ہونا ثابت کیا۔ بعد ازاں معبود برحق کے وجود اور اُسکی وحدانیت کو ظاہر فرمایا چنانچہ حق تعالے نے دلیل مذکور کے بعد حضرت ابراہیم کے قول کو اسطرح نقل فرمایا ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ
پارہ ۷ سورہ انعام

میں نے ان چیزوں سے اپنا منہ موڑکر اس معبود برحق کی طرف پھیرا ہے جسنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

بہرحال اس مقام پر یہ خیال کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے مشرک ہوں

(بقیہ صفحہ ۱۷۷) فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ
پارہ ۷ سورہ انعام

ڈوب جانے کو پسند نہیں کرتا پس جبکہ چاند کو روشن دیکھا تو کہنے لگے یہی میرا پروردگار ہے پس وہ غروب ہوگیا تو کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھ کو ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں داخل ہوجاتا۔ پھر جب آفتاب کو روشن دیکھا تو کہنے لگے کہ یہی میرا پروردگار ہے یہ دونوں سے بڑا ہے۔ پس جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے اے میری قوم میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنکو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو ۱۲

بعد از ان خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا ہو بلکہ آپ نے پہلے مشرکین کے عقیدہ کو بطور فرض اپنے کلام میں نقل کیا تھا۔ اس کے بعد اُن کی غلطی کو ثابت کیا جیسا کہ قیاس خلف وغیرہ میں معمول ہے کہ اس میں اپنے دعوے کو اسطرح ثابت کرتے ہیں کہ اول اس کی نقیض کا باطل ہونا ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام سے بھی حجت مذکور کا تعلیم الٰہی حاصل ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیم کو دکھایا کہ بت قابل پرستش نہیں ہیں اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کو بھی دکھاتے رہے پس جبکہ خود قرآن مجید سے اُسکا الہامی ہونا ثابت ہوتا ہے تو اب کونسا مسلمان ہوگا جو اُسکی نیچری اور فطری ہونے پر ایمان لائیگا۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم میں جو فضائل و کمالات مجتمع تھے وہ بدون تائید ربانی کسی فرد بشر میں خود بخود نیچر کے ذریعہ سے جمع نہیں ہو سکتے خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا اَن پڑھ پس جس طرح کہ ان فضائل کا مخرج آسمانی وحی اور ربانی الہام کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی اسی طرح حجت مذکورہ کا مخرج بھی اُسکے سوا کوئی دوسری چیز نہ ہوگی۔

بارھواں امر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبوت کا نیچری ملکہ و فطری قوت سے وحدہ لاشریک کی بلا شک وحدانیت کو تسلیم کرنا جسمیں تعلیم و تربیت یا سوسائٹی کا کوئی اثر نہ تھا۔

یہ تقریر بھی جملہ اہل اسلام کی تصریحات کے مخالف ہے اس لئے کہ ہمارے حضرت کا وحی آسمانی و الہام ربانی کے ساتھ مؤید ہونا اسلام کے ضروری عقیدوں میں داخل ہے اور خود حضرت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى پارہ ۲۷ سورۂ النجم	ترجمہ	اور ہمارا نبی اپنی نفسانی خواہش سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے ہر ایک کلام میں اس وحی کی پابندی کرتا ہے جو اُس پر ہماری طرف سے اُتاری جاتی ہے۔

اسکے علاوہ اگر معترض کو اپنے کلام پر اصرار ہو تو اُنپر لازم ہوگا کہ وہ کسی شخص کا نشان دیں جسنے محض اپنے فطری ملکہ اور نیچری قوت سے قرآن مجید کی سی پُرحکمت اور گذشتہ اور آیندہ کے صحیح واقعات پر مشتمل کتاب تصنیف یا تالیف کی ہو یا کم از کم تربیت و تعلیم کے بارہ میں اُس سے ایسا کلام صادر ہوا ہو جو حضرت کے مکارم اخلاق اور دیگر علوم کی تعلیم کا نمونہ قرار پا سکے۔

اِس مقام سے معترض صاحب کے حسن اعتقاد کا مخفی راز ہر ایک دیندار مسلمان پر ظاہر ہوتا جاتا ہے اور یہ کہ وہ کیسے اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں اور یہ کہ اُنکی نظر میں اسلام کی کیا حقیقت ہے۔ از بسکہ اُنکے ان خیالات کا دین اسلام کے مخالف ہونا نہایت ظاہر و واضح ہے۔ اِس لئے کہ ہمکو اُن کے مقابلہ میں زائد طول کلام کی حاجت نہیں ہے کیا یہ امر بالکل واضح نہیں ہے کہ ہمارے حضرت نے کسی شخص سے تعلیم نہیں پائی ہے اور آپ کے مخصوص القاب میں اُمّی کا داخل ہونا ہر ایک مسلمان کو معلوم ہے اور باوجود اس کے حضرت کی شریعت میں مبدأ اور معاد اور دیگر علوم و فنون کے متعلق صفحۂ روزگار پر جو آثار نمایاں ہیں اُسکا عشر عشیر بھی کسی تعلیم یافتہ حکیم یا نیچری معلم سے صادر نہیں ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان مطالب کی مکمل شرح نبوت خاصہ میں مذکور ہوگی اس مقام پر اسی قدر کافی ہے۔ البتہ اس جگہ اسقدر کہدینا ضروری ہے کہ معترض صاحب موصوف کی مذکورۂ بالا عبارت میں بُت پرستوں اور ملحدوں کے علم لوگوں اور حضرات انبیا و مرسلین علیہم السلام میں کسی قسم کا فرق تجویز نہیں کیا گیا وہ ان سب کو ایک ہی سوسائٹی کے افراد قرار دیتے ہیں جس سے تمام شریعتوں اور آسمانی کتابوں کا انکار لازم آتا ہے

تیسری عبارت۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پڑتی نہیں بلکہ اُچھلتی ہے مگر جبکہ اُس کے اُچھلنے کے اسباب ہم نہیں جانتے تو اُسکو القا کہتے ہیں۔ اگر کچھ اسباب ہوں بھی تو ایسے خفیف ہونگے جنکو مدار اُن عالی الہاموں کا قرار دینا ٹھیک نہیں ہو سکتے کا لیسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اپنی حالت اور دوسروں کی حالت کو بھی دیکھا۔ اور ایک ایسا امر اُن کے دل میں پڑا جس سے اُنھوں نے تعلیمی و تربیتی و سوشیلی اثروں پر غلبہ پایا ہے اُسی دلمیں پڑنے والی شئے کو بھی ہم الہام

وحی کہتے ہیں۔ اگر وحی والہام نہ تھا تو اور کیا تھا جسنے کالون اور لوتھر کے دل کو اُس پرانے
رستے سے پھیرا اور ہمارے ہی زمانہ میں بابو کیشب چندر سین کے دل کو خدائے واحد کیطرف
موڑا اور سوامی دیانند سرستی کے دل کو مورتی پوجن سے پھیرا۔ وحی والہام اُس ہمیشہ ہست
وہستی کا دائمی فیض ہے جو نہ منقطع ہوا ہے نہ ہو گا۔ اگر وہ کسی زمانہ میں کسی سے ہمکلام ہوا ہے
تو وہ اب بھی ہمکلام ہونے کو موجود ہے اگر کسی کو اُسنے اپنا دیدار دکھلایا ہے تو وہ اب بھی
دکھلانیکو حاضر ہے۔ اگر وہ آگ کی صورت یا آدمی کی صورت بنانا جانتا تھا تو اب بھی وہ جانتا ہے
مگر وہ شخص چاہیئے جس سے وہ ہمکلام ہو اور جسکو اپنا دیدار دکھلائے یہ اُنکی نادانی ہے جو ختم
نبوت کو بمعنے انقطاع فیض مبدأ فیاض سمجھتے ہیں اگر ملکۂ وحی والہام کو ایک قوت مثل دیگر قوائے
کے تسلیم کیا جائے جیسے کہ میںنے تسلیم کی ہے تو ضرور ہے کہ وہ بھی قوائے انسانی کی طرح کسی میں
ضعیف اور کسی میں قوی یا کسی میں ناقص اور کسی میں کامل ہو گی۔ پس ہر ایک وحی والہام کو ہم کامل
یا بے نقص نہیں کہتے صرف اُسی کو کامل کہتے ہیں جسکو نیچر نے کامل کیا ہے۔

جواب۔ اس عبارت میں جو مطالب فرض کرکے گئے ہیں اگرچہ اُنکا جواب ہماری گزشتہ تقریروں سے
بخوبی حاصل ہو سکتا ہے لیکن مزید اطمینان کے لئے ہم اُن کی ان عبارتوں سے بھی علٰحدہ
تعرض کرنے کو مناسب جانتے ہیں اُنکی اس عبارت سے بھی کئی امر مستفاد ہوتے ہیں۔

پہلا امر وحی والہام کا اوپر سے نہ آنا بلکہ انسان کے دل سے اُسکا اچھلنا اور جبکہ اُس کے
اسباب معلوم نہوں تو اُسکا القاء کے ساتھ تعبیر کرنا۔

ہم نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں وحی والہام اچھلتا نہیں
بلکہ اوپر سے اُترتا ہے یہی وجہ ہے کہ عام نیچری خیالات سے اُن کے وحی والہام کو پورا امتیاز
حاصل ہوتا ہے اور انسان کی نیچری قوت کے ذریعہ سے وہ مطالب ہرگز منکشف نہیں ہو سکتے
جو آسمانی وحی اور ربانی الہام سے حاصل ہوتے ہیں لیکن اُنکو اسبات کا اختیار ہے کہ وہ بعض
فطری اور نیچری قوت کے خیالات کا وحی والہام یا القاء نام رکھیں جو اُنہیں خود بخود دل میں اچھلے

اور اوپر سے نہیں اُترتے لیکن انبیاء علیہم السلام و دیگر عام لوگوں کے وحی و الہام میں اس معیار کے قائم کرنے کے بعد بھی اُترنے اور اُچھلنے کا فرق موجود رہیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اُنہوں نے جس خیال کا نام القا رکھا ہے وہ فقط نیچری خیال کا وہ تار چڑھاؤ ہے جس میں تاریکی بہت اور روشنی بالکل کم ہوتی ہے اور اسی تاریکی کے دفع کرنیکی غرض سے ربانی ہدایت کے اُترنے کی ضرورت ہوتی ہے معترض کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے نیچری خیال کے اُتار چڑھاؤ کا خود اپنی اصطلاح میں القا نام رکھا ہے اور اہل اسلام اُسکو القا نہیں کہتے۔ پس ایک اصطلاحی امر میں بحث کرنا بے فائدہ ہوگا۔

دوسرا امر۔ اُس دل میں پڑنے والی شئے کا الہام و وحی ہونا جو دوسروں کی حالت کے دیکھنے سے دل میں پڑے اور تعلیمی اور تربیتی اور سوشیلی اثروں پر غلبہ پائے۔

اس امر میں بھی ہم کو بحث کرنیکی ضرورت نہیں ہے بلکہ معترض کی اصطلاح کے موافق ہم بھی دل میں پڑنے والی شئے کو الہام اور وحی کہنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن نبی اور غیر نبی میں اُترنے اور اُچھلنے کا جو فرق ہے وہ ہماری گزشتہ تقریروں سے واضح ہو چکا ہے جسکو اہل اسلام میں سے سب دیندار لوگ خود ہی جانتے ہیں اور وہ دھوکے میں آکر معترض جیسے نیچری ہوشیار لوگوں کو حقیقی انبیاء کے ذیل میں ہرگز شمار نہیں کرسکتے یہ بالکل معلوم امر ہے کہ جس شخص کو دین اسلام کے ضروری عقیدوں پر بھی اطلاع نہ ہو وہ زمرہ انبیاء میں شمار کرنے کے قابل کیونکر ہوسکتا ہے۔

تیسرا امر۔ کالون اور لوتھر کے اُس خیال کا وحی و الہام ہونا جس نے ان کو پرانے رستے سے پھیرا۔

کالون اور لوتھر کو معترض صاحب زمرۂ انبیاء میں اور اُن کے خیال کو وحی الٰہی میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں شخص عیسائی مذہب کے پیرو تھے جنکو اسلام سے کسیوقت بھی تعلق نہ تھا پس ایسے لوگوں کو اگر بعض خیلات کا معقول ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی انکا وہ خیال وحی و الہام میں شمار کرنیکے قابل نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ دونو شخص اسلام کے نزدیک بھی زیادہ سے زیادہ محض دیندار

جان کیلوینؒ کا قول ہے کہ :-

حضرت عیسیٰؑ ابن اللہ نے جسم مادّی اس واسطے قبول کیا کہ لوگوں کو گناہ سے بچائیں اور یہ کہ انسان گناہ کی سرشت کو حضرت آدمؑ سے وراثۃً پاتا ہے حتی کہ بچہ بھی لائق عذاب ہے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ :-

جب تک انسان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص تعلق حاصل نہو اُسوقت تک نجات نہیں مل سکتی اور یہ تعلق روح القدس کی مدد حاصل ہوتا ہے اور روح القدس کی مدد ایمان کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے لہ

جان کیلوین مسئلہ جبر کا بھی قائل تھا - ڈاکٹر جان ولیم کی کتاب کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس کے ترجمہ معرکہ مذہب و سائنس میں مذکور ہے کہ کیلوین نے جب سروٹیس کو زندہ آگ میں جلوا دیا تو وہ اصول جنہوں نے اس وحشیانہ کارروائی پر اُسے آمادہ کیا اصلاح کے سکھائے ہوئے نہ تھے بلکہ کیتھولک نصرانیت سے اُسے ترکہ میں پہونچی تھی اور وہ انکی قید سے اپنے آپ کو پوری طرح آزاد نکر سکا تھا - اسی طرح لوتھرؒ بھی ایک عیسائی مذہب کا شخص ہے اُس نے اپنے مذہب کے بعض بزرگوں کی مخالفت کی ہے یا بقول پادری عماد الدین صاحب کے اُس نے بعض اُن بدعتوں کی اصلاح کی ہے جو اُن کے مذہب کے بعض عوام افراد نے اُسمیں داخل کر دی تھیں - بہر حال لوتھر کا اگر مذہب عیسوی پر مدة العمر قایم رہکر انتقال کرنا بھی فرض کیا جائے تب بھی وہ ہمارے نزدیک قدر و منزلت کی نظر اور وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل نہیں ہو سکتا - چہ جائیکہ وہ زمرۂ انبیاء میں شمار کیا جائے یا اُسکا کوئی خیال وحی و الہام میں داخل کیا جائے لیکن جان ولیم

لہ جان کیلوین کے یہ اقوال حالات انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد چہارم ایڈیشن نہم صفحہ ۲۱۴ وغیرہ میں مکتوب ہیں جان کیلوین ۱۵۰۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۶۴ء میں اُس نے انتقال کیا وہ پکارڈی کا باشندہ تھا۔

لہ لوتھر تھورنجیا واقع جرمنی کا باشندہ تھا ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۵۴۶ء میں انتقال کیا ۱۲ انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۵ صفحہ ۱۱ و ۲۷ - ایڈیشن نہم۔

اور ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب عیسوی کے ماننے والوں کے نزدیک بھی اُسکا خاتمہ بالخیر نہیں ہوا۔

جان ولیم صاحب مذکور کی مشہور کتاب کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس کے ترجمہ معرکہ مذہب و سائنس میں مرقوم ہے کہ :-

مارٹن لوتھر اپنے قسیس بالا دستوں سے جو روما میں بیٹھے بیٹھے تمام دنیا کے عقائد کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے اجتہاد کا پابند نہیں ہوں بائبل کی تاویل تفسیر کے متعلق مجھے بھی آزادی رائے کا وہ حق حاصل ہے جسمیں کوئی شخص دست اندازی نہیں کرسکتا۔ اول رومانی مارٹن لوتھر کو ایک جاہل نافرمانبردار اور جھگڑالو پادری سے زیادہ نہ سمجھا اور اگر انکوڑلیشن کا قابو چلتا تو اُسکی چٹکی بجاتے میں کام تمام کر دیا گیا ہوتا لیکن جنگ جوں جوں طول کھینچتی گئی یہ معلوم ہوتا چلا کہ لوتھر اکیلا نہیں ہے بلکہ اُسکی پشت پر ہزارہا صمیم العزم شخص موجود ہیں جو اسکے قلم کے حملوں کی تائید اپنی تلوار کی ضربوں سے کر رہے ہیں۔ لوتھر کو رومن جس جس طرح سے کوسا ہے اور اُسکے اعمال کی جس جس طرح تضحیک کی گئی ہے وہ اس درجہ ترش و تلخ ہیں کہ سنکر بے اختیار ہنسی آتی ہے مثلاً مقدس نکتہ چینیوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوتھر کا باپ اُسکی ماں کا خاوند نہیں تھا بلکہ ایک خبیث جن تھا جو اُسکی ماں کا آشنا تھا لوتھر دس سال تک ایمان و کفر کے دوگونہ چوگان کی گیند بنا رہا اور آخر میں دہریہ ہوگیا وہ بقائے روح کا منکر تھا شراب اُسکی گھٹی میں پڑی تھی اور اسی لئے اُسنے شراب خواری کی تعریف میں نظمیں تصنیف کیں وہ کتب مقدسہ کی توہین کرتا تھا خصوصاً حضرت موسیٰ کی شان میں کلمات اہانت آمیز استعمال کرنے کا عادی تھا جو وعظ کرتا تھا اسکی ایک لفظ کو بھی دل میں سچ نہ سمجھتا تھا۔ سینٹ جیمس کے خط کی نسبت اسکا یہ قول تھا کہ اسکی وقعت پرکاہ سے زیادہ نہیں۔ واقعہ اصلاح کنیسہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسکے ظہور کا باعث ستاروں کی نحوست ہے لیکن رومن کیتھولک پادریوں کی زبان پر باوجود اُسکی نحوست کے

جو اصلاح کی ذمہ دار قرار دی گئی ہے یہ نادر رسیدہ اور سوقیانہ فقرہ پڑھا ہوا تھا کہ ارسمس نے اصلاح کا انڈا دیا اور لوتھر اُسے سینے بیٹھ گیا "

اور انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا جلد ۲۵ - اڈیشن نہم میں مرقوم ہے کہ :-

لوتھر سنہ ۱۵۰۸ء میں پادری مقرر ہوا اور سنہ ۱۵۱۷ء میں پوپ نے ایک پادری مسمی جان ٹیٹزل کو جرمنی میں اس غرض سے بھیجا کہ لوگوں سے روپیہ لیکر اُنکو گناہ کے عذاب سے معافی عطا کرے اس مسئلہ سے لوتھر نے اختلاف کیا اور یہاں سے اختلاف مذہب شروع ہوا اور یہ کہ اُسنے پوپ کی فضیلت سے انکار کیا اور اُسکے نائب مسیح ہونے کو قبول نہ کیا۔

اور جان ولیم ڈاکٹر ڈریپر اپنی کتاب مذکور کے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

ازمنۂ وسطیٰ میں فرانسکن طبقہ کے متقی و پرہیزگار راہب اس خیال کو صاف طور سے ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکے کہ روم کے ایک قیصر کی ان تریزیوں نے سچے مذہب کا خاتمہ کر دیا غرض اصلاح کیلئے ہوا ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا بارود بچھائی جا چکی تھی صرف بتی دکھانیکی دیر تھی لوتھر کی آواز بلند ہوتی تھی کہ شمالی یورپ نے فیصلہ کر لیا کہ مریم عذرا کی پرستش اولیاء سے مراد طلبی - معجزہ نمائی - مریضوں کا کراماتی علاج - ارتکاب گناہ کے لئے تذکرۃ الغفران کی خرید و فروخت اور پاپا کی مٹھی گرم کرنے کے لئے باقی تمام ان اعمال سئیہ کا جو عیسائیت سے منسوب کر دیئے گئے تھے لیکن اُس سے حقیقت میں تعلق نہ رکھتے تھے یکقلم خاتمہ کر دیا جائے۔

کیتھولک مذہب کو یکایک ایسی طاقت ہونیکی حیثیت سے جسکی غایت فلاح و ترقی انسان تھی اپنے اس دعوے میں کہ اُسکا طرز عمل معلل بتائید آسمانی ہے صاف ناکامی ہوئی۔

اور ڈاکٹر صاحب موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :-

جب ہم پروٹسٹنٹ اور سائنس کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مصالحت نہ صرف ممکن ہے بلکہ آسانی سے ہو سکتی ہے بشرطیکہ پروٹسٹنٹ کلیسا کو اُس اصول پر عمل کرنیکی توفیق ہو جو اُسکو لوتھر سے ترکہ میں ملا ہے اور جسے کئی سال کی جنگ و جدل

موسس و مرصوص کر دیا ہے۔

چوتھا امر بابو کیشب چندر سین کے دل کا خدائے واحد کی طرف مڑنا اور اُسکا داخل الہام ہونا

اگرچہ معترض صاحب کو بابو صاحب موصوف کے ایسے خیال کے داخل الہام سمجھنے یا صحیح قایم کرنیکا اختیار حاصل ہے لیکن اگر ہم اُنکے اس خیال کا صحیح ہونا بھی تسلیم کرلیں تب بھی اُس کا زمرۂ انبیاء میں منسلک ہونا معقول نہ ہوگا اس لئے کہ اگر بابو صاحب موصوف پہلے بت پرستی کا اعتقاد رکھتے تھے بعد ازاں اُنہوں نے اپنے خیال سے عدول کیا اور اسلامی عقیدوں کو تسلیم نہیں کیا تو انکا اہل اسلام کے نزدیک قابل مدح ہونا نہایت واضح ہے پس اُنکے کسی ایک خیال کا اچھا ہو جانا اُنکے نبی ہونے اور خیال مذکور کے الہام ہونیکو مقتضی نہ ہوگا اور اگر فرض کیا جائے کہ بابو صاحب نے اپنے قدیم مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام کی حقیقت کا اقرار کیا تھا تب بھی اول امر میں بت پرست ہونا اُنکے نبی ہونے اور خیال مذکور کے الہام نہ ہونے کو کافی ہوگا۔

حالانکہ اگر کوئی شخص اوّل امر سے حقیقت اسلام کا قائل ہو لیکن وہ وحی آسمانی اور الہام ربانی کے ساتھ مؤید نہ ہو تب بھی وہ اہل اسلام کے نزدیک نبی نہیں ہو سکتا پس جو شخص کہ فقط آخر وقت میں حقیقت اسلام قائل ہو وہ زمرۂ انبیاء میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے۔

پانچواں امر۔ مورتی پوجن سے سوامی دیانند سرستی کے دل کے پھر جانیکا وحی و الہام میں داخل ہونا

معترض صاحب کا یہ کلام بھی اُنکی گذشتہ تقریروں کے مثل ہے جسمیں زائد کلام کرنیکی احتیاج نہیں ہے۔

اس مقام پر مہاراج دیانند سرستی کی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش سے بعض مطالب کا نہایت اختصار کے ساتھ نقل کر دینا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلا مطلب حق تعالیٰ کا عاجز و مجبور ہونا چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۳۵[1] پر مذکور ہے۔

---

[1] یہ مطلب [illegible] مصنفہ بابو گوپال صاحب سپرنٹنڈنٹ سب ڈویژنل افسر پنشن خوار دولت انگلشیہ (جلد ۱) میں مرقوم ہے ۱۲

سوال - ایشور سرو شکتی مان (قادر مطلق) ہے یا نہیں۔
جواب - ہے لیکن جس طرح تم لفظ سرو شکتی مان (قادر مطلق) کے معنی سمجھتے ہو اُس طرح نہیں ہے خلاف قانون قدرت یا جو چاہے کر نہیں سکتا۔

دوسرا مطلب - خدا کا گولر کی طرح مجسم ہونا چنانچہ کتاب مذکور کے کلاس ۱ صفحہ ۱۳ کی آخر سطر میں مرقوم ہے کہ جس طرح گولر کے پھل میں کیڑے پیدا اور فنا ہوتے ہیں اُسی طرح پرمیشر۔

تیسرا مطلب - خدا کا عورت کے رحم اور مرد کی مقعد میں موجود ہونا۔ چنانچہ کتاب مذکور میں مرقوم ہے کہ خدا ہر خلا اور نشیب و فراز میں محیط اور سب کو سہارا دے رہا ہے حتیٰ کہ عورت کے رحم اور مرد کی مقعد میں موجود ہے تا

چوتھا مطلب - بیوہ عورت کو نکاح کرنیکا جائز نہ ہونا اور بیاہتا عورت کا اولاد کے لئے کسی اجنبی مرد سے تعلق کرنیکا جائز ہونا جسکو نیوگ کہتے ہیں چنانچہ کتاب مذکور کے کلاس ۴ صفحہ ۵۴ الغایت ۱۵۷ میں جو عبارت مذکور ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک دفعہ کنوارے مرد اور کنواری عورت کی شادی ہو چکے اور اتفاق سے اُن دونوں میں سے ایک مر جائے تو اُسوقت میں مرد خواہ عورت کو دوسری شادی کرنا ناجائز ہے لیکن بغرض پیدا کرنے اولاد کے نیوگ ہو سکتا ہے۔ ایک عورت دس مرد کے اور ایک مرد دس عورت سے نیوگ کر سکتا ہے لیکن انکا تعلق مثل زن و شوہر کے نہ ہے بلکہ آشنائی خفیہ رہے بوقت مجامعت یکجا ہوں اور بعدہٗ عورت و مرد علٰحدہ علٰحدہ رہیں اس طرح گویا کوئی تعلق باہمی نہیں ہے۔

پانچواں مطلب - بہت سے راجاؤں کا نیوگ سے پیدا ہونا۔ چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے بڑے بڑے چکرورتی راجہ اور بڑے بڑے مہاتما اسی نیوگ سے پیدا ہوئے۔ بہر حال اس قسم کے مطالب اُنکی کتاب میں بہت سے مذکور ہوئے ہیں۔ اگر ایسے ہی بیہودہ خیالات کا نام وحی الہام ہے اور ایسا ہی شخص نبی ہونے کے قابل ہے تو معترض صاحب انکو شوق سے نبی اور انکے خیالات کو

سلہ اس جگہ آشنائی کے معنی فعل ناجائز کے ہوں گے ۱۲

وحی والہام کہیں لیکن کوئی عاقل آدمی ایسی باتوں کو کسی فضیلت میں داخل نہیں کرسکتا ہے نہ

چھٹا امر سید فیاض کے دائمی فیض کا کبھی منقطع نہ ہونا۔

معترض کی یہ بات ہمارے نزدیک بھی درست ہے کہ خداوند عالم کا فیض کبھی منقطع نہیں ہوگا لیکن کیا اس دائمی فیض کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر کس و ناکس کو نبوت کا مرتبہ عطا کرتا رہیگا اگر ایسا ہی فرض کیا جائے تو لازم آئیگا کہ ہر فرد بشر نبی ہو ورنہ اُسکے فیض کا منقطع ہونا لازم آئیگا بہرحال اس خیال کی بنا پر بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں جنپر کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی راضی نہیں ہوسکتا۔

اوّل ہر ایک شخص کا نبی ہونا اور اُسکے ہر ایک خیال کا وحی والہام ہونا جیسا کہ ابھی مذکور ہوا۔

دوم۔ قیامت کے اعتقاد کا باطل ہونا ورنہ اُسکے فیض کا منقطع ہونا لازم آئیگا۔

ہاں معترض صاحب کی طرف سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ قیامت میں بھی ہر ایک شخص نبی رہیگا اور اُس کے خیالات وحی والہام میں داخل رہینگے مگر اُسکے نزدیک اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اُسکے نزدیک معاد جسمانی کا قائل ہونا صحیح نہیں ہے اب فقط نفس انسانی میں کلام ختم ہوگا اُس میں جو کچھ کہ فطرت و نیچر کا مقتضی ہوگا وہ محفوظ رہے گا۔

سوم۔ آسمانی وحی والہام کا بے حقیقت ہونا جسپر معترض صاحب کے کلام کی بنا قایم ہوئی ہے۔

چہارم۔ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اشخاص کا یکساں ہونا اور ان انبیاء میں خصوصیت کا موجود نہ ہونا جو امر سوم کا لازمی نتیجہ ہے۔

پنجم۔ کافر و مؤمن کا مساوی ہونا اور دین اسلام کے لئے باقی مذہبوں پر کسی مزیت کا حاصل نہ ہونا۔

ششم۔ ہمارے حضرت کے خاتم الانبیاء ہونے کے اعتقاد کا باطل ہونا ورنہ خدائی فیض کا منقطع ہونا لازم آئے گا جس کا عنقریب تذکرہ ہوگا۔

الغرض یہ کلام نہایت معنی خیز ہے ایسے حضرات ناظرین غور کریں اس مقام پر ایک پادری صاحب نے اس انوکھے اور پر مغز کلام سے تعرض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

یہاں ایک بڑا مغالطہ ہے اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ الہام حقیقی اور بات ہے اور خدا کا دائمی فیض

اور چیز ہے معترض صاحب دونوں کو ایک ہی چیز بتلاتے ہیں تاکہ غلط قیاس سے اپنا مطلب ثابت
کریں حقیقی الہام ایک خاص فضل الٰہی ہے جو زیادہ تر متعلق ہے اور اُس الٰہی بے تبدیل مرضی کی
بیان سے جسپر انسان کی ابدی زندگی موقوف ہے اور دائمی فیض عام الٰہی بخششوں کا نام ہے
جو ہر قسم کے نعمت کو شامل ہے اور جب وہ یعنی دائمی فیض بصورت خاص نجات کے بارہ میں
کسی پر ظاہر ہوتا ہے تو اُسکے دل کو اس خاص فضل پر مائل کرتا ہے جو حقیقی الہام سے ظاہر ہوا ہے
و جو والہام جو حقیقی ہے وہ تو منقطع ہو گیا۔ اور ضرور ہے کہ منقطع ہو جائے کیونکہ حقیقی الہام نام ہے
الٰہی کی تبدیل مرضی ظاہر ... کا۔ پس جب اُسکی وہ مرضی ظاہر ہو چکی تو خود بخود وہ حقیقی الہام منقطع ہو چکا۔
ہاں اگر وہ اس کی مرضی ... بدلتی رہتی ہے تو چاہیے کہ حقیقی الہام بھی ہمیشہ ہوتے رہیں یہ دکھلانے کو
کہ کل وہ مرضی تھی آج یہ مرضی ہے اس صورت میں الہام منقطع نہیں ہو سکتا پر وہ اطاعت کی
قابل بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ اُسکے وعدہ اور وعید اور اُسکی راہیں سب بے بھروسہ ہو جاتی ہیں اور پھر
الہام سے لا حاصل ٹھہرتا ہے دائمی فیض جو عام بخششوں کو شامل ہے وہ منقطع نہیں ہوا ہے اور
ضرور ہے کہ منقطع نہ ہو اگر وہ کسی آدمی پر خاص مرضی شریف کے بارہ میں ظاہر ہو تو بھی ہو سکتا ہے
کہ اُسکے دل کو اُسنے تبدیل مرضی الٰہی پر جو الہام سے ظاہر ہو چکی ہے استحکام بخشے تب وہ الہام نہ ہوگا
لیکن حقیقی الہام کی راہوں کے استحکام کی برکت ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ ہم فیض دائمی کو اور
حقیقی الہام کو ایک چیز سمجھیں وہ دو چیزیں ہیں ایک منقطع دوسرا غیر منقطع البتہ ایسے نیچری
خیالات جو الٰہی مرضی اور نا دیدنی جہاں اور نامعلوم خدا کی نسبت آدمی کے اندر سے اُٹھتے
رہتے ہیں اور خدا کی مرضی ظاہر شدہ کے مطیع نہیں ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اُٹھتے اور گرتے پڑتے
رہتے ہیں اور ہر شخص میں اُسکی حالت طبعی اور تکمیلی کی مناسبت پر ہوا کرتے ہیں وہ منقطع نہیں ہو سکتے
جب تک کہ جہان بدل نہ جائے۔ لیکن نہ وہ الہام ہے نہ دائمی فیض ہے مگر گڑبڑی ہمارے طبیعت
انسانی کا فتور ہے یا جسمانی خواہشوں اور عقلی خیالوں اور الہامی کتابوں کے خیالوں اور انسانی غرضوں
کے جھگڑوں کا شور ہے۔

ساتواں امر - خداوند عالم عز اسمہٗ کا اب بھی ہمکلام ہونے کے لئے موجود ہونا۔

یہ تقریر بھی مسلمانوں کے عقیدہ اور قرآن و حدیث کے بالکل مخالف ہے جبکہ ہمارے حضرتؐ پر نبوت کا خاتمہ ہوگیا تو اب وہ کس طرح کسی سے ہمکلام ہو سکتا ہے حقیقی وحی و الہام کا منقطع سمجھنا دین اسلام میں مانی ہوئی بات ہے۔ قیامت تک ہر ایک شخص کی فلاح اسی امر میں منحصر ہے کہ وہ شریعتِ اسلام کے احکام کی متابعت کرے مگر اُس کے فیض کو وحی و الہام کہنا معترض صاحب کی محض اصطلاح ہو سکتی ہے ورنہ کسی عاقل کے نزدیک اس فیض کو وحی و الہام یا خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے۔

افسوس ہے کہ معترض صاحب موصوف مدعی اسلام ہو کر جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کریں اور ہر ایک کس و ناکس کو تا قیامت اُنکا ہم پلہ اور مساوی قرار دیں اور حق تعالیٰ کے دائمی فیض کو اس لغو و بیہودہ امر میں محدود کریں کہ قیامت تک انبیاء پیدا ہوتے رہینگے اور اُنسے ہمکلام ہوتا رہیگا
اِس مقام پر بھی ایک پادری[1] صاحب کے کلام کا نقل کر دینا قرین مصلحت ہے جس میں اُنہوں نے اِس تقریر کا جواب تحریر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ :-

اب وہ کسطرح کی ہمکلامی کے لئے موجود ہے آیا اسی طرح جس طرح قدرت کے ساتھ اُنسے موسیٰ کی باتیں کیں اُس ہمکلامی کے تو کچھ خاص اسباب تھے کیا وہ اسباب اب بھی موجود ہیں کہ وہ ہمکلام ہو اب بھی موجود ہو۔ البتہ دوسری طرح ہمکلام ہونیکو موجود ہے اسنے اپنی ساری مرضی کو نبیوں کے وسیلہ بدلائل و براہین ظاہر کر دیا ہے اب کچھ ضرور نہیں کہ ایسے عالی اہتمام کے ساتھ جو سابق زمانہ میں گذرا وہ ظاہر ہو کر قدرتیں ظاہر کرے اور دنیا کی حدود ملک اور قیامت تک ہر ہر منکر کے نزدیک وہی صورت لیکر دوڑے جو فرعون کے سامنے ظاہر کی تھی اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ کیا یہی ایک نیچری قانون نہ ہو جائیگا۔

[1] پادری عماد الدین صاحب جنکا تذکرہ ہو چکا ہے ۱۲

ہاں اس ظاہر شدہ مرضی کا فہم اور اسپر قیام کی برکت اور دلوں میں ظاہر شدہ مرضی کا انکشاف، جو وہ اپنے بندوں کو بخشتا ہے یہ اُسکی ہمکلامی اسوقت خاص بندوں سے ہوگئی ہے اور اسی طرح کی ہمکلامی کی اب ضرورت ہے۔ یہ بات ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر خدا سے آسمان اور زمین کبھی پیدا ہوگیا ہے تو چاہیئے کہ وہ اب بھی پیدا کرکے دکھلا دے ورنہ ہم ایمان نہ لائینگے کہ وہ خالق ہے۔

آٹھواں امر خدا کا اب بھی اپنے دیدار دکھلانے کو حاضر ہونا۔

یہ امر بہت ظاہر ہے کہ خدا کی رویت محال ہے اِس لئے کہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے اُسکو کسی شخص نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے اور جو لوگ کہ خدا کی رویت کو تجویز بھی کرتے ہیں تو وہ آخرت میں تجویز کرتے ہیں اب اگر فرض کر لیا جائے کہ خداوند عالم کو کسی نبی نے دیکھا ہے تو اُس زمانہ میں جبکہ ہمارے نبی پر نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے اِس کی رویت کو تجویز کرنا جملہ اہل اسلام کے نزدیک باطل ہوگا پس اِس زمانہ میں خدا کے دیدار کو تجویز کرنا کسی تقدیر پر بھی درست نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ معترض صاحب نبوت کو ہر زمانہ میں تجویز کرتے ہیں اور اسکے خاص فیض کو منقطع نہیں سمجھتے اِس لئے وہ اِس زمانہ میں بھی خدا کے دیدار کو تجویز کرتے ہیں۔

نواں امر۔ خدا کا آگ یا آدمی کی صورت بننے کا ممکن ہونا۔

تمام اہل اسلام کے نزدیک خدا پر تغیر یا حلول کا تجویز کرنا جائز نہیں ہے البتہ صوفیہ اور ہنود اور مسیحیوں کے نزدیک خدا پر یہ چیزیں تجویز کیجاتی ہیں جسکی بطلان پر بہت سی دلیلیں قایم ہو چکی ہیں۔ بہرحال آگ و پانی کا آدمی وغیرہ کی صورت میں خدا کے درآنیکو تجویز کرنا ایک بیہودہ اور نیچری خیال ہے۔

دسواں امر ختم نبوت کو بمعنے انقطاع فیض مبدأ فیاض سمجھنے والے کا نادان ہونا۔

یہ خیال جملہ اہل ملت کے مخالف ہے اس لئے کہ ختم نبوت پر اہل اسلام اور دیگر اہل ملت کا اتفاق ہے یہودی اسکو حضرت موسیٰ پر اور عیسائی حضرت عیسیٰ پر اور اہل اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ پر نبوت کو ختم جانتے ہیں اور اس خاص فیض کے ہمیشہ باقی رہنے کو کوئی شخص بھی تجویز نہیں کرتا پادری عماد الدین صاحب لکھتے ہیں اور وہ بالکل صحیح لکھتے ہیں :-

وہ اپنے اس بیان میں ضرور ختم نبوت کا انکار دکھلاتے ہیں پر محمدیوں کے خوف سے اپنے اس مطلب کو ایک عام مضمون میں جو فیض سبد رفیاض کا مفہوم ہے لپیٹ کر ناظرین کو مغالطہ دیتے ہیں

گیارھواں امر۔ ملکۂ وحی والہام کا کسی میں ضعیف اور کسی میں قوی کسی میں ناقص اور کسی میں کامل ہونا۔ از بسکہ معترض صاحب کے نزدیک ملکۂ نبوت بھی مثل دیگر قوائے انسانی کے فرض کیا گیا ہے اس لئے انکا یہ کلام انکے من گھڑت اُصول کی بنا پر صحیح ہے لیکن اہل اسلام بلکہ تمام اہل ملت کے نزدیک وحی والہام سے وہ تلقین ربانی مراد ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بعض بندوں کو حکمت ومصلحت مخصوص کرتا ہے جسکو طبیعت انسانی یا نیچر سے کوئی تعلق نہیں البتہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں بھی اپنی حکمت سے بعض انبیاء کو بعض آخر پر فضیلت عطا کی ہے لیکن اُسکے وحی والہام میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہو سکتا آسمانی الہام میں نقص کو وہی شخص تجویز کر سکتا ہے جو خدا کے علم وقدرت کو مکمل نہ سمجھتا ہو۔

بارھواں امر۔ کامل اور بے نقص الہام وہی ہے جسکو نیچر نے کامل کیا ہے۔

اس مطلب کا گزشتہ تقریروں میں تذکرہ ہو چکا ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ نیچر دراصل کسی شخص کو کامل نہیں کر سکتا اور یہ کہ نیچر کے آثار ہمیشہ ناکمل اور نفسانی خواہشوں اور جسمانی لذتوں اور انواع واقسام کی تاریکیوں کے ساتھ آلودہ رہتے ہیں۔ اب اگر نیچر کی راہ سے کسی شخص کا بے نقص اور کامل ہونا فرض کیا جائے تو وہ اضافی ہوگا۔ اور لازم آئیگا کہ ہر ایک نیچری خیالات کا آدمی نبی قرار دیا جائے۔ جسکے قبول کرنے سے معترض کو بظاہر عذر نہوگا۔ معترض نے اپنی ان تقریرات میں جس خیال کو ظاہر کیا ہے وہ جدید نہیں ہیں بلکہ ان خیالات کو انہوں نے ہندوؤں اور آتش پرستوں کے قدیم خیالات سے ماخوذ کر کے اپنی عبارتوں میں خوب رنگا ہے۔ ہم اپنے اس کلام کی تصدیق کیلئے بعض عبارات کو نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ معترض صاحب نے اپنی ان تمام تقریروں میں قدیم بت پرستوں اور آتش پرستوں کی تائید ہی نہیں کی بلکہ اُن کی مردہ خیالات کو از سر نو زندہ کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب

ملل ونحل میں تحریر کیا ہے کہ

والعرب والهند يتقاربان على مذهب واحد واكثر ميلهم الى تقرير خواص الاشياء والحكم باحكام الماهيات والحقائق واستعمال الامور الروحانية والروم والعجم يتقاربان على مذهب واحد واكثر ميلهم الى طبائع الاشياء والحكم باحكام الكيفيات والكميات واستعمال الامور الجسمانية۔

عرب اور ہند کا قریب قریب ایک ہی مذہب ہے یہ لوگ خواص اشیاء کی تقریر کرتے ہیں اور ماہیات وحقائق اشیاء کے لئے آثار مخصوصہ ثابت کرتے ہیں اور اُن میں تغیر کو تجویز نہیں کرتے اور اُمور روحانیہ کو استعمال کرتے ہیں اور روم وعجم بھی قریب قریب ایک مذہب پر مجتمع ہیں وہ طبائع اشیاء کی تقریر کرتے ہیں اور اُنکی کیفیات وکمیات کے موافق حکم لگاتے ہیں اور اُمور جسمانیہ کو استعمال کرتے ہیں۔

اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس طرح عرب اور ہند کے قدیم بت پرست خواص اشیاء اور ماہیات وحقائق کے احکام اور نفسانی ریاضت کی بناء پر حکم کرتے تھے اور اُن میں تغیر کو تجویز کرتے تھے۔ اُسی طرح معترض صاحب بھی قانون فطرت کی تبدیلی کو تجویز نہیں کرتے اور جس طرح کہ روم وعجم کے لامذہب لوگ طبائع اشیاء اور اُنکی کیفیات وکمیات اور جسمانی ریاضت پر جمود کرتے تھے اُسی طرح یہ بھی اُسکے خلاف کو تجویز نہیں کرتے اور جس طرح کہ ہندوستان کے براہمہ آسمانی وحی اور ربانی الہام کو بے حقیقت سمجھتے تھے اسی طرح یہ بھی حقیقی وحی والہام کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ براہمہ نے نبوت کے باطل ہونے پر کئی امروں کے ساتھ استدلال کیا ہے۔ (۱) منجملہ اُن کے انہوں نے بیان کیا ہے کہ۔

ان الذى ياتى به الرسول لايخلو من احد امرين اما ان يكون معقولا واما ان لايكون معقولا فان كان معقولا فقد كفانا العقل التام بادراكه والوصول اليه فاى حاجة لنا الى الرسول وان لم يكن

جن چیزوں کو مدعی نبوت بیان کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہوں گی یا وہ معقول ہوں گی یا معقول نہوں گی۔ پس اگر معقول ہوں گی تو اُن کے سمجھنے میں عقل تام کافی ہوگی اور ہمکو نبی کی طرف حاجت نہوگی۔ اور اگر وہ چیزیں

معقولا اذلا يكون مقبولا اذ
قبول ما ليس معقولا خروج عن حد
الانسانية و دخول في حد البهيمية

معقول نہیں ہیں تو مقبول نہونگی۔ اس لئے کہ غیر معقول
چیز کا قبول کرنا انسان کو انسانیت سے خارج کرتا
اور بہائم کی حد میں داخل کرتا ہے۔

(۳۹) منجملہ اُن کے اُنہوں نے بیان کیا ہے کہ۔

اكبر الكبائر في الرسالة
اتباع رجل هو مثلك في الصورة
والنفس ياكل مما تاكل ويشرب
مما تشرب حتى تكون بالنسبة
اليه كجماد يتصرف فيك رفعا
و وضعا او كحيوان يصرفك
اماما وخلفا او كعبد تتقدم
اليك امرا ونهيا
فاي تميز له عليك واية
فضيلة اوجبت استخدامك
وما دليله على صدق دعواه
فان اغتررتم بمجرد قوله
فلا تميز لقول على قول وان
انحسرتم بحجته ومعجزته فعندنا
من خواص الجواهر والاجسام
ما لا يحصى كثرة
ومن المخبرين عن مغيبات الامور ما

کسی ایسے شخص کا اتباع کرنا بہت بڑا گناہ ہے جو صورت
اور نفس میں تمہارے مثل ہو جو چیز کہ تم کہاتے ہو وہی
چیز وہ بھی کہاتا ہو اور جو چیز کہ تم پیتے ہو وہی چیز وہ بھی پیتا
تا اینکہ تم اُسکی نسبت مثل جمادات کے قرار پاؤ کہ
وہ تم میں اٹھانے اور رکھنے کے ساتھ تصرف کرے
یا تم اسکی نسبت حیوان ہو جاؤ کہ وہ تمکو آگے پیچھے
جدھر چاہے موڑ دے یا تم اسکی نسبت غلام ہو جاؤ
کہ وہ تم پر حکمرانی کرے اور اپنی امر و نہی کو تم سے متعلق
کرے پر اسکو تم پر کس قسم کا امتیاز حاصل ہے یا اُسکے لئے
کونسی ایسی فضیلت حاصل ہے جسکی وجہ سے وہ تم کو اپنا
خادم بنالے اور اُس کے سچے ہونے پر کونسی دلیل ہے
پس اگر تم محض اُسی کے قول پر فریفتہ ہو جاؤ تو محض
ایک قول کو دوسرے قول سے تمیز نہیں ہو سکتی اور اگر
تم اُس کی حجت اور معجزہ کی وجہ سے فریفتہ ہوتے ہو تو
ہمارے نزدیک جواہر و اجسام کے ایسے خواص ثابت
ہیں جنکا حصر نہیں ہو سکتا۔
اسی طرح غیب کے اُمور کی خبر دینے والے بھی اُنہی لوگوں

من لا یساوی خبرہ۔ } موجود ہیں جنکی خبر سے اُسکی خبر برابری نہیں کرسکتی۔

بہرحال - معترض صاحب نے اسلامی دنیا میں اپنا جو تازہ خیال ظاہر کیا ہے وہ براہمہ ہند کا پُرانا اور قدیمی خیال ہے اُن کے نزدیک آسمانی الہام کوئی چیز نہ تھا بلکہ انسان کی شائستگی کی محض نیچری کمالات پر بنا تھی اس زمانہ میں معترض صاحب موصوف نے اُنکے دیرینہ عقیدہ میں تازہ روح پھونکی ہے۔

تنبیہ - بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ پر وحی نازل نہ ہوتی تھی لہذا نزول وحی کا خصائص نبوت میں داخل کرنا خالی از اشکال نہ ہوگا چنانچہ تفسیر علی بن ابراہیم سے ایک طولانی حدیث کے ضمن میں یہ مطلب منقول ہوا ہے جسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔

فقلت لابی جعفرؑ کم مکث موسیٰ
فانما عن امتہ حتی ردہ اللہ علیہا
قال ثلثۃ ایام فقلت کان اخا موسیٰ
لابیہ وامہ فقال نعم اما
تسمع اللہ یقول یابن ام لا تاخذ
بلحیتی ولا براسے فقلت
فایہما کان اکبر سنا
قال ھارون فقلت وکان
الوحی ینزل علیہما قال الوحی
ینزل علے موسی و موسی
یوحیہ الے ھارون
فقلت لہ اخبرنی عن القضاء والامر
والنھی کان ذلک الیہما قال موسیٰ

راوی کہتا ہے کہ مینے حضرت امام محمد باقرؑ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی امت سے کس قدر زمانہ تک غائب رہے حضرت نے ارشاد فرمایا تین دن۔ میں نے عرض کیا کیا حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے اعیانی بھائی تھے ارشاد فرمایا ہاں کیا تمنے اس آیہ کو نہیں سُنا جس میں حضرت ہارون کا یہ قول منقول ہوا ہے۔ کہ اے فرزند مادر تم میری ڈاڑھی اور سر کو نہ پکڑو،، میں نے عرض کیا کہ ان دونوں بزرگواروں میں بڑے بھائی کون تھے حضرت نے ارشاد فرمایا ہارون۔ میں نے عرض کیا کہ آیا وحی ان دونوں پر نازل ہوتی تھی ارشاد فرمایا کہ وحی حضرت موسیٰ پر نازل ہوتی تھی اور حضرت موسیٰ اُسپر حضرت ہارون کو مطلع کردیا کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ آیا احکام قضا وامر ونہی کا ان دونوں بزرگواروں سے تعلق تھا یا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ

الذی یناجی ربہ ویکتب العلم ویقضی بین بنی اسرائیل وھارون یخلفہ اذا غاب عن قومہ للمناجاۃ الخ۔	اپنے پروردگار سے مناجات کرتے تھے اور آسمانی علم کو لکھتے تھے اور بنی اسرائیل میں فیصلہ کرتے تھے اور حضرت ہارون اونکے غائب ہونے کے وقت ان کی قوم پر خلیفہ رہتے تھے۔

پس اس روایت سے متوہم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون پر وحی نازل نہ ہوتی تھی بلکہ وہ وحی حضرت موسیٰ پر نازل ہوتی تھی اور حضرت موسیٰ اُسکے مضمون کو حضرت ہارون سے بیان کر دیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کے لیئے لازم نہیں ہے کہ اُسپر وحی بھی نازل ہوتی ہو اور اس توہم کا جواب یہ ہے کہ روایت مذکورہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت ہارون پر مطلقاً وحی نازل نہوتی تھی بلکہ روایت مذکورہ میں حضرت ہارون پر وحی کے نازل نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شریعت حضرت موسیٰؑ سے جو احکام متعلق تھے وہ حضرت ہارون پر بذریعہ وحی نہ آتے تھے بلکہ اُن کے متعلق جو وحی آتی تھی وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص تھی اس لئے کہ صاحب شریعت حضرت موسیٰ تھے اور حضرت ہارون اُنکے خلیفہ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں شریعت حضرت موسیٰ کے احکام کا خود انہیں (حضرت موسیٰؑ) پر نازل ہونا موزوں ہے۔ لکن اس سے یہ مطلب ہرگز مستفاد نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہارون پر مطلقاً وحی نازل نہوتی ہو اس لیئے کہ حضرت ہارون پر وحی کا نازل ہونا تمام اہل اسلام بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے یہاں بھی متفق علیہ ہے چنانچہ ثعلبی کی عرائس التیجان میں کو ہے کہ[1]

فلما قرب من مصر اوحی اللہ تعالیٰ الی اخیہ ھارون یبشرہ بقدوم موسیٰ ویخبرہ یجعلہ لموسیٰ وزیرا ورسولا معہ الی فرعون الخ۔	جب حضرت موسیٰ مصر کے قریب ہوئے تو حقتعالیٰ نے انکے بھائی حضرت ہارون پر وحی نازل کی جسمیں اُن کو حضرت موسیٰ کے آنے کی بشارت دی گئی تھی اور یہ کہ حقتعالیٰ نے انکو حضرت موسیٰ کیلئے وزیر اور فرعون کی طرف بھیجنے میں شریک پیغام برقرار دیا ہے

[1] اس عبارت کو علامۂ مجلسی نے عرائس التیجان سے بحار الانوار میں بھی نقل فرمایا ہے ۱۲۔

اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ تفسیر مجمع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فلما اوحی اللہ الی موسیٰ ان یاتی مصر اوحی الی ھارون ان یتلقی موسیٰ فتلقاہ علی مرحلۃ الخ۔

جب حقتعالےٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی کہ وہ مصر تشریف لے آئیں تو حضرت ہارون کی طرف یہ وحی کی کہ وہ حضرت موسیٰ کا استقبال کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک منزل کے فاصلہ پر اُنکا استقبال کیا۔

اور تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام موسیٰ کاظم سے منقول ہے کہ

لما خافت بنو اسرائیل جبابرتہا اوحی اللہ الی موسیٰ و ھارون ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلۃ قال امروا ان یصلوا فی بیوتہم۔

جب بنی اسرائیل اپنے سرکش بادشاہوں سے خوف زدہ ہوئے تو حقتعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی طرف وحی نازل کی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ قرار دو ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے پر مامور ہوئے تھے۔

بہرحال اہل اسلام کے نزدیک نبی پر وحی آسمانی کا نازل ہونا لازم ہے اور یہ کہ وہ (وحی آسمانی) اُس (نبی) کے خصائص میں داخل ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہو سکتا جس پر وحی آسمانی نازل نہ ہوتی ہو اسی طرح کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس پر وہ (وحی آسمانی) نازل نہ ہوئی ہو۔ اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں بھی حضرت ہارون پر وحی کا نازل ہونا بصراحت مرقوم ہے۔ چنانچہ سفر خروج کے باب ۴ کی آیہ ۲۷ سے یہ عبارت منقول ہوئی ہے۔ وخداوند با ہاروں گفت کہ بخصوص استقبال موسیٰ بہ بیابان برو کہ او روانہ شدہ او را در کوہ خدا استقبال نمود او را بوسید۔ اور سفر عدد کی باب ۱۸ کی پہلی آیت سے یہ عبارتیں منقول ہوئی ہیں۔ (۱) وخداوند بہ ہارون فرمود کہ تو

لہ۔ اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں تفسیر علی بن ابراہیم سے نقل کیا ہے۔

عہ۔ اس مقام پر کتب مقدسہ سے جو مطالب منقول ہوئے ہیں انکو فخر الاسلام نے انیس الاعلام میں وارد کیا ہے ۱۲

وپسران آه (٨) وخداوند بہ ہارون فرمود کہ اینک من آه (٢٠) وخداوند بہ ہارون فرمود
کہ میراثے در زمین ایشان نخواہی گرفت آه۔ اِن عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حقتعالیٰ نے
حضرت ہارونؑ پر وحی نازل فرمائی تھی بلکہ اس باب میں اول سے آخر تک حضرت ہارون ہی
مخاطب ہیں اور باب ٢ و ٤ و ١٤ و ١٦ و ١٩ کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقتعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے
وہارون سے چھ جگہ خطاب فرمایا ہے۔ اور سفر خروج (٦) آیہ (١٣) میں یہ عبارت موجود ہے پس خدا ہم
باموسیٰ وہارونؑ متکلم شد و دربارۂ اخراج بنی اسرائیل از زمین مصر پیغامے بایشاں برائے بنی اسرائیل
وبرائے فرعون ملک مصر داد۔ اور مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقتعالیٰ نے حضرت
ہارونؑ پر کبھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اور کبھی تنہا انہیں (حضرت ہارون) پر وحی نازل فرمائی تھی
اور یہ کہ اُن (حضرت ہارون) کو بنی اسرائیل اور فرعون کی طرف اُسی طرح مبعوث فرمایا تھا جس طرح
کہ حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تھا؛ و جس شخص نے توریت کے سفر خروج پر نظر کی ہوگی وہ اس امر
بخوبی مطلع ہوگا کہ فرعون کے مقابلہ میں جو معجزے صادر ہوئے تھے اُن میں سے اکثر
معجزے حضرت ہارون ہی کے دست حق پرست پر صادر ہوئے تھے۔ بہرحال بعض
لہ عیسائی لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت ہارون پر باوجودیکہ نبی تھے پھر بھی اُنپر وحی آسمانی نازل نہیں
ہوتی تھی محض بے معنے ہے اس لئے کہ انکا یہ قول کتب مقدسہ کی آیات مذکورۂ بالا کے
مخالف ہے اور بعض عیسائیونکا اس قول کو اہل اسلام کی طرف منسوب کرنا کسیطرح صحیح نہیں ہے
اس لئے کہ اہل اسلام میں کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو حضرت ہارونؑ پر وحی آسمانی کے نازل
ہونیکا انکار کرتا ہو جسکے بعض شواہد مذکور ہو چکے ہیں۔

یہانتک معترض صاحب کی اُن عبارتوں سے اجمالی تعرض کیا گیا ہے جن کو انہوں نے وحی
والہام کے متعلق ذکر کیا تھا اور یہ کہ اُن دونوں (وحی والہام) سے کیا مراد ہے۔

لہ اس مطلب کو پادری عماد الدین صاحب نے اپنے بعض رسالوں میں شائع کیا ہے ١٢

اب اُنکی اُن عبارتون سے نہایت ہی اختصار کے ساتھ تعرض کرنا مصلحت ہو جنکو اُنہوں نے فرشتون کے متعلق ذکر کیا ہے اور یہ کہ اُس (فرشتہ) سے کیا مراد ہے۔

فرشتہ کے متعلق تقریر

ملک کے معنی ایلچی یا پیغامچی کے ہیں۔ عبرانی۔ یونانی۔ اور فارسی میں جو لفظ ملک کے لئے ہو اُن سب کے معنی بھی ایلچی کے ہین جو خدا کا پیغام نبیون کو پہونچاتا ہے توریت میں بعض جگہ عام ایلچی کے لئے بھی بولا گیا ہے۔

اور بعض جگہ مذہبی پیشواؤن اور ابر اور ہوا اور دبا کے لئے۔ مگر فرشتوں کے وجود کے نسبت لوگون کے عجیب عجیب خیالات ہیں انسان کی یہ ایک طبعی بات ہو کہ جب کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہو جس کو وہ نہیں جانتا تو خواہ نخواہ اُسکے دل میں اس مخلوق کی ایک جسمانی جسم متحیز کا جس کے رہنے کی کوئی جگہ بھی ہو خیال جاتا ہے۔ پھر اُنکے اوصاف پر خیال کرتے کرتے اُن کی ایک صورت جو اُن اوصاف کے مقتضی ہوتی ہے اُس کے خیال میں قرار پاتی ہے۔ اور پھر وہ اس بات کو تو بھول جاتا ہو کہ میں اُس مخلوق کو نہیں جانتا نہ میں نے اُس کو کبھی دیکھا ہے اور یوں جاننے لگتا ہے کہ وہ مخلوق وہی ہے جو میرے خیال میں ہے اور جب وہ خیال لوگوں میں نسل در نسل چلا آتا ہے تو ایسا مستحکم ہو جاتا ہے کہ گویا اُس میں شک وشبہ مطلق ہے ہی نہیں۔ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے اُن کو نوری سمجھکر گورا گورا سفید برف کا رنگ۔ نوری شمع کے مانند باہیں۔ بلور کی سی پنڈلیاں۔ ہیرے کے سے پاؤں۔ ایک خوبصورت انسان کی شکل۔ مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے۔ آسمان اُن کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے۔ آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے اُن کے پر لگائے ہیں کسی کو شاندار اور کسی کو غصہ در غضبناک کسی کو کم شان کا کسی کو صور پھونکتا کسی کو آتشین کوڑے سے مینھ برساتا خیال کیا ہے بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہو تو اُن کیلئے نہ جسم مانا ہو اور نہ اُنکا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے اور اسلیئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں ایک وہ جو فرشتون کے وجود اور اُن کے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قائل ہیں

اور ایک وہ کہ اُن کے متحیز ہونے کے قائل نہیں۔ بعض بت پرست سمجھتے تھے کہ فرشتے سعد و نحس کواکب کی روحیں ہیں۔ مجوسی اور بعض بت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ عالم کی ترکیب نور و ظلمت سے ہے اور نور و ظلمت دونوں موجود حقیقتیں ہیں مگر آپس میں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد نور کے بھی بچے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں مگر نہ اس طرح کہ جیسے انسان اور حیوان جنتے جناتے ہیں بلکہ اس طرح جیسے حکیم سے حکمت اور روشن چیز سے روشنی اور احمق سے حماقت۔ نور کی اولاد تو فرشتے ہیں اور ظلمت کی اولاد شیطان۔ حکماء عقول ہی پر جن کو انہوں نے ثابت تسلیم کیا ہے فرشتہ کا اطلاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرشتے حقیقت موجودہ غیر متحیزہ ہیں اور اُن کی حقیقت نفوس انسانی کی حقیقت سے زیادہ تر قوی ہے اور انسان کی بہ نسبت اُنکو علم بھی زیادہ ہے۔ انہیں سے کچھ تو آسمانوں سے اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ ہمارے بدن سے ہماری روح۔ اور کچھ بجز استغراق کی ذات باری کے کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے۔ اور وہی ملائکہ مقربین ہیں۔ اور بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ اُن کے سوا دو قسمیں اور ہیں اور وہ زمین کے فرشتے ہیں اور دنیا کے امورات کو درست کرتے ہیں جو نیک کام کرنے والے ہیں وہ تو فرشتے ہیں اور جو بد کام کرنے والے ہیں وہ شیطان ہیں۔ یہودی فرشتوں کو آدمی کی صورت پر مجسم مانتے تھے اور اُن کو اجسام حقیقی سمجھتے تھے۔ البتہ ان کے جسم کے مادہ کو مثل انسان کے جسم کے مادہ کے نہیں مانتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ انکا جسم مادہ غلیظ سے مرکب نہیں ہے وہ اپنے تئیں انسانوں کو دکھلا بھی دیتے ہیں اُنسے بات چیت بھی کرتے ہیں انکے ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں اور غائب بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا اُن کے کھانا کھانیکے باب میں کہتے ہیں کہ ظاہر میں کھاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر انسانوں کی خوراک نہیں کھاتے۔ بلکہ انکا کھانا اور کچھ ہے۔ یہودیوں میں جو ایک صدوقی فرقہ تھا وہ فرشتوں کا قائل نہ تھا۔ عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ فرشتے جسم رکھتے ہیں اور مقدس انجیل میں حضرت عیسیٰ کو فرشتوں سے برتر کہا گیا ہے اور بہشتیوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ فرشتوں کی مانند ہوں گے۔ عرب کے بت پرست فرشتوں کو ایک جسم و متحیز چیز سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ کھاتے پیتے نہیں اور نہ کچھ بشری ضرورت اُن کو ہے

وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور زمین پر آتے جاتے ہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان بھی فرشتوں کو زمین پر رہتے چلتے پھرتے دیکھ سکتا ہے اسی خیال سے وہ آنحضرتؐ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ اگر وہ پیغمبر ہیں تو اُنکے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا وہ فرشتوں کو ہوا کی مانند لطیف اجسام سمجھتے ہیں اور مختلف شکلوں میں بن جانے کی اُنھیں قدرت جانتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور پردار ہیں کہ اوڑکر زمین پر اُترتے ہیں اور زمین پر سے اوڑکر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور چیلوں کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں منڈلاتے ہیں۔ غرضکہ تمام اقوام میں فرشتوں کی نسبت انسانی نقائص سے پاک ہونے کا اور ایک اعلیٰ تقدس کا خیال تھا اسی خیال کی وجہ سے نیک اور اچھے آدمی کو بھی مجازاً فرشتہ کہتے تھے جیسے کہ حضرت یوسفؑ کو زلیخا کی سہیلیوں نے کہا ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملك كريم۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح انسان سے فروتر مخلوق کا ایک سلسلہ ہم دیکھتے ہیں اسی طرح انسان سے برتر مخلوق ہونے سے انکار کرنیکی کوئی دلیل نہیں ہے شاید کہ ہو۔ گو وہ کیسی ہی عجیب اور ناقابل یقین ہو مگر ایسے خلقت کے درحقیقت موجود ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت کہ ایسی خلقت ہے نہیں ہے قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

وقالوا لولا انزل عليه ملك ولو انزلنا ملكا لقضي الامر ثم لا ينظرون ولو جعلناه ملكا لجعلناه رجلا وللبسنا عليهم ما يلبسون۔	یعنی کافروں نے کہا کہ کیوں نہیں بھیجا پیغمبر کے ساتھ فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل نہ دیجاتی اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کر کے بھیجتے تو اسکو آدمی ہی بناتے اور بلا شبہ انکو ویسے ہی شبہ میں ڈالتے جیسے کہ اب شبہ میں پڑے ہیں

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھلائی دیسکتے ہیں انکا ظہور بلا شمول مخلوق موجود کے نہیں ہو سکتا لجعلناہ رجلا قید احترازی نہیں ہے اس جگہ انسان بحث میں تھا اس سے لجعلناہ رجلا فرمایا ورنہ اُس سے مراد عام موجود مخلوق ہے۔ ان باریک باتوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ

سمجھنے سے کہ خدا تعالے جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اُنکا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور اُن قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔

پہاڑوں کی صلابت پانی کی رقت۔ درختوں کی قوت نمو۔ برق کی قوت جذب و دفع غرضکہ تمام قویٰ جنسے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملک و ملائکہ ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اور ان دونوں قوتوں کے بے انتہا ذریات ہیں جو ہر ایک قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور اُنکی ذریات اور وہی شیطان اور اُسکی ذریات ہیں۔ بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں۔ فصوص الحکم[۱] میں یہی مسلک اختیار کیا ہے شیخ عارف باللہ موئید الدین ابن محمود المعروف بالجندی[۲] نے جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی کے اور وہ مرید محی الدین بن عربی کے ہیں شرح فصوص الحکم میں فرشتوں کی نسبت بہت بڑی بحث لکھی ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں تمام عالم کو مجموع من حیث المجموع انسان کبیر کہتے ہیں اور انسان کو انسان صغیر مقصود اُنکا اس اصطلاح سے یہ ہے کہ انسان عالم کی ایک فرد ہے۔ اور جسقدر قوے انسان میں ہیں

---

[۱] قال الشیخ رضی اللہ عنہ فی فصوص الحکم وکانت الملائکۃ من بعض قوی تلک الصورۃ التی ھی صورۃ العالم المعبر عنہ فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر ۱۲

[۲] قال الشیخ موئد الدین بن محمود الجندی الذی اخذ الطریق عن الشیخ صدر الدین قونوی وعن ھو الشیخ محی الدین ابن العربی صاحب الفصوص اعلم ان الملائکۃ ھی ارواح القوی القائمۃ بالصور الحسیۃ والارواح النفسیۃ والعقلیۃ القدسیۃ وتسمیتھا ملائکۃ لکونھا روابط وموصلات الاحکام الربانیۃ والآثار الالھیۃ الی العوالم الجسمانیۃ فان الملک فی اللغۃ ھو القوۃ والشدۃ فلما قویت ھذہ الارواح بالامر الربانی وتاییدت واشتدت بھا وقویت النسب الربانیۃ والاسماء الالھیۃ ایضا علی ایقاع احکامھا وآثارھا وایصال انوارھا واظھار ھا سمیت ملائکۃ وھم منقسمون الی علوی روحانی وسفلی طبیعی عنصری

وہ جزئیات ہیں۔ اور جو اسکے کلیات ہیں وہ انسان کبیر ہے اور فرماتے ہیں کہ اُس عالم یعنی انسان کبیر کے جو قوی ہیں اُنہیں میں سے بعض کا نام ملائکہ ہے شیخ[1] رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قوے جنکو ملائکہ کہتے ہیں انسان کبیر یعنی عالم کے لئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لئے قوی ہیں۔ شارح[2] کہتے ہیں کہ دیکھنا اور سُننا اور سونگھنا اور چکھنا اور چھونا جو انسان میں ہے وہ سب انہیں قوائے ملکوتی حسیہ کے ماتحت ہیں اور قوت متخیلہ اور متفکرہ اور حافظہ اور ذاکرہ اور عاقلہ اور ناطقہ انہیں قوائے ملکوتی روحانیہ کے تابع ہیں

(بقیہ حاشیہ) ومثالہ دیوان ففیہم محقون ومنہم مسحون ومنطلق المرادة من الاعمال والاقوال والانفاس الصافون والحافون والعاملون ما قالوہ

[1] قال الشیخ رضی اللہ فکانت الملائکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشاۃ الانسان فکل قوۃ منہا محجوبۃ بنفسہا لا تری افضل من ذاتہا ۱۲

[2] قال الشارح القوی الحسیۃ التی فی نشأۃ الانسان ھی التی تعلقاتہا المحسوسات کالابصار والسماع والشم والذوق واللمس وما تحت ھذہ الکلیات من الانواع والشخصیات واما القوی الروحانیۃ فکالمتخیلۃ والمتفکرۃ والحافظۃ والذاکرۃ والعاقلۃ والناطقۃ وھذہ القوی الکلیات وتشخصیاتہا فی حیطۃ الروح النفسانی ومنشأھا ومجاری تصرفاتہا واحکامہا وآثارہا الدماغ وکالقوی الطبیعیۃ مثل الجاذبۃ والماسکۃ والہاضمۃ والغاذیۃ والمنمیۃ والمربیۃ والمصورۃ وتشخصیاتہا راجعۃ الی الروح الطبیعی وکالعلم والحلم والوقار والحیاۃ والشجاعۃ والعدالۃ والسیاسۃ والتخیرۃ والریاسۃ وغیرھا مما تحتہا من الشخصیات والانواع بالمماثلۃ والمشاکلۃ والمباینۃ والمنافرۃ عائدۃ الی روح الحیوانی والنفسانی وکما ان ھذہ القوی منبثۃ فی اقطار نشأۃ الانسان فکان لکل جنس وصنف ونوع من ھذہ القوی محلا خصیصا بہا ھو محل ظہور احکامہ وآثارہ ومنشأ حقائقہ واسرارہ ولکن حکم جمعیۃ الانسان سار فی الکل بالکل۔

فلذلک العالم الذی ھو الانسان الکبیر فی زعمہم کلیات ھذہ القوی وامہاتہا بخبایا بناتہا وانواعہا وشخصیاتہا منتشرۃ ومنبثۃ فی فضاء السموات والارضین وما بینہما

اور جاذبہ اور ماسکہ اور ہاضمہ اور غاذیہ اور منمیہ اور مربیہ اور مصورہ انہیں قوائے ملکوتی طبیعیہ میں داخل ہیں اور حلم اور علم اور وقار اور سمجھ اور شجاعت اور عدالت اور سیاست اور ریاست انہیں قوائے ملکوتی حیوانیہ میں شامل ہیں اور یہ تمام قوی آسمان اور زمین اور انکی فضا میں پھیلے ہوئے ہیں پس شیخ اور انکے متتبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں ہمارے استنباط اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط میں صرف اتنا فرق ہے کہ شیخ کے نزدیک تمام قوی جو اجسام مرئیہ اور غیر مرئیہ اور اشیاء محسوسہ اور غیر محسوسہ میں ہیں وہ جزئیات ہیں اور جو ان کے کلیات ہیں وہ ملائک ہیں اور یہ جزئیات انکی ذریات شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفہ سے ان جزئیات کے کلیات کو جانا ہوگا مگر چونکہ ہم کو وہ مکاشفہ حاصل نہیں ہے اس لئے ہم انہیں قوی کو جنکو شیخ اور ان کے متتبع ذریات ملائکہ قرار دیتے ہیں ملائکہ کہتے ہیں مطلب ایک ہی صرف لفظوں یا جاننے نہ جاننے کا پھیر ہے۔ شیطان کی نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہمنے کہی ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوت وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے۔ اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ

(وقیصری صفحہ ۳۰۲) وما فوقہما من العوالم وتعینات ھذہ القوی والارواح فی کل حال بما اینا سبہ ویوافقہ علی الکمال الذی یلائمہ ویطابقہ وبہا املاک الامر النازل من حضرۃ الربوبیۃ ۱۲

لہ فی القیصری شرح الفصوص فی ذیل بیان ابلیس۔

قیل ابلیس ھو قوۃ الوھمیۃ الکلیۃ التی فی العالم الکبیر والقوی الوھمیۃ التی فی الاشخاص الانسانیۃ والحیوانیۃ افرادھا لمعارضتہما مع العقل الھادی طریق الحق وفیہ نظر لان نفس المطیعۃ لھا ھی الامارۃ بالسوء والرحم من سدنتہا وتحت حکمہا لانہا من قواھا فہی اولی بذلک کما قال تعالی ونعلم ما یوسوس بہ نفسہ وقال ان النفس لامارۃ بالسوء وقال اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک وقال الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم وھذا لسان النفس ۱۲

وہی ابلیس کی ذریات ہیں۔ مگر شاہ کہتا ہو کہ یہ ٹھیک نہیں بلکہ نفس امارہ جو انسان میں ہے وہی ذریت ابلیس ہے۔ خدا نے بھی فرمایا ہے کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں اُنکو ہم جانتے ہیں اور فرمایا ہے کہ نفس بھی برائی کرنے کو کہتا ہے۔ آنحضرت ؐ نے پھر فرمایا ہے کہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں میں ہے اور آنحضرت ؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔ اور ٹھیک یہی حالت نفس کی ہے غرضکہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قوی کو جو انسان میں ہیں اور جنکو نفس امارہ یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے۔

جواب ۔ مذکورۂ بالا عبارتوں میں جو رائے ظاہر کیگئی ہے اگرچہ اُسکا جواب ہماری گزشتہ تقریروں سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ازبسکہ ان عبارتوں میں فرشتوں اور شیطان کے وجود سے نہایت صراحت کے ساتھ انکار کیا گیا ہے جو عقائد اسلام کے بالکل خلاف ہے اس لئے مذکورۂ بالا عبارتوں سے بروجہ اجمال تعرض کرنا اور اس لئے کے محض مغالطہ ہونے کا ظاہر کرنا قرین مصلحت ہے تاکہ اہل اسلام اپنے صحیح عقیدوں کو دور از کار شکوک و اوہام سے محفوظ رکھیں۔ پس واضح ہو کہ مذکورۂ بالا عبارتوں میں شیطان اور فرشتوں کے موجود مستقل۔ نورانی جسم۔ متحیز اور قابل حرکت و سکون ہونے کے اعتقاد کا محض خیالی ہونا۔ اور اُسپر کسی دلیل کا موجود نہ ہونا مرقوم ہوا ہے۔

اور یہ خیال محض دش ہے اس لئے کہ اگر فرشتوں کا موجود ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو جملہ پیغمبروں کی نبوت و رسالت کا باطل ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ ہر ایک پیغمبر پر وحی آسمانی کا فرشتہ کی معرفت نازل ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اب اگر فرشتہ کے موجود ہونیکا انکار کیا جائیگا تو اس قسم کی وحی آسمانی کے نازل ہونے کا اعتقاد باطل ہو گا۔ جسکو فرشتہ لیکر آیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اسکے بعد کسی پیغمبر کی نبوت و رسالت ثابت نہو گی۔ لیکن پیغمبروں کی نبوت کا ثابت ہونا اہل اسلام بلکہ جملہ اہل ملل کے یہاں مسلم ہے۔ لہذا فرشتہ کے موجود ہونیکا اعتقاد بھی ضروری ہو گا۔ علاوہ ازین فرشتوں کا موجود مستقل۔ نورانی جسم۔ متحیز اور قابل حرکت و سکون ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہے۔ توضیح مطلب کیلئے اس مقام پر بعض ادلہ کا وارد کرنا مصلحت ہے اور وہ کئی ہیں۔

دلیل اوّل - آیات قرآنی اگرچہ فرشتوں کے موجود مستقل اور نورانی جسم اور قابل حرکت ہونے پر قرآن شریف کی جو آیتیں دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں جنمیں سے بعض کا تذکرہ بھی ہوچکا ہے - مگر اس مقام پر صرف بعض آیات کے وارد کرنے پر اکتفا کرنا مناسب ہے جن پر نظر کرنے کے بعد واضح ہوجائیگا کہ کوئی شخص مسلمان ہوکر فرشتوں کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا

پہلی آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (پارہ ۲۵ سورۃ الشوریٰ) } اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد میں اُسکی تنزیہ (و پاکی) کا اظہار کرتے رہتے ہیں زمین میں ہیں اُنکے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں -

اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں علامہ طبرسی[۱] تحریر فرماتے ہیں کہ وہ (فرشتے) ایسی چیزوں سے اپنے خدا کے منزہ ہونے کو ظاہر کرتے ہیں جنکے ساتھ اُسکا موصوف ہونا جائز نہیں ہے - اور اُن چیزوں سے اُسکے برتر ہونے کو بیان کرتے ہیں جو اُسکی ذات اور افعال کے لایق نہیں ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ :-

والملٰئکۃ ومن حول العرش یسبحون بحمد ربھم لا یفترون - } اور فرشتے اور وہ لوگ جو عرش کے گرد ہیں خدا کی حمد میں اُسکی تسبیح کرتے ہیں - اور وہ تھکتے نہیں -

اور زمین میں جو اہل ایمان ہیں اُنکے لئے استغفار کرتے ہیں -

اور امام فخر الدین رازی نے اِس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

ان مخلوقات اللہ نوعان عالم الجسمانیات واعظمھا السموات } مخلوقات الٰہی کی دو قسمیں ہیں - (۱) عالم جسمانی جس میں سب سے بڑی مخلوق آسمان ہیں

---

[۱] علامہ طبرسی کی عین عبارت یہ ہے: ای ینزھونہ عما لا یجوز علیہ فی صفاتہ و یعظمونہ عما لا یلیق بہ فی ذاتہ وافعالہ وروی عن ابی عبداللہ والملائکۃ ومن حول العرش یسبحون بحمد ربھم لا یفترون ویستغفرون لمن فی الارض من المؤمنین ۱۲

(٢) عالم الروحانيات واعظمها الملائكة
فبيّن سبحانه كمال عظمته باستيلاء
هيبته على الجسمانيات
فقال "تكاد السموات يتفطرن
من فوقهن" ثم انتقل الى
ذكر الروحانيات فقال "و
الملائكة يسبحون بحمد ربهم"
والجواهر الروحانية لها تعلقان
تعلق بعالم الجلال والكبرياء وهو
تعلق القبول فان الاضواء الصمدية
اذا اشرقت على الجواهر الروحانية استنارت
جواهرها واشرقت ماهياتها ثم الجواهر
الروحانية اذا استفادت تلك القوى
الربانية قويت بها على الاستيلاء على
عالم الجسمانيات واذا كان كذلك فلها
وجهان وجه الى حضرة الجلال ووجه
الى عالم الاجسام والوجه الاول اشرف
من الثاني اذا عرفت هذا فنقول اما الجهة الاولى هي
الجهة المقدسة العلوية فقد اشتملت على امرين احدهما
التسبيح والثاني التحميد لان التسبيح عبارة عن تنزيه الله تعالى عما
لا ينبغي والتحميد عبارة عن وصفه بكونه معطيا لكل الخيرات

(٢) عالم روحانی جسمیں سب سے بڑی مخلوق فرشتے ہیں
پس حقتعالی نے اولا اپنے کمال عظمت کے اظہار میں
اپنی ہیبت کا تمام جسمانی عالم پر محیط ہونا بیان کیا ہے
چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "قریب ہے کہ تمام آسمان
(اسکی ہیبت سے) اپنے اوپر سے شگافتہ ہو جائیں" بعد ازاں
حق تعالی نے عالم روحانی کی طرف رجوع فرمائی اور ارشاد کیا
"اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد میں اسکی تسبیح (تنزیہ)
کرتے ہیں" اور روحانی جواہر کے لئے دو قسموں کے تعلق ہیں
ایک وہ تعلق ہے جو خدا کے جلال و کبریائی سے وابستہ ہے
پس جبکہ روحانی جواہر پر ربانی انوار اپنی چمک ڈالتے ہیں تو
انکے جواہر نورانی ہو جاتے ہیں اور انکی ماہیتیں چمکنے لگتی
ہیں۔ اور جبکہ روحانی جواہر انوار الہیہ کا استفادہ کرلیتے
ہیں تو انہیں جسمانی عالم پر تسلط پانے کی قوت حاصل
ہو جاتی ہے اور جبکہ ایسا ہوتا ہے تو ان (روحانی جواہر)
میں دو جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک جہت یہ کہ وہ خدا کی
بارگاہ جلال کی طرف متوجہ ہیں اور دوسری جہت یہ کہ
وہ جسمانی عالم کیطرف متوجہ ہیں دوسری جہت سے پہلی جہت اعلی و برتر ہے پس
پہلی جہت دو امر پر حاوی ہے (١) تسبیح (تنزیہ) (٢) تحمید اس لئے
کہ تسبیح سے اسکا ان امور سے منزہ ہونا مراد ہے جو
اسکی ساحت جلال و کبریائی کے لائق نہیں ہیں اور تحمید سے اسکا
ہر ایک خیر و سعادت کے لئے معطی اور فیاض ہونا مراد ہے

وكونه متنزها في ذاته عما لا ينبغي مقدم
بالرتبة على كونه فياضا للخيرات والسعادات
لان وجود الشيء وحصوله في نفسه مقدم على
تاثيره في حصول غيره فلهذا السبب كان
التسبيح مقدما على التحميد ولهذا قال يسبحون بحمد
ربهم اما الجهة الثانية وعلى الجهة لتلك
الارواح الى عالم الجسمانيات فالاشارة اليها
بقوله ويستغفرون لمن في الارض والمراد
منها تاثيراتها في نظم احوال
هذا العالم وحصول الطريق الاصوب فيها-

اور اُسکا اپنی ذات میں ہر ایک نازیبا امر سے
اُسکے معطی خیر وسعادت ہونے پر مقدم ہے۔
کہ شئے کا فی نفسہ موجود ہونا اسبابت پر مقدم
دوسری چیز میں تاثیر کرے اسی وجہ سے تحمید
کو مقدم فرمایا اور ارشاد کیا یسبحون بحمد
اور حقتعالی نے دوسری جہت کی طرف اس آیت
ویستغفرون لمن فی الارض میں اشارہ فرمایا
اور اس (دوسری جہت) سے یہ مراد ہے
عالم کے نظم ونسق میں اُن (روحانی جواہر) کی
اور راہ صواب حاصل ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر فرشتوں کا موجود ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو اُنکا خدا کے لئے تسبیح وتحمید کرنا اور
استغفار کرنا اور اُن کے لئے دو جہتوں کا حاصل ہونا۔ اور اُنکا انوار الٰہیہ سے استفادہ کرنا اور جسمانی عالم
کا درست کرنا وغیرہ محض خیالی قرار پائیگا۔ اور اس صورت میں معاذ اللہ حق تعالی کا دروغگو ہونا لازم آئیگا
نے پر کوئی مسلمان آمادہ نہیں ہوسکتا۔

دوسری آیت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ
حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ
لِلَّذِينَ آمَنُوا ج
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ
شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

وہ فرشتے جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں
فرشتے جو اس (عرش) کے گرد ہیں وہ (سب کے سب)
اپنے پروردگار کی حمد میں تسبیح کرتے ہیں اور
ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے لئے
کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں کہ (اور دعا میں کہتے ہیں)
پروردگار تیری رحمت اور علم ہر ایک چیز کے لئے گنجائش

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ع (پارہ ۲۴ سورۃ المؤمن)

پس تو اُن لوگوں کو بخشدے جنہوں نے توبہ کی ہے۔ اور تیرے راستہ کی پیروی کی ہے اور تو اُنکو دوزخ کی آگ سے بچالے اور اُنکو جنات عدن میں داخل کردے جنکا تو نے اُنسے وعدہ کیا ہے اور اُن لوگوں کو بھی جو اُنکے آباء واجداد اور ازواج اور اولاد میں نیک ہیں تو بڑا زبردست (اور) حکمت والا ہے اور اُنکو گناہوں کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اور جسکو تو نے گناہوں کی بدی سے اُس روز محفوظ رکھا تو اُس پر رحمت فرمائی۔ اور یہ بہت بڑی رستگاری ہے

اس آیۂ شریفہ میں خداوند عالم نے فرشتوں کے لئے کئی امر ثابت فرمائے ہیں۔

(۱) خداوند عالم کے لئے تسبیح کرنا۔
(۲) حقتعالےٰ کے لئے تحمید کرنا۔
(۳) خداوند عالم پر ایمان لانا۔
(۴) مؤمنین کے لئے استغفار کرنا۔
(۵) خداوند عالم کو وسعت رحمت کے ساتھ موصوف کرنا۔
(۶) توبہ کرنے والوں اور راہ خدا کی پیروی کرنے والوں کے لئے استغفار کرنا۔
(۷) اُن کے لئے دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرنا۔
(۸) اُن کے لئے جنات عدن میں داخل کرنے کی دعا کرنا۔
(۹) اُن کے آباء صالحین کے لئے دعا کرنا۔
(۱۰) اُن کی ازواج کے لئے دعا کرنا۔
(۱۱) اُن کی ذریت کے لئے دعا کرنا۔
(۱۲) خداوند عالم کو قہر وحکمت کے ساتھ موصوف کرنا۔
(۱۳) اُن توبہ کرنے والوں اور راہ خدا کی پیروی کرنے والوں کے لئے عذاب سے محفوظ رکھنے کی دعا کرنا۔

(۱۴) خداوند عالم کو رحم کرنے کے ساتھ موصوف کرنا۔

(۱۵) رحمت خدا پر فائز ہونے کو فوز عظیم کہنا۔

پس اگر فرشتوں کا موجود ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو لازم آئے گا کہ حقتعالیٰ نے مذکورۂ بالا اوصاف کے ساتھ محض خیالی مخلوق کو موصوف کیا ہو۔ اور بندوں کو مغالطہ میں ڈالا ہو۔ (نعوذ باللہ من ذلک)۔

تیسری آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ پارہ ۲۴ سورہ الزمر	اور تم فرشتوں کو دیکھوگے کہ وہ عرش کے گرد احاطہ کئے ہوں گے اور اپنے پروردگار کی حمد میں تسبیح کرتے ہونگے۔

علامہ طبرسی اس آیۂ شریفہ کے معنوں میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ومن عجائب امور الاخرة انك ترى الملائكة محدقين بالعرش (من تتاحكه والسدى) يطوفون حوله يسبحون بحمد ربهم اى ينزهون الله تعالى عما لا يليق به ويذكرونه بصفاته التى هو عليها وقيل يحمدون الله تعجيت دخل الموحدون الجنة وقيل ان تسبيحهم فى ذلك الوقت على سبيل التلذذ والتنعم لا على وجه التعبد اذ ليس هناك تكليف وقد عظم الله سبحانه امر القضاء فى الاخرة بنصب العرش وقيام الملائكة حوله معظمين له سبحانه	امور آخرت کی عجیب باتوں میں سے یہ امر بھی ہوگا کہ تم فرشتوں کو عرش کے گرد دیکھوگے کہ وہ اُس (عرش) کا طواف کرتے ہونگے۔ اور ایسی باتوں سے خدا کی منزہ ہونیکا اقرار کرتے ہونگے جو اُسکے لائق نہیں ہیں اور اُسکا اُن اوصاف کے ساتھ ذکر کرتے ہونگے جنکے ساتھ کہ وہ درحقیقت موصوف ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ خدا کی اس بات پر حمد کرینگے کہ موحدلوگ بہشت میں داخل ہوگئے اور بعض نے بیان کیا ہے کہ اُنکی تسبیح اُسوقت بر سبیل تلذذ و تنعم ہوگی اور بر وجہ تعبد نہ ہوگی اسلئے کہ وہاں پر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور حقتعالیٰ نے آخرت میں فیصلہ ہونے کی عظمت کو اسطرح ظاہر فرمایا ہے کہ اُس روز عرش منصوب ہوگا۔ اور فرشتے اُس کے گرد کھڑے ہوں گے۔

و مسبحين كما ان السلطان اذا اراد الجلوس للمظالم قعد على سريره و اقام جنده حوله تعظيماً لامره وان استحال كونه عز وجل على العرش اذ ليس بصفة الجواهر والاجسام والجلوس على العرش من صفات الاجسام

اور خدا کی تعظیم اور اُسکی تسبیح کرتے ہونگے جسطرح کہ جب کوئی بادشاہ فیصلہ کرنے کے لئے اجلاس کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے تخت پر بیٹھتا ہے اور اپنے لشکر کو اپنے گرد کھڑا کر لیتا ہے تاکہ اپنی شان کی عظمت کا اظہار کرے۔ اگرچہ حقتعالیٰ کا عرش پر ہونا محال ہے اسلئے کہ وہ جواہر اجسام کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا اور عرش پر جلوس کرنا اجسام کی صفت ہے

اس آیۂ شریفہ سے فرشتوں کا موجود مستقل ہونا اور جسمانی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عرش کے گرد طواف کرنا اور تسبیح کرنا بغیر اسکے کہ وہ (فرشتے) موجود اور جسمانی ہوں معقول نہیں ہے لیکن اعتراض مذکور کی بنا پر لازم آتا ہے کہ حقتعالیٰ نے طواف کرنے اور تسبیح کرنے کے ساتھ کسی خیالی مخلوق کو موصوف کیا ہو۔ اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا ہو۔

چوتھی آیت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ۔

پارہ ۲۴ — سورہ حم سجدہ

پس وہ لوگ جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اُس کے لئے رات دن (برابر) تسبیح کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ اُن لوگوں سے جو خدا کے پاس ہیں اور رات دن تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں فرشتے مراد ہیں۔

اور یہی مطلب سورہ اعراف میں بھی مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩

پارہ ۹ — سورۃ الاعراف

وہ لوگ جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اُسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور اُسی کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔

علامہ طبرسی اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُن لوگوں سے جو خدا کے پاس ہیں

اور اُنکی عبادت کرتے ہیں فرشتے مراد ہیں اور عبادت میں اُنکے تکبر نہ کرنیکا یہ مطلب ہے کہ وہ باوجود اپنی جلالت قدر کے خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اس بیان کا فائدہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ اُنکی عبادت سے تکبر کروگے تو جن لوگوں کی حالت تم سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے وہ اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے ہیں۔

بہرحال آیۂ مبارکہ سے فرشتوں کا موجود مستقل اور جسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پانچویں آیت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ پارہ ۲۴ سورہ حٰم السجدہ

جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر (اسی اعتقاد پر) مستقیم رہتے ہیں تو اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) تم خوف نہ کرو۔ اور رنجیدہ مت ہو۔ اور تمکو اُس بہشت کی بشارت ہو جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

علامہ طبرسی نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ خداوند عالم کی توحید

لہ علامہ طبرسی کی عین عبارت یہ ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ای وحدوا اللہ تعالی بلسانہم واعترفوا بہ وصدقوا انبیائہ ثم استقاموا ای استمروا علی ان اللہ ربہم وحدہ لم یشرکوا بہ شیئا (عن مجاهد) وقیل معناہ ثم استقاموا علی طاعتہ واداء فرائضہ (عن ابن عباس والحسن وقتادہ وابن زید) وقیل ثم استقاموا فی افعالہم کما استقاموا فی اقوالہم وقیل ثم استقاموا علی ما توجبہ الربوبیۃ من عبادتہ عن ابن مسلم وروی عن انس قال قرء علینا رسول اللہ ھذہ الآیہ ثم قال قد قالہا اناس ثم کفر اکثرہم فمن قالہا حتی یموت فہو ممن استقام علیہا وروی محمد بن الفضل قال سالت ابا الحسن الرضا عن الاستقامۃ فقال ھی واللہ ما انتم علیہ تتنزل علیہم الملائکۃ یعنی عند الموت عن مجاہد والسدی

زبان اور دل سے اقرار کرتے اور اُسکے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں پھر وہ اس پر مستمر رہتے ہیں کہ خدا اُنکا پروردگار ہے۔ اور اُسکے لئے کوئی شریک نہیں ہے یا اُس کی طاعت وراوار فرائض پر مستقیم رہتے ہیں یا اقوال کی طرح اپنے افعال میں بھی مستقیم رہتے ہیں یا اپنے اس اقرار پر وقت مرگ تک استقامت کرتے ہیں یا اپنے اس اقرار کے ساتھ اقرار ولایت پر بھی مستقیم رہتے ہیں تو اُنپر وقت موت فرشتے نازل ہوتے ہیں یا جبکہ وہ اپنی قبروں سے نکلتے ہیں تو وہ (فرشتے) خدا کی طرف سے بشارت لاکر اُنکا استقبال کرتے ہیں یا تین مقاموں پر وہ (فرشتے) اُنکو بشارت دیتے ہیں (۱) وقت موت (۲) قبر میں (۳) وقت بعث اور اُنسے کہتے ہیں کہ تم عذاب خدا کا خوف نہ کرو۔ اور ثواب کے فوت ہوجانے کا رنج نہ کرو یا تم آخرت کی پیش آنے والی باتوں کا خوف نکرو۔ اور اپنے گذشتہ اُمور پر رنجیدہ نہ ہونا۔ اپنے گناہوں پر خوف اور رنج نہ کرو اس لئے کہ خدا اُن کو بخشدیگا اور تمکو اُس بہشت کی بشارت ہو جسکا تم سے پیغمبروں کی زبانی دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۲۱۲) و یروی ذلک عن ابی عبد اللہ وقیل تستقبلہم الملائکۃ اذا خرجوا من قبورہم فی الموقف بالبشارۃ من اللہ عن الحسن وثابت وقتادہ وقیل فی القیامۃ عن الجبائی وابی مسلم وقیل ان البشری تکون فی ثلثۃ مواطن عند الموت و فی القبر وعند البعث عن وکیع بن الجراح الا تخافوا ولا تحزنوا ای یقولون لہم لا تخافوا عقاب اللہ ولا تحزنوا لفوات الثواب وقیل لا تخافوا مما امامکم من امور الآخرۃ ولا تحزنوا علی ما ورائکم وعلی ما خلفتم من اہل و ولد عن عکرمۃ مجاہد وقیل لا تخافوا ولا تحزنوا علی ذنوبکم فانی اغفرہا لکم عن عطاء بن ریاح وقیل ان الخوف یتناول المستقبل والحزن یتناول الماضی فکان المعنی لا تخافوا فیما یستقبل من الاوقات ولا تحزنوا علی ما مضی وھذا نہایۃ المطلوب وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون بہا فی دار الدنیا علی السنۃ الانبیاء ۱۲

اس آیۂ شریفہ میں فرشتوں کا مؤمنین پر نازل ہونا۔ اور اُن (مؤمنین) کو مطمئن کرنا اور بشارت دینا مذکور ہے جسکے لئے اُن (فرشتوں) کا جسمانی مخلوق ہونا لازم ہے۔ ورنہ خداوند عالم کی طرف سے اغرا بالجہل لازم آئیگا جس کا اُسکی مقدس ذات سے صادر ہونا محال ہے۔

چھٹی آیت۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاۗءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝

پارہ ۱۹ سورۃ الفرقان

اور اُن لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جاتے یا اپنے پروردگار کو ہم کیوں نہیں دیکھتے۔ وہ لوگ اپنے نفسوں میں ضرور متکبر ہوگئے ہیں اور اُنہوں نے بہت بڑی سرکشی اختیار کی ہے جس روز کہ وہ فرشتوں کو دیکھینگے تو اُس روز مجرم لوگوں کے لئے بشارت نہیں ہوگی اور وہ یہ کہینگے کہ (ہمارے اور اُنکے مابین) کوئی روک اور آڑ کر دیجائے۔ اور ہم اُنکے اعمال کی طرف متوجہ ہونگے جو اُنہوں نے کیا تھا۔ اور اُنکو خاک کے اُڑتے ہوئے ذرّوں کے مانند کر دینگے۔ اُس روز اہل بہشت کے ٹھہرنے اور سونے کی جگہ نہایت عمدہ ہوگی۔ اور جس روز کہ بادلوں کے ساتھ آسمان شگافتہ ہوگا اور فرشتے نازل ہوں گے تو اُس روز بادشاہی خداوند رحمٰن کے لیے ہوگی۔ اور کافروں پر بہت سخت ہوگا۔

علامہ طبرسی نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کے مطلب کا خلاصہ یہ ہے

اصلہ علامہ طبرسی کی عین عبارت یہ ہے۔ ثم حکی سبحانہ عن حال الکفار بقولہ وقال الذین لا یرجون لقاءنا ای

(بقیہ حاشیہ ص ٢١٤) لقاء جزائنا وهذا عبارة عن انكارهم البعث والمعاد وقيل معناه لا يخافون وهى لغة
تهامة وهذيل يضعون الرجاء موضع الخوف اذا كان معه جحد لان من رجا شيئا خاف فوته فانه
اذا لم يخف كان يقينا ومن خاف شيئا رجا الخلاص منه فوضع احدهما موضع الآخر لولا انزل علينا
الملائكة اى هلا انزل الملائكة ليخبرونا بان محمدا نبى او نرى ربنا فيخبرنا بذلك ويأمرنا باتباعه
وتصديقه قال الجبائى وهذا يدل على انهم كانوا مجسمة فلذلك جوزوا الرؤية على الله ثم اقسم الله
عز اسمه فقال لقد استكبروا بهذا القول فى انفسهم اى طلبوا الكبر والتجبر بغير حق وعتوا بذلك
اى طغوا وعاندوا وعتوا كبيرا اى طغيانا وعنادا عظيما وتمردوا فى رد امر الله تعالى غاية التمرد
ثم اعلم سبحانه ان الوقت الذى يرون فيه الملائكة هو يوم القيمة وان الله تعالى قد حرمهم
البشرى فى ذلك اليوم فقال يوم يرون الملائكة يعنى يوم القيمة لا بشرى يومئذ للمجرمين
اى لا بشارة لهم بالجنة والثواب قال الزجاج والمجرمون الذين اجرموا الذنوب وهم فى هذا
الموضع الذين اجترموا الكفر بالله عز وجل ويقولون حجرا محجورا اى ويقول الملائكة لهم حراما
محرما عليكم سماع البشرى عن قتادة والضحاك وقيل معناه ويقول المجرمون
للملائكة كما كانوا يقولون فى الدنيا اذا لقوا من يخافون منه القتل حجرا محجورا دماءنا
عن مجاهد وابن جريج قال الخليل كان الرجل يرى الرجل الذى يخاف منه القتل فى الجاهلية
فى الاشهر الحرم فيقول حجرا محجورا اى حرام عليك حرمتى فى هذا الشهر فلا يبداه بشر فاذا كان
يوم القيمة راوا الملائكة فقالوا ذلك ظنا منهم انه ينفعهم وقيل معناه يقول الملائكة حراما
محرما ان يدخل الجنة الا من قال لا اله الا الله عن عطاء عن ابن عباس وقيل يقولون
حجرا محجورا عليكم ان تتعوذوا فلا معاذ لكم وقدمنا الى ما عملوا من عمل اى قصدنا وعمدنا
كما فى قول الشاعر وقدم الخوارج الضلال الى عباد ربهم فقالوا ان دماءكم لنا حلال
وفى هذا بلاغة عجيبة لان التقدير قصدنا اليه قصد القادم على ما يكرهه مما لم يكن رآه
قبل فيغيره واراد به العمل الذى عمله الكفار فى الدنيا مما رجوا به النفع والاجر وطلبوا به الثواب

(بقیہ گذشتہ) والبر نحو انصافهم لمن يعاملهم ونصرهم للمظلوم واعتاقهم وصدقاتهم وما كانوا يتقربون به الى الاصنام فجعلناه هباء منثورا وهو الغبار يدخل الكوة فى شعاع الشمس عن الحسن ومجاهد وعكرمه وقيل هو رهج الدواب عن ابن زيد وقيل هو ما تسفيه الرياح وتذريه من التراب عن قتادة وسعيد بن جبير وقيل هو الماء المهراق عن ابن عباس والمنثور المتفرق وهذا مثل والمعنى يذهب اعمالهم باطلا فلا ينتفعون بها من حيث عملوها لغير الله ثم ذكر سبحانه فضل اهل الجنة على اهل النار فقال

اصحب الجنة يومئذ يعنى يوم القيمة خير مستقرا اى افضل منزلا فى الجنة واحسن مقيلا اى موضع قائلة قال الازهرى القيلولة عند العرب الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحر وان لم يكن مع ذلك نوم والدليل على ذلك ان الجنة لا نوم فيها وقال ابن عباس وابن مسعود لا ينتصف النهار من يوم القيمة حتى يقيل اهل الجنة فى الجنة واهل النار فى النار قال البلخى معنى خير واحسن هنا انه خير فى نفسه وحسن فى نفسه لا بمعنى انه افعل من غيره كما فى قوله وهو اهون عليه اى هو هين عليه وكما يقال الله اكبر

لا بمعنى انه اكبر من شئ غيره ويوم تشقق السماء بالغمام عطف على قوله يوم يرون الملئكة تتشقق السماء وعليها غمام كما يقال ركب الامير بسلاحه وخرج بثيابه اى وعليه سلاحه وثيابه عن ابى على الفارسى وقيل تتشقق السماء عن الغمام الابيض عن الفراء وانما تتشقق السماء لنزول الملائكة وهو قوله ونزل الملائكة تنزيلا وقال ابن عباس تتشقق السماء الدنيا فينزل اهلها وهم اكثر ممن فى الارض من الجن والانس ثم تتشقق السماء الثانية فينزل اهلها وهم اكثر ممن فى السماء الدنيا ومن الانس والجن ثم كذلك حتى تتشقق السماء السابعة واهل كل سماء يزيدون على اهل السماء التى قبلها

الملك يومئذ الحق للرحمن اى الملك الذى هو الملك حقا ملك الرحمن يوم القيمة ويزول ملك سائر الملوك فيه وقيل ان الملك ثلاثة اضرب ملك عظمة وهو

جو لوگ ہماری خدا کی ملاقات سے رنجیدہ نہیں ہوتے یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونیکا۔ اور قیامت کے
دن کا انکار کرتے ہیں یا جو لوگ ہماری ملاقات کا خوف نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں
نہیں نازل کئے گئے جو ہمکو محمدؐ کے نبی ہونیکی خبر دیتے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ ہمکو اسبات
کی خبر دیتا اور اُنکی پیروی اور تصدیق کرنے پر مامور کرتا پھر حقتعالیٰ قسم کھا کر بیان فرماتا ہے کہ اُن لوگوں
نے اِس قول میں تکبر کیا ہے اور سرکشی اختیار کی ہے۔ اور حکم خدا کو رد کیا ہے۔ بعدازاں حقتعالیٰ نے
اسوقت کو تبلایا ہے جسمیں کہ وہ فرشتوں کا مشاہدہ کرینگے۔ اور وہ روز قیامت ہے۔ اور حقتعالیٰ نے اُس روز
انکو بشارت سے محروم کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ جس روز (یعنی روز قیامت) کہ وہ فرشتوں کو دیکھینگے
تو اُس روز کافروں کے لئے بہشت اور ثواب کی بشارت نہ ہوگی اور فرشتے کہینگے کہ تمہارے لئے
بہشت کی بشارت ممنوع ہے یا کافر لوگ فرشتوں سے کہینگے کہ ہماری خونریزی ممنوع ہے۔ اور اس
قول کی شرح خلیل بن احمد سے اس طرح منقول ہوئی ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے شہر حرام میں اپنے
قتل کا خوف کرتا تھا تو لفظ حجراً محجوراً کہتا تھا اور مراد یہ ہوتی تھی کہ میری خونریزی کرنا ممنوع ہے۔ پس
قیامت کے روز بھی یہ لوگ فرشتوں سے اپنے کلمہ کا استعمال کرینگے کہ شاید اُن کے لئے یہ کلمہ وہاں
بھی مفید ہو۔ فرشتے کہینگے کہ کسی شخص کا بہشت میں داخل ہونا سوائے اُس شخص کے جو کلمہ توحید (لا الٰہ
الا اللہ) کا قائل ہو حرام ہے۔ یا فرشتے کہینگے کہ تمہارے لئے پناہ دینا ممنوع ہے اور ہم اُن اعمال
کی طرف متوجہ ہونگے جن کو کافروں نے کیا ہوگا۔ اور اُنکو غبار کے باریک ذرے یا چوپاؤں کا غبار یا
وہ گرد بنا دینگے جسکو ہوا اڑاتی ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ ان کے سب اعمال باطل کر دیئے جاینگے پس
وہ اُنہیں اعمال سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہ کرسکینگے اس لئے کہ اُنہوں نے اُن (اعمال) کو غیر خدا کیلئے کیا تھا

(بقیہ گزشتہ) للّٰہ تعالیٰ وحدہ وبطلت دیانۃ وھو تمنیک اللّٰہ تعالیٰ وملک جبریۃ وھو بالغلبۃ وکان
یوماً علی الکافرین عسیراً اعسر علیھم ذلک الیوم لشدتہ ومشقتہ یھون علی المؤمنین کادنی
صلوٰۃ صلوھا فی دار الدنیا وفی ھذا بشارۃ للمؤمنین حیث خص بشدۃ ذلک الیوم الکافرین ۱۲

اِس کے بعد خداوندعالم نے اہل بہشت کی تفضیلت بیان کی ہے کہ اہل بہشت کے رہنے اور آرام کرنے کی جگہ اُس روز نہایت خوب ہوگی۔ اور جس دن کہ آسمان پھٹ جائیگا اور اُسپر بادل ہوگا۔ آسمان پھٹ جائیگا اور اُسمیں سے سفید بادل آتا ہوگا۔ اور آسمان اِس لئے پھٹیگا کہ فرشتے نازل ہوں جسکو حقتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ } اور فرشتے نازل ہوں گے۔

اور ابن عباس کہتے ہیں کہ دنیا کا آسمان پھٹیگا اور اُسکے رہنے والے (فرشتے نازل ہوں گے) اور وہ زمین کے تمام مخلوق (جن و انس) سے زائد ہوں گے۔ پھر دوسرا آسمان پھٹیگا اور اُس کے رہنے والے نازل ہوں گے۔ اور وہ آسمان دنیا کے رہنے والوں اور تمام جن و انس سے زائد ہونگے پھر اسیطرح ہر ایک آسمان کے رہنے والے نازل ہوتے جائینگے تا اینکہ ساتویں آسمان کے رہنے والے نازل ہوں گے۔ اور ہر ایک آسمان کے رہنے والے اُس آسمان کے رہنے والوں سے زائد ہونگے جو اِس کے پہلے تھا۔ اُس روز (قیامت کے دن) حقیقی بادشاہت خدا ہی کے لئے حاصل ہوگی۔ اور باقی تمام بادشاہوں کی سلطنت زائل ہو جائیگی۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بادشاہت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) بادشاہت عظمت جو خداوند عالم کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) بادشاہت دیانت جو خداوند عالم کے عطا فرمانے سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳) بادشاہت جبریت جو غلبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا۔ اور مؤمنین پر وہ دن اُسی طرح آسان ہوگا جسطرح کہ دنیا میں ایک نماز کا پڑھ دینا اُنپر آسان تھا۔ اور اُس میں اہل ایمان کے لئے بشارت ہے اِس لئے کہ حق تعالیٰ نے اس روز کی شدت کو کافروں ہی کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔

اِس آیۂ شریفہ سے علاوہ اس کے کہ فرشتوں کا موجود مستقل اور نورانی جسم اور نازل ہونے کے قابل ہونا ثابت ہوتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا ایسا ہونا کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھا

اور یہ کہ قیامت کے دن اُن کو وہ کافر لوگ بھی دیکھینگے اور یہ کہ وہ (فرشتے) آسمانوں سے اُتر ینگے۔

دلیل دوم۔ وہ احادیث اخبار ہیں جو جناب رسولخداؐ اور اُنکے خلفاء راشدینؑ سے منقول ہوئے ہیں اور وہ بھی بیشمار ہیں۔ اس مقام پر صرف بعض احادیث کے وارد کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔

پہلی حدیث۔ احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداصؐ نے جن چیزوں کے ساتھ کہ مشرکین پر احتجاج (استدلال) کیا تھا منجملہ اُنکے یہ تھا کہ۔

والملك لا تشاهده حواسكم لانه من جنس هذا الهواء لاعيان منه ولو شاهدتموه بان يزداد في قوى ابصاركم لقلتم ليس هذا ملكا بل هذا بشر الخ۔

فرشتہ کو تمہارے حواس مشاہدہ نہیں کرتے اس لئے کہ وہ (فرشتہ) اس ہوا کی مثل ہے جو ظاہر بظاہر محسوس نہیں ہوتا۔ اور اگر تمہاری بینائی اسقدر زائد ہوجائے کہ تم اس (فرشتہ) کا مشاہدہ کرنے لگو تب بھی تم یہی کہوگے کہ یہ فرشتہ نہیں ہے بلکہ وہ بشر ہے۔[1]

دوسری حدیث۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے حالات معراج میں منقول ہے کہ حضرت رسول خداصؐ نے فرمایا۔

وصعد جبرئيل وصعدت معه الى السماء الدنيا وعليها ملك يقال له اسمٰعيل تحته سبعون الف ملك

جبرئیل نے صعود کیا اور مینے بھی اُن کے ساتھ آسمان دنیا کی طرف صعود کیا اُسپر ایک فرشتہ تھا جسکو اسمٰعیل کہتے ہیں اور اُسکی ماتحتی میں ستر ہزار فرشتے تھے جنہیں کہ

[1] اس حدیث شریف کے بعض فقرے جو اصل مطلب سے چنداں تعلق نہ رکھتے تھے یہاں پر نقل نہیں کئے گئے جو بزرگوار جملہ الفاظ پر مطلع ہونا چاہیں وہ اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں ۱۲

تحت كل ملك سبعون الف
ملك حتى دخلت السماء الدنيا فما لقينى
ملك الا ضاحكا مستبشرا حتى لقينى ملك
من الملائكة لم ار خلقا اعظم منه كريه
المنظر ظاهر الغضب فقلت من هذا
يا جبرئيل قال هذا مالك خازن
النار ثم مررت بملك واذا
جميع الدنيا بين ركبتيه واذا بيده
لوح من نور مكتوب فيه كتاب ينظر
فيه لا يلتفت يمينا و لا
شمالا مقبلا عليه كهيئة
الحزين فقلت من هذا
يا جبرئيل فقال هذا
ملك الموت فقال رسول الله
ثم رأيت ملكا جعل الله امره
عجبا نصف جسده النار والنصف
الآخر ثلج فلا النار تذيب الثلج ولا الثلج
يطفى النار وهو ينادى بصوت رفيع
ويقول سبحان الذى كف حر هذه
النار فلا تذيب الثلج وكف برد هذا الثلج
فلا يطفى حر هذه النار

ہر ایک فرشتہ کی ماتحتی میں ستر ہزار فرشتے تھے یہاں تک کہ
میں آسمان دنیا کے اندر گیا پس مجھسے ہر ایک فرشتہ
ہنسی خوشی کے ساتھ ملاقات کرتا تھا یہاں تک کہ مجھے
ایک ایسے کریہ المنظر اور غصہ ور فرشتہ نے ملاقات کی کہ
جس سے بڑی کوئی مخلوق میں نے نہیں دیکھی تھی تو
میں نے جبرئیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ کون
ہے اُنہوں نے بیان کیا کہ یہ مالک خازن نار ہیں
پھر میرا ایک ایسے فرشتہ کے پاس سے گذر ہوا کہ
تمام دنیا اُس کے دونوں گھٹنوں کے درمیان تھی
اور اُسکے ہاتھ میں نور کی ایک لکھی ہوئی تختی تھی جس پر
وہ نظر کرتا جاتا تھا اور داہنے یا بائیں جانب کو نہ
نگرانی کرتا تھا اور اُسی (تختی) کی طرف متوجہ تھا جیسے کوئی
رنجیدہ ہوتا ہے پس میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل
یہ کون ہیں اُنہوں نے بیان کیا کہ یہ ملک الموت ہیں
حضرت رسول خدا فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ایک عجیب
قسم کے فرشتہ کو دیکھا اُسکا آدھا بدن آگ تھا اور
آدھا برف نہ برف کو آگ گداختہ کرتی تھی اور نہ آگ کو
برف بجھاتا تھا اور وہ (فرشتہ) باواز بلند یہ کہتا تھا
کہ وہ پروردگار ہر ایک نقص سے منزہ ہے
جس نے اس آگ کی حرارت کو روکا کہ وہ برف کو گداختہ
نہیں کر سکتی اور اس برف کی برودت کو روکا کہ وہ آگ کو

اللهم يا مؤلف بين الثلج والنار
الف بين قلوب عبادك المؤمنين
فقلت من هذا يا جبرئيل فقال
هذا ملك وكله الله باكناف السماء
واطراف الارضين وهو انصح ملائكة الله
لاهل الارض من عباده المؤمنين
يدعو لهم بما تسمع منذ خلق
ورأيت ملكين ينا ديان في السماء
احدهما يقول اللهم اعط كل منفق
خلفا والآخر يقول اللهم اعط كل
ممسك تلفا ثم مررنا بملائكة
من ملائكة الله عز وجل
خلقهم كيف شاء ووضع
وجوههم كيف شاء ليس
شئ من اطباق اجسادهم
الا هو يسبح الله ويحمده من
كل ناحية باصوات
مختلفة اصواتهم
مرتفعة بالتحميد والبكاء
من خشية الله فسألت
جبرئيل عنهم فقال كما

حرارت کو نہیں بجھا سکتا اے پروردگار اے آگ اور
برف میں اُلفت کے پیدا کرنے والے تو اپنے ایماندار
بندوں کے دلوں میں اُلفت کو پیدا کر دے ۔ پس مینے
پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون ہے اُنہوں نے کہا یہ
ایک فرشتہ ہے جسکو خداوند عالم نے آسمانوں اور
زمینوں کے کناروں پر موکل فرمایا ہے اور یہ (فرشتہ)
اہل زمین کے مومن بندوں کے لئے تمام فرشتوں سے
زائد خیر خواہ ہے یہ جب سے کہ پیدا ہوا ہے اُن کے لئے
دعا کرتا رہتا ہے اور میں نے دو فرشتوں کو دیکھا جو
آسمان میں ندا کرتے تھے اُنمیں سے ایک فرشتہ
کہتا تھا کہ اے پروردگار تو ہر ایک خرچ کرنے والے کو
خلف (بدل) عطا کر اور دوسرا فرشتہ کہتا تھا کہ اے
پروردگار تو ہر ایک بخل کرنے والے کو تلف عطا کر
بعد ازاں ہمارا فرشتگان خدا میں سے بہت سے فرشتوں کے
پاس سے گذر ہوا انکو حقتعالی نے جسطرح چاہا تھا پیدا
کیا تھا اور اُن کے چہروں کو جسطرح چاہا تھا رکھا تھا
اور اُن کے جسموں کے طبقوں میں سے ہر ایک طبقہ
ہر ایک طرف سے مختلف آوازوں میں اُسکی تسبیح
وتحمید کرتا تھا اُن کی آوازیں حمد کرنے اور رونے میں
خوف خدا سے بلند تھیں پس مینے جبرئیل سے پوچھا
کہ یہ کون ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ آپ انکو جیسا دیکھتے

ترى خلقوا ان الملك منهم
الى جنب صاحبه ما كلمه
بكلمة قط فلا رفعوا رؤسهم
الى فوقها ولا خفضوها خوفا
من الله وخشوعا ثم صعدنا الى
السماء الثانية فاذا فيها من الملائكة
وعليهم الخشوع وقد وضع الله
وجوههم كيف شاء ليس منهم
ملك الا يسبح الله ويحمده باصوات
مختلفة وكذا السماء الثالثة
ثم صعدنا الى السماء الرابعة
واذا فيها من الملائكة والخشوع
مثل ما في السموات فبشروني
بالخير لي ولامتي ثم رأيت
ملكا جالسا على سرير تحت
يديه سبعون الف ملك تحت
كل ملك سبعون الف ملك
رسا ق الحديث الى قوله
ثم صعدنا الى السماء السابعة
ورأيت من العجائب التي خلق الله
وصور على ما اراد

دیکھتے ہیں یہ اسی طرح پیدا ہوئے ہیں انمیں سے
کسی فرشتہ نے دوسرے فرشتہ سے جو اُسکے
پہلو میں ہے خوف خدا سے کبھی ایک کلمہ کے ساتھ بھی
کلام نہیں کیا اور نہ اُنہوں نے اپنے سروں کو اوپر کیجانب
بلند کیا اور نہ اُنکو نیچے کی جانب پست کیا پھر ہم نے
دوسرے آسمان کی جانب صعود کیا اُسمیں بھی بہت سے
فرشتے موجود تھے جنپر خضوع وخشوع کے آثار نمایاں تھے
اور حقتعالے نے اُنکے چہروں کو جسطرح چاہا تھا ایسا
کیا تھا اُنمیں کوئی فرشتہ ایسا نہ تھا جو مختلف آوازوں
میں خدا کی تسبیح وتحمید نکرتا ہو اور اسی طرح تیسرے
آسمان کا حال تھا پھر ہم نے چوتھے آسمان کی جانب
صعود کیا اُسمیں بھی بہت سے فرشتے اپنے خضوع
خشوع میں پہلے آسمانوں کے فرشتوں کی مانند تھے
اُنہوں نے میرے لئے اور میری اُمت کے لئے
خیر وخوبی کی بشارت دی پھر میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا
جو ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس کی ماتحتی میں ستر ہزار
فرشتے تھے جنمیں سے ہر ایک فرشتے کی ماتحتی میں ستر ہزار
فرشتے تھے (حضرت نے حدیث کو بیان کرتے تو فرما
کر) پھر ہم ساتویں آسمان کی طرف صعود کیا (حضرت
فرماتے ہیں کہ) میں نے منجملہ اُن عجائب کے جنکو حقتعالے
نے پیدا کیا تھا اور اپنے ارادہ کے موافق اُسکو صورت عطا فرمائی

دیکا رجلاہ فی تخوم الارضین السابعة وراسه عند العرش وهو ملك خلقه الله كما اراد رجلاه فی تخوم الارضین السابعة ثم اقبل مصعدا حتی خرج فی الهواء الی السماء السابعة وانتهی فیها مصعدا حتی انتهی قرنه الی قرب العرش وهو یقول سبحان ربی حیث ما کنت لا تدری این ربك من عظم شانه وله جناحان فی منکبیه اذا نشرهما جاوزا المشرق والمغرب فاذا کان فی السحر نشر جناحیه وخفق بهما وصرخ بالتسبیح یقول سبحان الله الملك القدوس سبحان الله الکبیر المتعال لا اله الا الله الحی القیوم واذا قال ذلك سبحت دیوك الارض کلها وخفقت باجنحتها واخذت بالصراخ فاذا سکت ذلك الدیك فی السماء

ایک مرغ دیکھا جس کے دونوں پاؤں ساتوں زمینوں کی انتہا تک پہونچے ہوئے تھے اور اُسکا سر عرش کے قریب تھا وہ مرغ ایک فرشتہ ہے جسکو خدا نے جسطرح چاہا پیدا کیا ہے اُسکے دونوں پاؤں ساتوں زمینوں کی انتہا تک ہیں پھر وہ صعود کرتا ہوا بڑھا یہانتک کہ وہ ہوا میں ساتویں آسمان تک خارج ہوا اور اُسمیں بھی صعود کرتا ہوا اسقدر بلند ہوا کہ اُسکا سر عرش کے قریب تک پہونچا اور وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار پاک و منزہ ہے تو عظمت شان کی وجہ سے نہیں جان سکتا کہ تیرا پروردگار کہاں ہے اور اُسکے دونوں شانوں میں دو باز و ہیں جبکہ وہ اُنکو پھیلاتا ہے تو وہ مشرق اور مغرب سے تجاوز ہو جاتے ہیں اور سحر کے وقت وہ اپنے دونوں بازوں کو پھیلاتا اور پھڑپھڑاتا ہے اور تسبیح کے ساتھ آواز بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پاک ہے وہ خدا جو بادشاہ ہے اور (ہر ایک) نقص سے منزہ ہے پاک ہے وہ خدا جو بزرگ اور برتر ہے۔ اُس خدا حی وقیوم کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور جبکہ وہ ایسا کہتا ہے تو زمین کے سب مرغ تسبیح کرتے ہیں اور اپنے بازوں کو پھڑپھڑاتے ہیں اور اذان دینی شروع کرتے ہیں اور جبکہ وہ آسمانی مرغ خاموش ہو جاتا ہے

سکت دیوك الارض کلها ولذلك الدیك زغب اخضر وریش ابیض وله زغب اخضر ایضا تحت ریشة الابیض کاشد ہ خضرة رأیتها قط

تو زمین کے سب مرغ بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور اُس (آسمانی مرغ) کے سبز روئیں ہیں اور سفید پر ہیں اور اسی طرح اُس کے لئے سفید پروں کی نیچے بھی شدید رنگ کے سبز رونگٹے ہیں۔

اس حدیث شریف سے فرشتوں کے جسمانی اور عجیب الخلقۃ اور کثیر التعداد ہونے پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کسی بے بصیرت شخص پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

تیسری حدیث ابو مخنف لوط ابن یحیی نے ابو منصور سے اور اُس (ابو منصور) نے زید بن وہب سے نقل کیا ہے وہ (زید بن وہب) کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین ؑ سے قدرت خدا کا سوال کیا گیا پس حضرت نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ۔

ان اللہ تبارك وتعالی ملائکة لو ان ملکا منهم هبط الی الارض ما وسعته لعظم خلقته وکثرة اجنحته ومنهم من لو کلفت الجن والانس ان یصفوه ما وصفوه لبعد ما بین مفاصله وحسن ترکیب صورته وکیف یوصف من ملائکة من سبع مائة عام ما بین منکبیه و شحمة اذنیه

حق تعالیٰ کے لئے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جنکی خلقت عظیم اور بازو کثیر ہیں اگر انہیں کا ایک فرشتہ زمین پر اتر آئے تو وہ زمین میں نہ سما سکے اور منجملہ اُن فرشتوں کے ایسے بھی فرشتے ہیں کہ اگر تمام جن و انسان کو اُنکے وصف کرنے کی تکلیف دیجائے تو وہ اُنکے وصف کرنے سے عاجز ہو جائیں اس لئے کہ اُنکے مفاصل (جوڑوں) کے درمیانی ساخت بہت دور اور صورت کی ترکیب نہایت موزوں واقع ہوئی ہے اور کیونکر فرشتوں میں سے اُن فرشتوں کا وصف کیونکر بیان ہو سکتا ہے جنکے دونوں بازوں اور کان کی لو کی درمیانی فاصلہ کی مقدار سات سو برس کی راہ ہے

ومنهم من يسد الافق بجناح من اجنحته دون عظم بدنه ومنهم من في السموات الى حجزته ومنهم من قدمه على غير قرار في جو الهواء الاسفل والارضون الى ركبتيه ومنهم من لو القي في نقرة ابهامه جميع المياه لوسعتها ومنهم من لو القيت السفن في دموع عينيه لجرت دهر الداهرين

اور بعض فرشتے ایسے بھی ہیں جنکی ایک بازو پورے اُفق کو گھیر لیتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں اُن کے ہاتھوں کے جسم کو دخل ہو اور اُنہیں سے بعض فرشتے ایسے ہیں کہ تمامی آسمانی مخلوقات اُنکے کمر تک ہے اور بعض ایسے فرشتے ہیں کہ ہوائے پست کی فضا میں اُنکا قدم کسی چیز پر ٹھہرا ہوا نہیں ہے اور تمام زمینیں اُنکے گھٹنوں تک ہیں اور بعض ایسے فرشتے ہیں کہ اگر اُنکے انگوٹھے کے گڑھے میں تمام پانی ڈالدیے جائیں تو اسمیں سما جائیں اور بعض ایسے فرشتے ہیں کہ اگر اُن کی آنکھوں کے آنسوؤں میں کشتیاں ڈالدی جائیں تو وہ اُن (آنسوؤں) میں ہمیشہ کے لئے جاری رہیں

چوتھی حدیث ۔ ہشام بن حکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور ہشام کہتے ہیں کہ ایک زندیق نے حضرت سے سوال کیا کہ۔

ما علة الملئكة الموكلين بعباده يكتبون عليهم ولهم والله عالم السر

اسکی کیا وجہ ہے کہ اُس کے بندوں پر فرشتے موکل ہیں اور اُنکے ہر ایک اچھے بُرے عمل کو لکھتے ہیں حالانکہ حقتعالیٰ ہر ایک پوشیدہ راز کو جانتا ہے۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔

استعبدهم بذلك وجعلهم شهودا على خلقه ليكون العباد لملازمتهم اياهم اشد على طاعة الله مواظبة وعن معصية اشد انقباضا وكم

خداوند عالم نے اُن (فرشتوں) کو اس عبادت پر مامور کیا ہے اور اپنی مخلوق پر اُنکو شاہد قرار دیا ہے تاکہ بندے اُنکی وجہ سے خدا کی طاعت پر مواظبت اور اُسکی نافرمانی سے پرہیز زائد کریں اور بہت سے

من غضب ان يراهم بمعصيته فنزلوا مكانها فارعشوى وكفت فيقول ربي يراني وحفظني على بذلك تشهد وان الله برافته ولطفه وايضا وكلهم بعباده يذبون عنهم مردة الشياطين وهوام الارض وآفات كثيرة من حيث لا يرون الى ان يجيء امر الله عز وجل

بندے ہیں جو خدا کی نافرمانی کا قصد کرتے ہیں اور انکے موجود ہونیکی وجہ سے باز رہتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمکو دیکھتا ہے اور ہمارے فرشتے ہماری نافرمانی کی شہادت دینگے۔ نیز حق تعالی نے اپنے لطف و رحمت سے انکو اپنے بندوں پر اسلئے بھی موکل کیا ہے کہ وہ شیطانوں اور حشرات الارض وغیرہ کو جہاں بندے انکو دیکھتے نہوں اسوقت انسے دفع کریں جبتک کہ حکم خدا انکے بارے میں نازل

اِس حدیث شریف کا بھی اصل مطلب پر دلالت کرنا کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا فرشتہ سے محض کوئی خیالی مخلوق مراد ہوتی تو اُسکا بندوں پر موکل ہونا اور اُنکے اعمال ضبط کرنا اور اُنسے شیاطین وغیرہ کو دفع کرنا وغیرہ سب بے معنی ہوتا۔

پانچویں حدیث ۔ حماد نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ حماد کہتے ہیں کہ حضرت سے یہ سوال کیا گیا کہ۔

الملائكة اكثر ام بنو آدم۔

آیا فرشتے زائد ہیں یا بنی آدم۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ۔

والذي نفسي بيده لملائكة الله في السموات اكثر من عدد التراب في الارض وما في السماء موضع قدم الا وفيها ملك يسبحه ويقدسه ولا في الارض شجر ولا مدر الا وفيها ملك موكل

قسم ہے اُس خدائے پاک کی جسکے قبضہ میں جان ہے کہ خدا کے فرشتے جو آسمانوں میں وہ زمین کی مٹی (اسکے ذروں) سے زائد ہیں آسمان میں ہر ایک قدم کی جگہ پر ایک فرشتہ جو خدا کی تسبیح اور تقدیس کرتا ہے اور زمین میں جو درخت یا ڈھیلا ہے اُسپر ایک فرشتہ

وما منهم احد الا ويتقود كل يوم الى الله بولايتنا اهل البيت و يستغفر لمحبينا ويلعن اعدائنا ويسئل الله ان يرسل عليهم العذاب۔

اور اُنہیں سے ہر ایک فرشتہ ہر روز ہم اہل بیت کی ولایت کے ساتھ خدا کی طرف تقرب کرتا اور ہمارے دوستوں کے لئے استغفار کرتا ہے اور ہمارے دشمنوں پر لعنت کرتا ہے اور خدا سے سوال کرتا ہے کہ وہ اُن (دشمنوں) پر عذاب نازل کرے۔

اس حدیث شریف سے فرشتوں کا آسمانوں اور زمینوں میں بکثرت موجود ہونا اور اُنکا تسبیح وتقدیس میں مصروف ہونا اور ہر ایک شجر ومدر پر موکل ہونا اور ولا اہل بیت کے ساتھ تقرب کرنا اور اُنکے دوستوں کے لئے استغفار کرنا اور اُن کے دشمنوں پر لعنت کرنا وغیرہ معلوم ہوا جن سے انکا موجود مستقل وجسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے اب اگر فرشتوں کا محض خیالی ہونا فرض کیا جائے تو مذکورہ بالا اُمور کا اُن کی طرف منسوب کرنا بے معنے ہوگا جس کو کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی تجویز نہیں کرسکتا۔

چھٹی حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

حدثنی جبرئیل ان الله عزوجل اهبط الى الارض ملكا فاقبل ذالك الملك يمشي حتى وقع الى باب عليه رجل يستاذن على رب الدار فقال له الملك ما حاجتك الى رب هذه الدار قال اخ لى مسلم زرته فى الله تبارك وتعالى قال له الملك ما جاء بك الا ذاك

جبرئیل امین نے مجھے بیان کیا کہ حقتعالیٰ نے ایک فرشتہ کو زمین پر نازل کیا وہ (فرشتہ) ایک ایسے دروازہ پر پہنچا جہاں صاحب مکان سے ایک شخص اجازت مانگتا تھا اُس شخص سے فرشتہ نے پوچھا کہ صاحب مکان سے تمہاری کیا حاجت متعلق ہے اُس نے جواب دیا کہ وہ (صاحب مکان) میرا مسلمان بھائی ہے میں محض خوشنودی خدا کے لئے اُس سے ملاقات کرنے آیا ہوں اُس (فرشتہ) نے کہا کہ کیا تم محض اسی لئے آئے ہو

فقال ما جاء بي الا ذاك قال فاني رسول الله اليك وهو يقرئك السلام ويقول وجبت لك الجنة وقال الملك ان الله عز وجل يقول ايما مسلم زار مسلما فليس اياه زار اياي زار وثوابه علي الجنة۔

اُس (شخص) نے جواب دیا کہ ہاں میں اسی غرض سے آیا ہوں (یہ سنکر) اُس (فرشتہ) نے کہا کہ میں تیرے پاس خدا کا بھیجا ہوا ایلچی ہوں اور وہ تجھ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تیرے لئے بہشت واجب ہوئی اور فرشتہ نے کہا کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی زیارت کرتا ہے تو اُس نے اُس کی زیارت نہیں کی بلکہ میری زیارت کی اور اسکا ثواب مجھپر بہشت ہے۔

اس حدیث شریف میں فرشتہ کا باتیں کرنا اور نازل ہونا اور حرکت کرنا اور ایلچی ہوکر آنا اور پیغام پہونچانا وغیرہ مذکور ہے جس سے اُس (فرشتہ) کا موجود مستقل اور جسمانی اور قابل حرکت وسکون ہونا یقینی طور سے ثابت ہوتا ہے جو اثبات مطلب کے لئے کافی دلیل ہے۔

ساتویں حدیث۔ محمد بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق ؑ سے نقل کیا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ۔

ما خلق الله خلقا اكثر من الملائكة وانه لينزل كل يوم سبعون الف ملك فياتون البيت المعمور فيطوفون به فاذا هم طافوا به نزلوا فطافوا بالكعبة فاذا طافوا بها اتوا قبر النبي ص فسلموا عليه ثم اتوا قبر امير المؤمنين ع فسلموا عليه ثم اتوا قبر الحسين ع فسلموا عليه ثم

حقتعالیٰ نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو فرشتوں کی زائد ہو۔ اور یہ کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں پس اول وہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں بعد ازاں وہ نازل ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اسکے بعد وہ حضرت رسول خدا ص کی قبر مبارک پر آتے ہیں اور اُنپر سلام کرتے ہیں پھر وہ حضرت امیر المؤمنین کی قبر مبارک پر آتے ہیں اور اُنپر سلام کرتے ہیں اسکے بعد وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر پر آتے ہیں اُن پر سلام کرتے ہیں بعد ازاں وہ

عرجوا وينزل مثلهم ابداً الى يوم القيامة۔

(آسمانوں کی طرف) صعود کرتے ہیں پھر اُن کی مثل اور فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

اِس حدیث شریف سے بھی فرشتوں کا اُترنا اور چڑھنا اور طواف کرنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے جس کا مطلوب پر دلالت کرنا بہت ظاہر ہے اور تقریب مدعی میں طول دینے کی حاجت نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث عمرو بن مروان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ۔

ان الله ملئكة انصافهم من برد وانصافهم من نار يقولون يا مؤلفا بين البرد والنار ثبت قلوبنا على طاعتك۔

حق تعالیٰ کے لئے بہت سے ایسے فرشتے ہیں کہ اُن کی آدھے بدن برف سے مخلوق ہوئے ہیں اور آدھے آگ سے وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ اے خدا جس نے برف اور آگ کو مجتمع کیا ہے تو ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ۔

نویں حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ

كان فيما ناجى الله سبحانه عزوجل به موسىٰ قال يا موسىٰ اكرم السائل ببذل يسير او برد جميل انه ياتيك من ليس بانس ولا جان ملائكة من ملائكة الرحمن يبلونك فيما خولتك ويسئلونك فيما نولتك

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ سے جو مناجات کی تھی اُسمیں یہ مضمون بھی موجود تھا کہ اے موسیٰ تم سائل کا اکرام کرو خواہ قلیل مال دیکر یا نرمی کے ساتھ جواب دیکر تمہارے پاس ایسے لوگ بھی (سوال کرنے کے لئے) آتے ہیں جو انسان اور جن دونوں سے خارج ہوتے ہیں وہ لوگ خدا کے فرشتے ہیں جو تمہارا اُس مال میں امتحان کرتے ہیں جو ہم نے تمکو عطا کیا ہے۔ اور تم سے

فانظر کیف انت صانع یا ابن عمران۔	اس نعمت کا سوال کرتے ہیں جو ہم نے تم کو دی ہے پس اے ابن عمران تم نظر کرو کہ کیا کرتے ہو۔

اس حدیث شریف میں فرشتوں کے لئے آ جانا امتحان کرنا سوال کرنا ثابت کیا گیا ہے جو کسی موجود مستقل اور جسمانی چیز کی صفت ہو سکتی ہے اور محض کسی خیالی مخلوق کا مذکورہ بالا اوصاف کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں ہے۔

دسویں حدیث - ابن عباس نے حضرت رسول خدا سے نقل کیا ہے وہ (ابن عباس) کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ ملکا یقال لہ دردائیل کان لہ ستۃ عشر الف جناح ما بین الجناح الی الجناح ھواء والھواء کما بین السماء والارض فجعل یوما یقول فی نفسہ افوق ربنا جل جلالہ شیء فعلم اللہ تبارک وتعالیٰ ما قال فزادہ اجنحۃ مثلہا فصار لہ اثنان وثلاثون الف جناح ثم اوحی اللہ عز وجل الیہ ان طر فطار مقدار خمسمائۃ عام فلم ینل راس قائمۃ من قوائم العرش فلما علم اللہ عز وجل اتعابہ اوحی الیہ ایھا الملک	حق تعالیٰ کے لئے ایک فرشتہ ہے جسکو دردائیل کہتے ہیں اُسکے سولہ ہزار بازو ہیں دونوں بازوں کے درمیان ہوا ہے اور اوس ہوا کی مسافت اوس قدر تھی جسقدر کہ آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے وہ ایک دن اپنے دل میں کہنے لگا کہ آیا ہمارے پروردگار سے بھی کوئی چیز برتر ہے[1] پس حق تعالے نے اُسکی بات کو معلوم کیا اور اُسکے بازوں کو دوچند کر دیا پس اُسکے بازو (۳۲۰۰۰) بتیس ہزار ہو گیا بعد ازاں حقتعالیٰ نے اُسکی [illegible] حکم دیا چنانچہ وہ پانچ سو سال تک [illegible] اور [illegible] عرش تک نہ پہونچا پس جبکہ حقتعالیٰ کو اُسکی [illegible] مشقت کا حال معلوم ہوا تو اُس کو وحی کی کہ اے فرشتہ

[1] ظاہر ہے کہ یہ خیال جسکا دردائیل کے دل میں پیدا ہونا ذکر ہوا از قسم خطرات ہوگا جو بدون اختیار پیدا ہوتے ہیں اور کمال حجت اللہ تعالیٰ کے نگراں ہے اُنکا پیدا ہونا موقوف [illegible] ہے اس تقریر پر خیال کو ترک اولیٰ میں مندرج ہوگا جو عصمت ملائکہ کے منافی نہیں ہے ۱۲

عد الی مکانک فانا عظیم فوق کل عظیم ولیس فوقی شیئ ولا اوصف بمکان فسلب الله اجنحته و مقامه من صفوف الملائکة فلما ولد الحسینؑ هبط جبرئیل فی الف قبیل من الملائکة لتهنیة النبی صلی الله علیه واله وسلم فمر بدردائیل وقال سل النبی بحق مولوده ان یشفع لی عند ربی فدعا له النبی بحق الحسینؑ فاستجاب الله دعاءه ورد علیه اجنحته ورده الی مکانه -

تو اپنی جگہ واپس جا۔ مجھ سے برتر کوئی چیز نہیں ہے میں ہر ایک عظیم چیز سے برتر ہوں اور مجھکو مکان کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں ہے پھر حقتعالی نے اُسکے بازو بھی سلب کر دیا اور صفوف ملائکہ سے اُسکے مقام کو ساقط کر دیا پس جبکہ امام حسینؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسولخداؐ کی تہنیت اور مبارکباد کے لئے فرشتوں کے ہزار قبیلوں میں جبرئیل امین نازل ہوئے اور اُنکا دردائیل کی طرف سے گذر ہوا اور اُنسے دردائیل نے استدعا کی کہ آپ حضرت رسول خداؐ سے سوال کریں کہ وہ پیش پروردگار اپنے مولود کے واسطے میری شفاعت کریں پس اُس دردائیل کے لئے حضرت نے امام حسینؑ کے حق کے ساتھ دعا فرمائی اور حقتعالی نے حضرت کی دعا کو مستجاب فرمایا اور دردائیل کو اُسکے بازو عطا کئے اور اُسکو صفوف ملائکہ میں اسکی اصلی جگہ پر واپس کیا۔

اس حدیث شریف سے فرشتوں کا اُترنا چڑھنا پرواز کرنا وغیرہ معلوم ہوا جسکا مطلوب پر دلالت کرنا واضح ہے۔

اگرچہ فرشتوں کے موجود مستقل اور جسمانی اور قابل حرکت و سکون ہونے پر بیشمار حدیثیں دلالت کرتی ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد کسی دیندار بلکہ ادنیٰ مسلمان کو اُن (فرشتوں) کے موجود ہونے اور محض خیالی نہونے میں شبہہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اخبار کا وارد کرنا اس رسالہ مختصر کی وضع کے خلاف ہے اس لئے اسی قدر احادیث کے وارد کرنے پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔

دلیل سوم۔ علماء اسلام کے دو اقوال ہیں جنسے ملائکہ کا موجود مستقل اور اجسام لطیفہ ہونا

ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ وہ مختلف شکلوں کے اختیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ
اُترنے اور چڑھنے کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اور اُن کو انبیاء اور اوصیاء دیکھتے تھے۔

چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرقہ امامیہ بلکہ تمام مسلمانوں نے فرشتوں کے
موجود ہونے پر اتفاق کیا ہے اور یہ کہ وہ اجسام لطیفہ و نورانیہ ہیں اُن کے لئے دو دو
تین تین چار چار۔ اور اس سے بھی زائد بازو عطا ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ مختلف شکلوں کے
اختیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور حقتعالیٰ اپنے حکمت اور مصلحت سے اونپر جیسی صورتیں
چاہتا ہے وارد کرتا ہے اور وہ حرکت کرتے اور چڑھتے اُترتے ہیں اور اُنکو انبیاء اور اوصیاء
علیہم السلام دیکھتے تھے البتہ اُن کے جسمانی ہونے اور اوصاف مذکورہ بالا کے ساتھ
موصوف ہونے کا فقط ایک ایسی جماعت نے انکار کیا ہے جو درحقیقت مسلمان نہیں ہیں
مگر وہ اپنے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور وہ در پردہ مسلمانوں کے عقیدوں کو
خراب کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ اُن (فرشتوں) سے عقول یا نفوس فلکیہ اور مخلوقات کی قوتیں
وطبائع مراد ہیں اور شبہات واہیہ کی بنا پر قرآن کی آیتوں اور معصومینؑ کی متواتر روایتوں میں
تاویل کرنا محض ضلالت و گمراہی ہے اس مقام پر بعض علماء کی عبارتیں نکا وارد کرنا مناسب ہے
اور وہ کئی بزرگوار ہیں[۱]۔

اوّل۔ جناب سیّد مرتضےٰ علم الہدےٰ علیہ الرحمہ ہیں اُنسے کسی شخص نے سوال کیا تھا
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

نزول جبرئیل بالوحی فی صورۃ دحیۃ الکلبی	جبرئیل جو دحیہ کلبی کی صورت میں وحی لاتے تھے تو
کیف کان یتصور بغیر صورتہ ھو القادر	دوسری صورت کیونکر اختیار کرتے تھے آیا وہ خود اپنی

[۱] ان مطالب کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار کی چودھویں جلد کتاب السماء والعالم میں وارد کیا ہے جو اس مقام پر
کسی قدر تغیر کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں ۱۲

علیها او القدیم بشکل صورة و بیت
صورة جبرئیل فان کان الذی یسمع
من القرآن من صورة غیر جبرئیل ففیه
ما فیه وان کان من جبرئیل فکیف یتصور
بصورة البشر وهذه القدرة قد رویت ان
ابلیس یتصور وکذلک الجن ارید ان توضح امر ذلک
وما کان یسمع جبرئیل من الوحی من الباری تعالی
ان من وراء حجاب کیف کان یبلغه وهل
جبرئیل یعلم من صفات الباری اکثر مما تعلمه
او مثله واین محله من السماء وهل
القدیم اذا خطر ببال جبرئیل یکون متحیرا فیه
مثلنا او یکون سبحانه لا تدرکه الاوهام ومیز علینا جمیع الملائکة ایضا
پس انہوں نے جواب دیا کہ۔

صورت کے بدلدینے پر قدرت رکھتے تھے یا حق تعالی
انکو کوئی دوسری صورت عطا کر دیتا تھا اور قرآن
جو سُنا جاتا تھا وہ اگر جبرئیل کی صورت سے نہ تھا
تو یہ باطل ہے اور اگر جبرئیل سے تھا تو صورت بشر
کا اختیار کرنا کیونکر صحیح ہوا اور ایسی قدرت کا
شیطان اور جن دونوں میں موجود ہونا منقول
ہوا ہے اور جبرئیل جو وحی کو سُنتے تھے اُسکی
کیا اصلیت ہے اور آیا جبرئیل امین کو خدا کے
اوصاف ہم سے زائد معلوم تھے یا نہیں اور آسمان
میں اُنکی جگہ کہاں ہے اور آیا جبرئیل کو بھی جبکہ حق تعالی
کا اُن کے دل میں خطور ہوتا تھا ہماری طرح
حیرت ہوتی تھی یا نہیں۔

ان نزول جبرئیل بصورة
دحیة کان بمسئلة النبی من الله تعالی ذلک
فاما تصوره فلیس بقدرته بل الله یصوره
کذلک بصورة حقیقیة لا تشکیل والذی
کان یسمع النبی من القرآن من جبرئیل فی الحقیقة
کان واما ابلیس والجن فلیس یقدرون
علی التصویر وکل قادر بقدرة
لخلقهم سواء فی انهم لا یصح

جبرئیل کے دحیہ کلبی کی صورت میں آنے کا حضرت
رسول خدا نے خدا سے سوال کیا تھا۔ اور اُنکا کسی
صورت کو اختیار کرنا اُنکی قدرت سے نہیں ہے
بلکہ خدا اُنکو جو صورت چاہتا تھا عطا کرتا تھا اور وہی
صورت حقیقةً ہوتی تھی نہ شکل اور نبی جو اُنسے سنتے
تھے وہ درحقیقت قرآن تھا اور شیطان جن وغیرہ کو
صورت کے بدلنے پر قدرت نہیں ہے اور جبرئیل
کی وحی کو سُننے میں یہ ممکن ہے کہ خدا کلام کرتا انکو

ان يصوروا انفسهم بل ان اقتضت المصلحة
لم يتصور بعضهم بصورة صوره الله للمصلحة
فاما جبرئيل وسماعه الوحي فيجوز ان يقرأه
من اللوح المحفوظ فاما ما يعلم جبرئيل من
صفات الله فطريقه الدليل وهو والعلماء
فيه واحد فاما محله من السماء
فقد روي انه في السماء الرابعة فاما ما يخطر بباله فلا يجوز
ان يتخيل فيه لان جبرئيل معصوم لا يصح ان يفعل قبيحا

پیدا کر دیتا ہو اور وہ سن لیتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ
وہ لوح محفوظ میں دیکھ کر پڑھ لیتے ہوں اور معرفت
خدا کے حاصل ہونے کا طریقہ دلیل میں منحصر ہے
جسمیں وہ اور علماء برابر ہیں اور جبرئیل کی جگہ کا چوتھے
آسمان میں ہونا منقول ہوا ہے اور جبرئیل کے لئے
معرفت خدا میں حیرت کا ہونا صحیح نہیں ہے اس لئے
کہ وہ معصوم ہیں اُن سے کسی قبیح بات کا سرزد ہونا
جائز نہیں ہے۔

اِس کلام سے فرشتہ کا موجود مستقل ہونا اور اُنکا مختلف صورتوں کو اختیار کرنا اور جسمانی امور
کے ساتھ موصوف ہونا معلوم ہوا وھو المطلوب۔

اور جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ سے کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ۔

اذا حصل اهل الجنة في الجنة ما حكم
الملائكة هل يكونون في جنة بني آدم
او غيرها وهل يراهم البشر وهم يأكلون
ويشربون مثل البشر وتسبيح وتقديس و
هل يسقط عنهم التكليف وكذلك الجن۔

جب بہشت میں اہل بہشت داخل ہو جائینگے تو
آیا بنی آدم کی بہشت میں رہینگے یا کسی دوسری بہشت میں
اور آیا انکو بشر دیکھیں گے یا نہیں اور آیا وہ کھاتے پیتے ہیں یا
محض تسبیح تقدیس ہی کرتے ہیں اور آیا اُنسے تکلیف ساقط
ہوگی یا نہیں اور اسی طرح جنوں کی کیا حالت ہوگی

پس جناب سید علیہ الرحمہ نے جواب دیا۔

انه يجوز ان يكونوا في الجنة مع
بني آدم ويجوز ان يكونوا في جنة سواها
فان الجنان كثيرة جنة الخلد وجنة عدن
وجنة المأوى وغير ذلك مما

ممکن ہے کہ وہ بنی آدم کے ساتھ انہیں
بہشت میں رہیں یا کسی دوسری بہشت میں
کریں اس لئے کہ بہشت بہت ہیں جیسے جنت
جنت عدن جنت الماوے وغیرہ جن کا

او يذكره الله تعالى فاما رؤية البشر لهم فلا يصلح الا على احد وجهين اما ان يقوي الله تعالى شعاع بصر البشر او يكثف الملائكة فاما الاكل والشرب فيجوز ان الله يثيبهم بمانيه لذتهم فان يجعل لذتهم في الاكل والشرب جاز واما التكليف فانه يسقط عنهم لانه لا يصح ان يكونوا مكلفين مثابين في حالة واحدة والكلام في الجن يجري هذا المجرى	حق تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا اور بشر کو انکا دیکھنا دو طرح پر ممکن ہے یا یہ کہ حقتعالیٰ اُسکی شعاع بصر کو قوی کرے یا فرشتوں کو کثیف کرے اور کھانا پینا جائز ہے اور حقتعالیٰ اُنکو ایسی ہی چیزوں کے ساتھ ثواب عطا کریگا جنمیں اُن کی لذت ہوگی پس اگر کھانے پینے میں اُنکی لذت قرار دیجائیگی تو جائز ہوگا اور تکلیف اُنسے ساقط ہوجائیگی اس لئے کہ اُنکا ایک ہی وقت مکلف اور مثاب ہونا جائز نہوگا۔ اور جن میں بھی اسی قسم کا کلام جاری ہوسکتا ہے۔

دوم۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ ہیں اُنھوں نے کتاب المقالات کے اس باب میں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کا فرشتوں کو دیکھنا جائز ہے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

انه ليس بممتنع في الصديقين من الشيعة المعصومين عن الضلال وقد جاءت بصحته وضحته الحجة والبرهان وهو مذهب فقهاء الامامية واصحاب الآثار منهم۔	ائمہ علیہم السلام اور ایسے شیعوں کا جو ضلالت سے محفوظ ہیں فرشتوں کے کلام کو سُننا جائز ہے اور اسکی صحت پر برہان قائم ہے اور فرقۂ امامیہ کے فقہا و محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور نیز جناب شیخ مرحوم نے اس بارہ میں کہ وقت احتضار فرشتوں کو دیکھنا جائز ہے ارشاد فرمایا ہے۔

جائز من ان یراهم بان یزید الله تعالى في شعاعه ما يدرك به اجسامهم الشفافة الرقيقة۔	محتضر کا فرشتوں کو دیکھنا جائز اسطرح کہ حق تعالیٰ اُسکی شعاع بصری کو اسقدر زیادہ کرے کہ وہ اُنکے شفاف اور رقیق جسموں کا ادراک کرے۔

اور نیز جناب شیخ مرحوم نے اہل قبور پر دونوں فرشتوں کے نازل ہونے اور اعتقاد سے سوال کرنے کی نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ۔

ان ذلك صحيح وعليه اجماع الشيعة
واصحاب الحديث وتفسير مجمله
ان الله تعالى ينزل على من يريد تنعيمه
بعد الموت ملكين اسمهما مبشر وبشير
فيسئلانه عن ربه جلت عظمته
وعن نبيه ووليه فيجيبهما
بالذي فارق الدنيا على اعتقاده
والصواب ويكون الغرض في مسألتهما
استخراج العلامة بما يستحقه
من النعيم فيجد لذتها منه في
الجواب وينزل جل جلاله
على من يريد تعذيبه في البرزخ
ملكين اسمهما ناكر ونكير فيوكلهما
بعذابه ويكون الغرض في مسألتهما
له استخراج علامة استحقاقه من العقاب
بما يظهر في جوابه من التلجلج عن الحق
او الخبر عن سوء الاعتقاد
ابلاسه وعجزه عن
الجواب وليس ينزل
الملكان من اصحاب القبور
الا على ما ذكرناه۔

یہ صحیح ہے اور اسپر علماء شیعہ اور اصحاب حدیث کا
اتفاق ہے اور اس کے اجمالی مطلب کی تفسیر یہ ہے
کہ حقتعالی اُن لوگوں پر جنکو مرنے کے بعد نعمتوں کا
عطا کرنا مقصود ہوتا ہے دو فرشتوں کو نازل کرتا ہے
جنکا نام مبشر وبشیر ہے۔ پس اُس (شخص) سے سوال کرتے
ہیں کہ تمہارا پروردگار کون ہے اور تمہارے نبی اور ولی
کون ہیں اور یہ شخص اُن کے جواب میں اپنے اُس سچے
عقیدہ کو بیان کرتا ہے جسپر کہ اُسنے دنیا سے مفارقت
کی تھی اور اُن (فرشتوں) کے اس سوال کرنے سے
یہ غرض ہوتی ہے کہ جس نعمت کے پانے کا وہ مستحق ہے
اُس کی علامت برآمد کرلی جائے پس وہ جواب میں
اُس کی لذت پاتا ہے اور حق تعالے اُن لوگوں کے
پاس بھی جنپر عالم برزخ میں عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے
دو فرشتوں کو نازل کرتا ہے اور اُنکا نام ناکر ونکیر ہے
پس حقتعالی اُن دونوں (فرشتوں) کو اُس شخص کے عذاب
پر موکل فرماتا ہے اور اُن (فرشتوں) کے سوال کرنے سے
یہ غرض ہوتی ہے کہ اُس شخص کے مستحق عذاب ہونے کی
علامت برآمد کرلیجائے جس سے وہ اضطراب مراد ہے
جو وقت جواب ظاہر ہوتا ہے اور اہل قبور پر دونوں فرشتے
محض اُسی مطلب کے لئے نازل ہوتے ہیں جس کو کہ ہمنے
ذکر کیا ہے۔

سوم - محقق دوانی ہیں چنانچہ انہوں نے شرح عقائد میں بیان کیا ہے کہ -

الملائکة اجسام لطیفة قادرة علی التشکلات المختلفه -

فرشتے اجسام لطیفہ ہیں جو مختلف شکلوں کے تبدل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں -

چہارم - شارح مقاصد ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ -

ظاهر الکتاب والسنة وهو قول اکثر الامة ان الملائکة اجسام لطیفة نورانیة قادرة علی التشکلات باشکال مختلفة کاملة فی العلم والقدرة علی الافعال الشاقة شانها الطاعة ومسکنها السموات هم رسل الله تعالی الی انبیائه وامنائه علی وحیه یسبحون اللیل والنهار لا یفترون ولا یعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون

ظاہر کتاب و سنت یہ ہے اور اکثر امت بھی اسی کی قائل ہے کہ فرشتے اجسام لطیفۂ نورانیہ ہیں جو مختلف شکلوں کے قبول کرنے اور افعال شاقہ کے بجا لانے پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ علم میں کامل ہیں کہ انکی شان اطاعت ہے اُن کے رہنے کی جگہ آسمان ہیں اور وہ خدا کا پیغام اُس کے انبیا تک پہونچاتے ہیں اور اُسکی وحی پر امین ہیں رات دن تسبیح خدا بجا لاتے ہیں اور تھکتے نہیں اور خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات پر وہ مامور ہوتے ہیں اسکو بجا لاتے ہیں

پنجم - امام فخر الدین رازی ہیں چنانچہ وہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں -

لا خلاف بین العقلاء فی ان اشرف الرتبة للعالم العلوی هو وجود الملائکة فیه کما ان اشرف الرتبة للعالم السفلی هو وجود الانسان فیه الا ان الناس اختلفوا فی ماهیة الملائکة وحقیقتهم وطریق ضبط المذاهب ان یقال الملائکة لا بد ان تکون ذوات قائمة بانفسها

مابین عقلاء اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ عالم علوی کیلئے رتبہ بلند یہ ہے کہ اُس میں فرشتے موجود ہیں جس طرح کہ عالم سفلی کے لئے رتبہ بلند یہ ہے کہ اسمیں انسان موجود ہے مگر یہ کہ لوگوں نے فرشتوں کی ماہیت اور انکی حقیقت میں اختلاف کیا ہے اور اس بارہ میں جو مختلف مذاہب ہیں اُنکو ضبط کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ فرشتوں کا موجود مستقل ہونا تو بہرحال ضروری ہے

له اس سے معلوم ہوا کہ کسی عاقل نے فرشتوں کے موجود مستقل ہونے میں نزاع نہیں کی ۱۲

ثم تلك الذوات اما ان تكون متحيزة او لا تكون
اما الاول ففيه اقوال احدها انها اجسام
لطيفة هوائية تقدر على التشكل باشكال
مختلفة مسكنها السموات وهذا
قول اكثر المسلمين وثانيها
قول طوائف من عبدة الاوثان
وهو ان الملائكة في الحقيقة
هي هذه الكواكب الموصوفة
بالاسعاد والانحاس فانها على زعمهم
احياء ناطقة وان المسعدات منها ملائكة
الرحمة والمنحسات منها هم ملائكة العذاب
وثالثها قول معظم المجوس والثنوية
وهو ان هذا العالم مركب من اصلين
ازليين وهما النور والظلمة
وهما في الحقيقة جوهران شفا
فان حساسان مختاران قادران
متضادا النفس والصورة مختلفا
الفعل والتدبير فجوهر النور
فاضل خير نقي طيب الريح كريم النفس
يسر ولا يضر وينفع ولا يمنع ويحيي
ولا يبلي وجوهر الظلمة على ضد ذلك

پس اُنکی ذات یا متحیز ہوگی یا نہوگی۔

پہلی صورت متحیز ہونے میں کئی قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ وہ (فرشتے) اجسام لطیفہ ہوائیہ ہیں جو
مختلف شکلوں کے قبول کرنے پر قدرت رکھتے ہیں
اور ان کے مساکن (رہنے کے مقامات) آسمان ہیں
اور اُسکو اکثر مسلمانوں نے اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول وہ ہے جسکو بت پرستوں نے اختیار کیا ہے
کہ فرشتوں سے درحقیقت یہ ستارے مراد ہیں جو سعادت
اور نحوست کے ساتھ موصوف ہیں اور ستارے اُن کے
گمان میں زندہ اور ناطق ہیں اور یہ کہ جو ستارے سعد
(نیک) ہیں وہ ملائکہ رحمت ہیں اور جو نحس ہیں وہ ملائکہ عذاب ہیں

تیسرا قول وہ ہے جسکو اکثر مجوس اور ثنویہ نے اختیار
کیا ہے کہ عالم دو ازلی اصلوں سے مرکب ہے اور
اُن دونوں (اصلوں) سے نور و ظلمت مراد ہیں اور وہ دونوں
(نور و ظلمت) ایسے دو شفاف جوہر ہیں جو حس اور اختیار اور
قدرت کے ساتھ موصوف ہیں اُن کے نفس اور صورت
میں تضاد اور فعل و تدبیر میں اختلاف ہے پس جوہر نور
ایسا فاضل با خیر اوصاف ہے جس کی خوشبو پاکیزہ ہے اور
اُسکا نفس کریم ہے وہ خوش کرتا ہے اور ضرر نہیں پہنچاتا نفع پہنچاتا ہے
اور منع نہیں کرتا وہ زندہ کرتا ہے اور کہنہ نہیں کرتا
اور جوہر ظلمت اِس کے خلاف ہے

ثم ان جوهر النور لم يزل يولد الاولياء وهم الملائكة لا على سبيل التناكح بل على سبيل تولد الحكمة من الحكيم والضوء من المضئ وجوهرها الظلمة لم يزل يولد الاعداء هم الشياطين على سبيل تولد السفه من السفيه لا على سبيل التناكح فهذه اقوال من جعل الملائكة اشياء متحيزة جسمانية القول الثانی ان الملائكة ذوات قائمة بانفسها وليست بمتحيزة ولا اجسام فههنا قولان احدهما قول طوائف من النصارى وهو ان الملائكة فی الحقيقة هی الانفس الناطقة بذاتها المفارقة لابدانها على نعت الصفا والخيرية وذلك لان هذه النفوس المفارقة ان كانت صافية خالصة فهی الملائكة وان كانت خبيثة كدرة فهی الشياطين۔

وثانيهما قول الفلاسفة

پھر جوہر نور سے ہمیشہ اولیاء پیدا ہوتے رہے جن سے ملائکہ (فرشتے) مراد ہیں۔ اور یہ پیدائش بطور نکاح نہ تھی جو حیوانوں میں جاری ہے بلکہ وہ (پیدائش) اس طور پر تھی کہ جس طور پر کہ حکیم سے حکمت اور نورانی چیز سے روشنی پیدا ہوتی ہے اور جوہر ظلمت سے ہمیشہ اعدا پیدا ہوتے رہے جن سے شیاطین مراد ہیں اور اُن کی پیدائش بھی نکاح کے عنوان سے نہیں ہوتی بلکہ اس طرح ہوتی ہے جس طرح کہ سفیہ سے سفاہت پس یہ اُن لوگوں کے قول ہیں جو فرشتوں کو متحیز اور جسمانی چیزیں قرار دیتے ہیں۔

دوسری صورت (متحیز نہ ہونے کی حالت) میں بھی دو قول ہیں۔

پہلا قول وہ ہے جسکو نصاریٰ کے بعض فرقوں نے اختیار کیا ہے کہ فرشتوں سے نفوس ناطقہ مراد ہیں جو اپنے بدنوں سے جدا ہیں اور اُن (نفوس ناطقہ) کی دو قسمیں ہیں

اوّل یہ کہ وہ (نفوس ناطقہ) صفائی اور خیر و خوبی کے ساتھ موصوف ہیں ایسی صورت میں وہ (نفوس ناطقہ) فرشتے کہلاتے ہیں۔

دوم یہ کہ وہ کدورت اور خباثت کے ساتھ موصوف ہوں ایسی صورت میں وہ شیطان کہلاتے ہیں۔

دوسرا قول وہ ہے جسکو فلاسفہ نے اختیار کیا ہے کہ

وهي انها جواهر قائمة بانفسها ليست متحيزة
البتة بالمهية مخالفة نوع النفوس الناطقة
البشرية وانها اكمل قوة منها واكثر علما
وانها للنفوس البشرية جارية مجرى
الشمس بالنسبة الى الاضواء
ثم ان هذه الجواهر على قسمين
منها ما هي بالنسبة الى اجرام الافلاك
والكواكب كنفوسنا الناطقة بالنسبة
الى ابداننا ومنها ما هي اعلى شانا
من تدابير اجرام الافلاك بل هي
مستغرقة في معرفة الله تعالى
ومحبته ومشتغلة بطاعته و
هذا القسم هم الملائكة المقربون
ونسبتهم الى الملائكة الذين يدبرون
السموات كنسبة اولئك المدبرين
الى نفوسنا الناطقة فهذان القسمان
قد اتفقت الفلاسفة على اثباتهما
ومنهم من اثبت انواعا آخر من الملائكة
وهي الملائكة الارضية المدبرة
لاحوال هذا العالم السفلي ثم ان مدبرات
هذا العالم ان كانت خيرات

فرشتوں سے وہ جواہر مراد ہیں جو اپنے وجود میں
مستقل ہیں اور متحیز نہیں ہیں اور یہ کہ نفوس ناطقہ کی حقیقت
سے اُن کی حقیقت جدا ہے اور یہ کہ نفوس ناطقہ سے
اُن کی قوت کامل تر اور اُنکی معرفت بیشتر ہوتی ہے اور
یہ کہ نفوس بشریہ کو انسے وہی نسبت ہے جو روشنی کو آفتاب سے ہے
پھر اُن کے نزدیک فرشتوں کی دو قسمیں ہیں۔
پہلی قسم وہ ہے جو افلاک اور کواکب کے جسموں سے
وہی علاقہ رکھتے ہیں جو نفوس ناطقہ کو ہمارے جسموں سے
حاصل ہے (جس سے علاقہ تدبیر و تصرف مراد ہے)
دوسری قسم وہ ہے جنکی شان اس امر سے اجل
وارفع ہے کہ وہ افلاک کے جسموں کی تدبیر کریں بلکہ
وہ خداوند عالم کی معرفت اور محبت میں مستغرق رہتے
اور اُسکی اطاعت و بندگی میں مشغول رہتے ہیں اور ملائکہ
مقربین سے یہی قسم مراد ہوتی ہے اور اس قسم کے
فرشتوں کو پہلی قسم کے فرشتوں سے وہی نسبت ہے جو
پہلی قسم کے فرشتوں کو نفوس ناطقہ سے حاصل ہے
اور ان دونوں قسموں کے ثابت کرنے پر جملہ فلاسفہ نے
اتفاق کیا ہے اور بعض فلاسفہ نے ان دونوں قسموں کے
علاوہ اور فرشتوں کے موجود ہونے کو بھی ثابت کیا ہے
جنسے وہ ارواح ارضیہ کو مراد لیتے ہیں جو اس عالم
کی تدبیر کرتے ہیں اب اگر وہ ارواح (صاحب خیر

فهم الملائكة وان كانت شريرة فهم الشياطين - ثم اختلف اهل العلم فى انه هل يمكن الحكم بوجودها من حيث العقل ولا سبيل الى اثباتها الا بالسمع فالفلاسفة على الاول

صلاح ہوتی ہیں تو اُن (ارواح) کو ملائکہ کہتے ہیں اور اگر صاحب شر و فساد ہوتے ہیں تو اُنکو شیاطین کہتے ہیں پھر اہل علم نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ آیا فرشتوں کے وجود پر کوئی عقلی دلیل بھی قایم ہو سکتی ہے یا اُن (فرشتوں) کا وجود محض نقلی دلیل سے ثابت ہوتا ہے پس فلاسفہ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے

پھر امام رازی نے فلاسفہ کی بعض دلیلوں کو وارد کر کے نقلی دلیلوں کا بیان کرنا شروع کیا ہے - اور کہا ہے کہ :-

فلا نزاع البتة بين الانبياء فى اثبات الملائكة بل ذلك كالامر المجمع عليه بينهم -

ملائکہ کے ثابت کرنے میں مابین انبیاء علیہم السلام نزاع نہیں ہے بلکہ وہ اُن کے درمیان اُس امر کی مثل ہے جس پر اجماع ہو -

پھر امام رازی نے کثرت ملائکہ کو بیان کیا ہے اور اس باب میں بعض اخبار کو وارد کیا ہے - پھر کہا ہے کہ :-

رايت فى بعض كتب التذكير ان النبى حين عرج به راى الملائكة فى موضع بمنزلة سوق بعضهم يمشى تجاه بعض فسأل رسول الله انهم اين يذهبون فقال جبرئيل لا ادرى الا انى اراهم منذ خلقت ولا ارى واحدا منهم قد رايته قبل ذلك

میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول خدا نے شب معراج ایک مقام پر جو بمنزلہ سوق تھا ملائکہ کو ملاحظہ فرمایا کہ بعض فرشتے بعض فرشتوں کے سامنے چلے جاتے تھے پس حضرت نے جبرئیل امین سے سوال کیا کہ یہ فرشتے کہاں جاتے ہیں انہوں نے عرض کی کہ مجھے معلوم نہیں مگر یہ کہ میں انکو اپنی پیدائش کے وقت سے اسی طرح جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں - اور میں نے انہیں سے کسی فرشتہ کو دوبارہ نہیں دیکھا

ثم سئلوا واحدا منهم وقيل له منذ كم خلقت فقال لا ادرى غير ان الله تعالى يخلق كوكبا فى كل اربعمائة الف سنة فخلق مثل ذلك الكوكب منذ خلقنى اربعمائة الف كوكب

پھر اونہیں کے ایک فرشتہ سے دریافت کیا کہ تم کب پیدا ہوئے ہو اُس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں مگر حقتعالی چار لاکھ برس کے بعد ایک ستارہ کو پیدا کرتا ہے پس جب کہ حقتعالی نے مجھے پیدا کیا ہر اُس (ستارہ) کے مثل چار لاکھ ستاروں کو پیدا کر چکا ہے

اُس کی بعد امام رازی نے ملائکہ کے اصناف واوصاف کو بیان کیا ہے جسکا ہم تذکرہ کر چکے ہیں

امام رازی نے اگرچہ اپنے کلام کی ابتدا میں بیان کیا ہے کہ اکثر مسلمین فرشتوں کے جسمانی ہونیکے قائل ہیں لیکن اُن کے آخری کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس باب میں نصاریٰ کے اور اُن فلاسفہ کے سوا کوئی شخص مخالف نہیں ہے جو کسی شریعت پر ایمان نہیں لائے اور اُنہوں نے اپنے جملہ اُمور میں اپنی ضعیف عقلوں پر تکیہ کیا ہے۔

اگرچہ فرشتوں کے موجود مستقل اور قابل حرکت وسکون ہونے اور اُن کے دیگر جسمانی اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے پر جملہ علماء اسلام اور دیگر طوائف انام نے اتفاق کیا ہے جیسا کہ علامۂ مجلسی وغیرہ کی تصریحات سے معلوم ہوا لیکن اِس مقام پر اُن علماء کے اقوال کا وارد کرنا اس رسالہ کی وضع کے مخالف ہے اس لئے محض مذکورۂ بالا اقوال کے وارد کرنے پر اقتصار کیا گیا۔

بہرحال فرشتوں کے موجود مستقل ہونے اور جسمانی اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے پر جملہ شریعتیں متفق ہیں اور اُنکے وجود کا منکر دین اسلام سے خارج اور بیشک ملحد اور بے ایمان ہے ہم نے تنبیہ ناظرین کے لئے اس مقام پر بعض آیات وروایات اور علمائے اسلام کی عبارات کو نقل کیا ہے۔ ورنہ یہ مطلب ایسا نہیں ہے جسپر کسی دلیل کی قائم کرنیکی ضرورت ہو اور جس طرح کہ فرشتوں کے موجود مستقل اور لوازم جسمانیہ کے ساتھ موصوف ہونے کا اعتقاد ضروری ہے۔ اسیطرح شیطان کے موجود مستقل اور لوازم جسمانیہ کے ساتھ موصوف ہونیکا

اعتقاد بھی ضرور ہے۔ جس پر کتاب و سنت اور اجماع وغیرہ ادلۂ قطعیہ قایم ہیں اور اُن سے اس مقام پر تعرض کرنا تطویل بلا طائل میں داخل ہے۔ خداوند عالم جملہ اہل ایمان کو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے اور امر حق کے پہچاننے اور اُسپر عمل کرنیکی توفیق کرامت فرمائے۔ آمین۔

نبی کا صاحب عصمت ہونا

عصمت کی تعریف عصمت سے وہ مخصوص لطف اور باطنی تائید مراد ہے جس کے بعد بندہ اپنے نفس کو خدا کی ہر ایک نافرمانی سے روکتا اور ہر ایک طاعت پر آمادہ رکھتا ہو اور اُس سے کسیوقت میں بھی کوئی امر ایسا سرزد نہیں ہوتا۔ جو مرضی معبود کے خلاف ہو۔

حکیم مطلق اس گرانبہا صفت کے ساتھ اُسی شخص کو مخصوص کرتا ہے جس کا اُس (صفت) کے بعد ہر طرح کی طاعت اور فرمانبرداری کو اختیار کرنا اور ہر ایک قسم کی معصیت و نافرمانی سے پرہیز کرنا معلوم ہوتا ہے اور ہم کتاب العدل میں نہایت وضاحت و شرح کے ساتھ بیان کرچکے ہیں کہ لطف پروردگار کا اُسی شخص سے متعلق ہونا لازم ہے جسکا اُس کے بعد طاعت کو اختیار کرنا اور معصیت سے پرہیز کرنا معلوم ہو۔ اس بنا پر اگرچہ حکیم مطلق کے الطاف و توفیقات ہر ایک بندہ پر مبذول ہوتے ہیں جنکے بعد وہ کسی طاعت کو اختیار کرتا اور کسی معصیت کو پرہیز کرتا ہے۔ لیکن عصمت ایسا لطف نہیں ہے۔ جو ہر ایک شخص پر مبذول ہو سکتا ہو اس لئے کہ ہر ایک شخص سے اس امر کی اُمید نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کی ہر ایک نافرمانی کو پرہیز کرے اور ہر ایک قسم کی طاعت پر اپنے نفس کو آمادہ کرے بلکہ وہ ایسے ہی نفوس قدسیہ کے لئے عطا ہوتا ہے جنکا اس لطف کے بعد اپنے اختیار سے ہر ایک نافرمانی کو ترک کردینا اور ہر ایک طاعت کو بجالانا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کے سوا ایسے متبرک نفوس کہاں ہو سکتے ہیں۔ جو اپنے اختیار سے ہر ایک معصیت کو ترک کریں اور ہر ایک

بجالائیں۔ پس ضرور ہوا کہ عصمت ایسا لطف بھی انہیں حضرات کے ساتھ مخصوص ہو۔ انہیں بزرگواروں کے نفوس قدسیہ نفسانی فضائل و کمالات کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوتے ہیں اور حکیم مطلق کی عظمت و جبروت اُنکی مبارک نظروں میں ہر دم جلوہ گر رہتی ہے جو اُنکو غیر خدا کی طرف متوجہ اور ملتفت ہونے سے باز رکھتی ہے اور وہی حضرات ایسے مبارک بندے ہیں جو نظارۂ بارگاہ ایزدی کے مقابلہ میں ہر ایک چیز کو نیست و نابود سمجھتے ہیں اس صورت میں عصمت و طہارت سے گرانبہا لطف کا مستحق ان بزرگواروں کے سوا کون ہو سکتا ہو۔

نبی یا امام کا عصمت کی وجہ سے ترک یا فعل پر مجبور نہ ہو جانا۔

ہمارے اس مختصر بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عصمت کی وجہ سے نبی اور امام کسی کام کے بجالانے یا ترک کرنے میں مجبور نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہر ایک کام کو اپنے ارادہ اور خواہش کے موافق بجالاتے یا ترک کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہو تو نبی و امام کے لئے کسی قسم کی مدح و ثنا کا استحقاق نہو۔ یہ اور بات ہو کہ ان حضرات کے نفوس قدسیہ کو اپنے کمال معرفت کی وجہ ایسی ہی امور کے اختیار کرنے کی عادت ہو جاتی ہے جو مرضی معبود کے موافق ہوتے ہیں جس طرح کہ عام لوگوں میں سے بعض پرہیزگاروں کے نفوس اپنی معرفت اور خداشناسی کی وجہ سے بہت سے گناہوں کی طرف اصلا توجہ و التفات نہیں کرتے مگر باوجود اس کے وہ اُن کے ترک کرنے میں مجبور نہیں سمجھے جاتے۔

نبی یا امام سے باوجود قدرت کے گناہ کے صادر نہ ہونے کی تمثیل

فرض کرو کہ کوئی مقتدر بادشاہ اپنی رعیت میں سے زید کے ساتھ حد درجہ کی محبت رکھتا ہو اور اُسپر طرح طرح کے احسان کرتا ہو اور زید بھی بادشاہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی محبت رکھتا ہو اور بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو تو زید سے باوجود قدرت و اختیار کے کسی ایسے امر کا جو بادشاہ کے مرضی کے خلاف ہو کئی وجہوں سے صادر ہونا محال ہو گا۔

اوّل محبت باہمی اس لئے کہ دوست سے کوئی امر ایسا سرزد نہیں ہو سکتا جو مقتضای دوستی کے

خلاف ہو۔

دوم شرم وحیا۔ اِس لئے کہ شرم وحیا کی وجہ سے انسان اپنے محسن ودوست کی مخالفت کو اُس کی غیبت میں بھی پسند نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اُس کے سامنے حاضر وموجود ہو۔

سوم خوف۔ اِس لئے کہ اگر باوجود ان خصوصیتوں کے بھی بادشاہ کے ادب کا لحاظ نہ کریگا تو اُس کو ذی اقتدار بادشاہ کی طرف سے سزا پانیکا ضرور اندیشہ ہوگا۔

اس صورت میں زید سے کسی ایسے امر کا صادر ہونا محال ہوگا جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف ہو پس وجوہ مذکورہ بالا پر نظر کرنے کے بعد جسطرح کہ ہر ایک شخص اس نتیجہ پر ضرور پہونچتا ہے کہ زید سے خطا کا صادر ہونا محال ہے اُسی طرح اس نتیجہ پر بھی پہونچیگا کہ زید خطا کے ترک کرنے میں مجبور نہیں ہے بلکہ اُس نے وجوہ مذکورہ کی وجہ سے بادشاہ کی مخالفت کو اپنے ارادہ واختیار سے ترک کیا ہے پس بادشاہ حقیقی کے دربار میں ان خاصان خدا کی بھی یہی حالت ہے کہ باوجود قدرت واختیار کے ان سے بھی کوئی ایسا امر سرزد نہیں ہوسکتا جو مرضی بادشاہ کے خلاف ہو۔ **بہر حال** ہماری تقریر سے یہ امر بخوبی روشن ہوگیا کہ عصمت کوئی ایسا امر نہیں ہے جسکی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اپنے کاموں میں مجبور ہوجائیں اور اجر وثواب کے مستحق نہوں۔ ایسے امر کا وہی شخص قائل ہوسکتا ہے جو عقل سے بے بہرہ ہو۔ **اِس کے علاوہ** یہ ہے کہ بندہ کا فاعل مختار ہونا اور کام کر ترک وفعل میں اُسکا مضطر نہ ہونا کتاب العدل میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے جس سے انبیاء کا فاعل مختار ہونا بخوبی ثابت ہوسکتا ہے۔

عصمت مطلقہ کا بیان نبی سے ایسے امروں یا گناہوں کا سرزد ہونا جملہ عقلاء کے نزدیک محال ہے جن کے بعد لوگوں کو اُس پر اعتماد نہ رہے اور امر ہدایت میں خلل پڑے جیسا کہ اوپر کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔ لکن یہ امر قابل غور ہے کہ وہ اُمور کون سے ہیں جنکی وجہ سے اُسپر اعتماد نہیں رہ سکتا اور امر ہدایت میں

خلل پڑتا ہو۔ اس بارہ میں لوگوں نے مختلف رائیں قایم کی ہیں۔ جنکا بطور اجمال تذکرہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ کئی ہیں۔

پہلی رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے فقط گناہ صغیرہ سرزد ہوسکتا ہے خواہ عمداً صادر ہو یا سہواً اس لئے کہ انبیاءؑ سے جو اعمال خیر صادر ہوتے ہیں اُن کے مقابلہ میں گناہ صغیرہ صادر ہونا قابل التفات نہیں ہوسکتا پس نبی کے معتمد اور قابل وثوق ہونے میں گناہ صغیرہ کی وجہ سے کسی قسم کا خلل نہ آئیگا۔

دوسری رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے فقط بھول چوک میں گناہ صغیرہ سرزد ہوسکتا ہے اور دیدہ و دانستہ اُسکا سرزد ہونا درست نہیں ہے۔

تیسری رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے اگرچہ ہر ایک گناہ صادر ہوسکتا ہو خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ مگر اُنسے کفر اور دروغ کا سرزد ہونا درست نہیں ہے۔

چوتھی رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے اگرچہ کفر بھی سرزد ہوسکتا ہے مگر اُسکا نبوت کے بعد صادر ہونا جائز نہیں ہے۔

پانچویں رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے ثبوت نبوت کے بعد بھی کفر صادر ہوسکتا ہے۔

چھٹی رائے۔ انبیاءؑ سے کفر یا کوئی ایسا گناہ صادر نہیں ہوسکتا جو معجزہ کے خلاف ہو اس رائے کی بنا پر انبیاءؑ ایسے دروغ کا صادر ہونا صحیح ہوگا جو اُن کی پیغامبری سے متعلق نہو۔

ساتویں رائے انبیاءؑ سے ایسا گناہ جو معجزہ کے خلاف ہو فقط بھول چوک میں سرزد ہوسکتا ہو۔ مگر انبیاءؑ کو دیدہ و دانستہ اُسکا صادر کرنا جائز نہوگا۔ اس رائے کی بنا پر جائز ہوگا کہ نبی کسی دروغ اور غیر واقعی حکم کو بھولے سے خدا کی طرف منسوب کردے۔

آٹھویں رائے۔ انبیاءؑ سے کفر بھی صادر ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس رائے کے لوگ ہر ایک گناہ کو کفر جانتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک ہر ایک گناہ کا انبیاءؑ سے صادر ہونا جائز ہے۔

نویں رائے۔ انبیاء ع سے گناہ کبیرہ کا مطلقاً سرزد ہونا جائز نہیں ہے اور اسی طرح ایسے گناہ صغیرہ کا سرزد ہونا بھی جائز نہیں ہے جو موجب تنفر ہو۔ اور باقی گناہان صغیرہ کا صادر ہونا صحیح ہے عمداً ہو یا سہواً۔

دسویں رائے۔ انبیاء سے کسی گناہ کا مطلقاً صادر ہونا جائز نہیں ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ عمداً ہو یا سہواً نبوت سے قبل ہو یا بعد۔ موجب نفرت ہو یا نہو اور معجزہ کے خلاف ہو یا نہو۔

اور امام فخر الدین رازی نے لوگوں کے اُن اقوال مختلفہ کو جو عصمت انبیاء ع کے بارے میں صادر ہوئے ہیں چار قسموں میں ضبط کیا ہے۔

پہلی قسم وہ ہے جو اعتقاد سے متعلق ہو۔ پس امت کے نزدیک انبیاء ع کا ضلالت وکفر سے معصوم ہونا لازم ہے البتہ خوارج کے ایک گروہ کا جنکو فضیلیہ کہتے ہیں یہ اعتقاد ہے کہ انبیاء ع سے گناہ واقع ہوئے ہیں اور اُن کے نزدیک ہر گناہ داخل کفر و شرک ہے پس اس بناء پر اُنہوں نے کفر کے صادر ہونے کو تجویز کیا ہے۔ اور امامیہ نے انبیاء پر تقیہ کی راہ سے کفر کے ظاہر کرنے کو تجویز کیا ہے۔

امام رازی نے فرقہ امامیہ سے جو نقل کیا ہے کہ وہ انبیاء ع پر تقیہ کی راہ سے کفر کے ظاہر کرنے کو تجویز کرتے ہیں وہ فرقہ امامیہ پر افترا و بہتان ہے اس لئے کہ فرقہ امامیہ کے کسی عالم نے اس مطلب کو نہیں لکھا۔ بلکہ اُن کا اس باب میں یہ اعتقاد ہے کہ انبیاء ع جس امر پر منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں اُسی کو بجا لاتے ہیں جسکی تفصیل عنقریب مرقوم ہوگی۔

دوسری قسم وہ ہے جو تبلیغ احکام سے متعلق ہو۔ پس تمام امت نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ انبیاء ع کا اس باب میں معصوم ہونا لازم ہے۔ اور یہ کہ اُنسے خصوص تبلیغ احکام میں دروغ گوئی کا صادر ہونا جائز نہیں ہے ورنہ ادائے احکام میں انکے قول پر وثوق نہ رہیگا۔ اور اکثر اُمت نے اس امر پر بھی اتفاق کیا ہے کہ تبلیغ احکام میں

جس طرح کہ اُن سے دروغ اور کذب کا عمداً صادر ہونا جائز نہیں ہے اسی طرح اُسکا سہواً صادر ہونا بھی جائز نہیں ہے البتہ بعض لوگوں نے خصوص سہو کی حالت میں دروغ کے صادر ہونے کو نفس تبلیغ میں بھی تجویز کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سہو سے اجتناب کرنا ممکن نہیں ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو فتوی سے متعلق ہو۔ پس اسپر تمام علمار کا اتفاق ہے کہ اُنکا فتوی میں عمداً خطا کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ سہواً خطا کرنے کو بعض نے تجویز کیا ہے۔

امام رازی کی اِس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام علمار نے انبیار کے مفتی اور مجتہد ہونے پر اتفاق کیا ہے اور محض خطا کرنے نہ کرنے میں کلام کیا ہے اور یہ امر بالکل خلاف واقع ہے اس لئے کہ فرقۂ امامیہ کے نزدیک انبیارع کو اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اجتہاد اُسی مقام پر کیا جاتا ہے جہاں پر دلیل حکم مشتبہ ہوتی ہے حالانکہ انبیارع کے جملہ علوم ضروری ہوتے ہیں جو وحی و الہام سے ماخوذ ہوسکتے ہیں بلکہ خود امام رازی نے اپنی اسی تقریر میں رافضیوں کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ انبیار علیہم السلام کے نزدیک کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوسکتا۔ نہ کبیرہ نہ صغیرہ نہ عمداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطاءً ایسی صورت میں امامیہ کا یہ مذہب کیونکر ہوسکتا ہے کہ انبیار کو کسی وقت کلمۂ کفر کا ظاہر کرنا جائز ہے یا وہ اجتہاد کو اُنپر تجویز کرتے ہیں اس لئے کہ دونوں باتوں میں جو منافات ہے وہ کسی ادنے اور معمولی عقل والے انسان پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی۔

اسی طرح خود امام رازی نے رافضیوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ زمانہ ولادت سے آخر عمر تک انبیارع کو معصوم جانتے ہیں۔ اس قول کو بھی پہلے دونوں باتوں سے جو اُنہوں نے امامیہ کی طرف منسوب کی ہیں جو منافرت ہے وہ بہت واضح ہے۔ اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے جبائی سے نقل کیا ہے کہ وہ اس اعتقاد میں کہ انبیار کا اجتہاد کرنا باطل ہے امامیہ کی موافقت کی ہے اور اُن کی عین عبارت یہ ہے کہ۔

ان الجبائی قد وافق الامامیة حیث انه
قال اوحی الله تعالی الی سلیمٰن بما نسخ به حکم
داؤد الذی کان یحکم به قبل ولکن
ذلك عن اجتهاد لانه لا یجوز للانبیاء
ان یحکموا بالاجتهاد وهذا هو
الصحیح المعول علیه عندنا۔

اور جبائی نے امامیہ کی موافقت کی ہے انہوں نے کہا ہے
کہ حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی طرف ایسے امر کی وحی کی ہے
جس سے حضرت داؤدؑ کا وہ حکم منسوخ ہو گیا جسکے ساتھ
وہ حکم کیا کرتے تھے اور یہ امر اجتہاد سے نہ تھا اس لئے
کہ انبیاءؑ کو اجتہاد کر کے ساتھ حکم کرنا جائز نہیں ہے اور یہی
صحیح ہے جس پر ہمارے نزدیک اعتماد کیا جاتا ہے۔

چوتھی قسم وہ ہے جو افعال سے متعلق ہو۔ پس اس باب میں امت کے پانچ قول ہیں۔

(۱) یہ کہ اُنسے گناہ کبیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز ہے اور اس امر کو حشویہ نے اختیار کیا ہے۔

(۲) یہ کہ اُنسے گناہ کبیرہ کا مطلقاً صادر ہونا کسی طرح جائز نہیں ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً اور اسی طرح گناہ صغیرہ کا عمداً صادر ہونا بھی جائز نہیں ہے جو موجب نفرت ہو جیسے جھوٹ بولنا یا تول میں کم کر دینا وغیرہ البتہ جو صغیرہ کہ موجب نفرت نہو اُسکا عمداً بھی صادر ہونا جائز ہے اور یہ اکثر معتزلہ کا قول ہے۔

(۳) یہ کہ اُنسے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز نہیں ہے البتہ کسی گناہ کا اُنسے بوجہ تاویل صادر ہونا جائز ہے اور یہ جبائی کا قول ہے۔

(۴) یہ کہ اُنسے کوئی گناہ عمداً صادر نہیں ہو سکتا البتہ سہواً اور خطاسے صادر ہو سکتا ہے لیکن اُنسے گناہ کے اس طرح واقع ہونے پر بھی مواخذہ کرنا صحیح ہے اگرچہ ان کی اُمت سے ایسے گناہ کا مواخذہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ انبیاء کی معرفت قوی ہوتی ہے اور اُن کے پاس جو دلائل ہوتے ہیں وہ زائد ہوتے ہیں اور یہ کہ وہ گناہ سے محفوظ رہنے پر بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زائد قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) یہ کہ انبیاء سے کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہو سکتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ نہ عمداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطاءً اور یہ رافضیوں کا مذہب ہے۔

اس کے بعد امام فخرالدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ اور لوگوں نے زمانۂ عصمت میں بھی اختلاف کیا ہے اور اُسمیں تین قول ہیں۔

اول یہ کہ وہ زمانہ ولادت سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں اور یہ رافضیوں کا قول ہے۔

دوم یہ کہ وہ زمان بلوغ سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں اور یہ کہ اُنسے زمان نبوت سے پہلے کفر اور گناہ کبیرہ کا صادر ہونا جائز نہیں ہے اور یہ معتزلہ کی جماعت کثیرہ کا قول ہے۔

سوم یہ کہ وہ زمان نبوت میں معصوم ہوتے ہیں اور قبل نبوت اُنسے گناہ کا صادر ہونا جائز ہے اور یہ ہمارے اکثر اصحاب اور معتزلہ میں سے ابوالہذیل اور ابوعلی کا مختار ہے۔ اور ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء سے زمان نبوت میں کوئی گناہ صادر نہیں ہوا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ (انتہی ما اردنا نقلہ)

بالجملہ انبیاء سے گناہ کے صادر نہ ہونے میں لوگوں نے یہ مختلف رائیں بیان کی ہیں لیکن اگر کوئی شخص نبوت کے منصب جلیل اور اُسکی مہتم بالشان ہونے پر ذرا سا غور کریگا وہ ان مختلف رایوں میں سے فقط دسویں رائے کو ترجیح دینے پر مجبور ہوگا۔

اگرچہ ہمارے اوپر کے مختصر بیان سے بھی اس امر کا فیصلہ کرلینا آسان ہے مگر ہم مزید توضیح کرنے اس مطلب کی کئی دلیلوں کے ساتھ شرح کرتے ہیں۔

پہلی دلیل۔ یہ کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا گناہ سرزد ہوگا تو لوگوں کی نظر میں انکی وقعت نہ ہوگی اور انکی کسی بیان پر پورا وثوق و اعتماد حاصل نہ ہوگا اور لوگ اُنکی اطاعت کرنے کو ننگ و عار سمجھینگے اور نبوت کی غرض ناتمام رہیگی۔ **اس اجمال کی شرح** یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صادر ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ نبی کی مبعوث ہونیکی اصلی غرض جس سے لوگوں کا ہدایت پانا مراد ہے تمام نہ ہو اس لئے کہ یہ غرض اُسوقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ نبی کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا فرض نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر نبی سے کسی قسم کے گناہ کا سرزد ہونا جائز ہو تو اُنسے کذب و دروغ کا صادر ہونا ممتنع نہ ہوگا۔ اور جبکہ اُن کے دروغ گو ہونیکا احتمال ہوگا تو اُن کے احکام اور ثواب کے وعدوں اور عذاب کی دھمکیوں پر کبھی اعتماد نہ ہ

اور لوگ نبی کی اطاعت نکرینگے۔ اور نیز خدا کی حجت تمام نہ ہوگی اور خدا کی طرف سے اُن کی مبعوث ہونیکی غرض میں خلل واقع ہوگا۔ چونکہ خدائے حکیم کی غرض کے پورا نہ ہونے میں خود اُسکا شریک ہونا قبیح ہے۔ لہذا نبی کا ہرایک معصیت اور گناہ سے بری ہونا بھی ضروری ہوگا اور اس صورت میں نبی کے دروغگو ہونیکا احتمال ممتنع ہوگا۔

اور اس دلیل پر کئی اعتراض کئے گئے ہیں جنسے تعرض کرنا مناسب ہے۔

پہلا اعتراض۔ اس دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فقط احکام الٰہی کی پہونچانے میں دروغ کا صادر ہونا محال ہو اس لئے کہ ایسے دروغ سے معجزہ کا ثبوت پر دلالت کرنا باطل ہوتا ہے۔ پس انبیاء سے ایسے دروغ کا صادر ہونا محال نہ ہوگا جو احکام کے پہونچانے سے متعلق نہ ہو۔ اور اس صورت میں نبی کا ہرایک دروغ سے معصوم ہونا ثابت نہ ہوگا۔

جواب۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے ہرایک دروغ کا صادر ہونا محال نہ ہوگا تو اُن کی شریعتوں پر بھی اعتماد نہ رہیگا اس لئے کہ جس شخص سے دروغ کا صادر ہونا جائز ہوتا ہے اسکی کوئی بات بھی قابل وثوق نہیں ہوسکتی۔

دوسرا اعتراض۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے دروغ کے صادر ہونے کا محال ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو اُسی وقت قابل تسلیم ہوگا جبکہ دیدہ دانستہ صادر ہو۔ پس اُس (دروغ) سہو ونسیان کر صادر ہوجانیکا سکیگا کہ سہو ونسیان کی صورت میں آدمی معذور ہوتا ہے۔

جواب۔ اگرچہ سہو ونسیان کی صورتمیں انسان معذور ہوتا ہے اور اُس سے مواخذہ کرنا درست نہیں ہوتا لیکن اُسکی بات کا اعتبار ضرور جاتا رہتا ہے پس اگر نبی سے دروغ کا سہو ونسیان کی حالت میں صادر ہونا جائز ہوگا تو اُس سے اگرچہ مواخذہ کرنا درست نہ ہوگا لیکن اُسکی کسی بات کا اعتبار نہ رہیگا۔ اور اس صورت میں اُسکا احکام الٰہی کے بیان میں غلطی کرنا جائز ہوگا اور لوگ اُسکی باتوں پر اعتماد نکرینگے اور خدا کی اصلی غرض حاصل نہوگی

جسکا باطل ہونا ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسری دلیل۔ اگر نبی کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا فرض نہ کیا جائے بلکہ اس سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہوگا تو دو متضاد چیزوں کا واجب ہونا لازم آئیگا

اوّل اُس گناہ میں نبی کی پیروی کرنے کا واجب ہونا اس لئے کہ ہر ایک امر میں نبی کی پیروی لازم ہے جسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پارہ ۳ سورۂ آل عمران) | اے رسول کہدو اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کروتاکہ خداوند عالم تمکو دوست رکھے۔

دوم اُس گناہ میں نبی کے خلاف کرنے کا واجب ہونا اس لئے کہ گناہ کرنے سے پرہیز کرنا واجب ہے جسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (پارہ ۱۲ سورۂ ہود) | اُن لوگوں کی طرف مائل نہو جو ظلم کرتے ہیں۔

اور چونکہ دو متضاد چیزوں کا واجب ہونا محال ہے لہٰذا نبی کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا واجب ہے

تیسری دلیل۔ اگر نبی سے گناہ صادر ہوگا تو اُسکا روکنا اور منع کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے لیکن نبی کا روکنا اور منع کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اُسمیں نبی کو اذیت ہوگی اور نبی کو اذیت پہونچانا حرام ہے جسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا (پارہ ۲۲ سورۂ احزاب) | جو لوگ خدا اور اُسکے رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں خدانے اُنپر دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور انکو ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اس صورت میں نبی کا معصوم ہونا لازم ہوگا۔

تنبیہ۔ یہ دلیل اگرچہ گناہ کبیرہ کے ساتھ مخصوص اور دعوے سے اخص ہے لیکن زہ فرقہ حشویہ کے مقابلہ میں جو انبیاء علیہم السلام سے عمداً کبائر کو تجویز کرتے ہیں

پیش ہو سکتی ہے۔

چوتھی دلیل۔ اگر نبی کا معصوم ہونا ضروری نہ ہوگا تو نبی کا قابل ملامت اور مستحق عذاب ہونا لازم آئیگا جیسے حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۝ (پارہ ۲۹ سورہ جن) | اور جو شخص کہ خدا و رسول کی نافرمانی کریگا تو اسکو آتش جہنم ہے جسمیں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔

اسی طرح اُس (نبی) کا قابل لعن ہونا بھی لازم آئیگا جیسے حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ | آگاہ ہو ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

لیکن نبی کا لایق مذمت اور مستحق عذاب یا قابل لعن ہونا باطل ہے۔ لہذا اسکا معصوم ہونا لازم ہوگا

پانچویں دلیل انبیاء لوگوں کو خدا کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پس اگر وہ خود حقتعالیٰ کی اطاعت نہ کرینگے تو وہ آیات ذیل کے مصداق میں داخل ہو جائینگے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ اول سورہ بقر) | آیا تم لوگوں کو نیکی کرنیکا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھولے جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہو۔ آیا تم سمجھتے نہیں۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ (پارہ ۱۲ سورہ ہود) | اور میں تمہارے اُس امر میں مخالفت کرنا نہیں چاہتا جس سے کہ تم کو منع کرتا ہوں۔

پس جو امر کہ امت کے ادنے ادنے واعظوں کے لئے بھی مناسب وسزاوار نہیں ہے اُسکا انبیاء کے طرف منسوب کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

چھٹی دلیل بہت سی آیات سے انبیاء کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا معلوم ہوتا ہے جسکے بعد اُنسے کسی گناہ کا سرزد ہونا محال ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ (پارہ ۱۷ سورہ حج) | حق تعالے فرشتوں اور آدمیوں میں سے رسولوں کو منتخب کرتا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ پارہ ۳ سورہ آل عمران

بالتحقیق حق تعالیٰ نے آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران کو تمام عالم پر منتخب کیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا پارہ اول سورہ بقر

ہم نے اُن کو دنیا میں منتخب کیا ہے۔

اور حضرت موسیٰ کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ پارہ ۹ سورہ اعراف

میں نے تمکو تمام لوگوں میں سے اپنے پیغاموں اور کلام کے لئے منتخب کیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم اور اُنکے ذریت کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ پارہ ۲۳ سورہ ص

تم ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحق اور یعقوب کو یاد کرو جو صاحبان قوت و بصارت تھے۔ ہم نے انکو عاقبت کی یاد کے لئے خالص کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیکوکار بندوں میں سے تھے۔

پس آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء تمام لوگوں میں سے منتخب تھے اور خیر و خوبی کے ساتھ موصوف تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اُن حضرات سے کسی گناہ کا صادر ہونا اس درجہ بلند اور مرتبہ رفیعہ کے خلاف ہے۔ لہذا اُنکا معصوم ہونا لازم ہوا۔

ساتویں دلیل۔ حق تعالیٰ نے شیطان سے اس قول کو حکایت کیا ہے۔

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ پارہ ۲۳ سورہ ص

تیری عزت کی قسم ان میں سے تیرے خالص بندوں کو چھوڑکر اور تو میں سب ہی کو بہکاؤنگا۔

پس شیطان نے اُن لوگوں میں سے صرف مخلصین کو مستثنیٰ کیا ہے جو انبیاء مراد ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کی صفت میں فرماتا ہے کہ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا اور حضرت یوسف کے بارہ میں ارشاد

اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔

پس جبکہ بعض انبیاء ؑ کا معصوم ہونا ثابت ہوا تو جملہ انبیاء کا معصوم ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ انبیاء میں باعتبار عصمت کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوْہُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (پارہ ۲۲ سورہ سبا) } اور یقیناً شیطان نے اُن کی نسبت صحیح گمان کیا تھا کہ اُنہوں نے شیطان کا اتباع کر لیا۔ سوائے مومنین کے ایک جماعت کے کہ اُنہوں نے اسکا اتباع نہیں کیا۔

پس جن لوگوں نے کہ شیطان کا اتباع نہیں کیا ضرور ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہوا ہو ورنہ وہ بھی متبعین شیطان ہو جائینگے۔ پس جبکہ مومنین کی ایک جماعت سے گناہ کا سرزد نہونا معلوم ہوا تو اُس جماعت میں کلام کیا جائے کہ وہ نبی ہیں یا غیر نبی پس اگر اُنکا نبی ہونا تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ انبیاء ؑ سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا ورنہ لازم آئیگا کہ انبیاء کا درجہ غیر انبیاء ؑ سے کم ہو جسکا باطل ہونا معلوم ہے۔ پس انبیاء ؑ کا معصوم ہونا ثابت ہوا۔

نویں دلیل۔ حق تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں قرار دی ہیں

اول گروہ شیطان ہے اور وہ اصحاب خسران ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ) } وہ شیطان کا گروہ ہیں خبردار ہنا کہ شیطان کا گروہ وہی تو ٹوٹا اُٹھانے والے ہیں۔

دوم۔ گروہ خدا ہے اور وہ اصحاب فلاح و رستگاری ہیں جنکی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ) } یہ لوگ گروہ خدا ہیں۔ آگاہ ہو کہ خدا کا گروہ رستگار ہے۔

اور اسمیں شک نہیں ہے کہ گروہ شیطان وہی لوگ ہیں جنکے افعال کو شیطان پسند کرتا ہو اور

اور ظاہر ہے کہ جس فعل کو شیطان پسند کرتا ہے وہ معصیت و گناہ ہے۔ پس جو شخص کہ خدا کی معصیت کریگا وہ شیطان کے گروہ میں داخل ہوگا۔ پس اگر رسول سے معصیت کا صادر ہونا فرض کیا جائے گا تو اُسپر یہ بھی ضرور صادق آئیگا کہ وہ گروہ شیطان میں داخل ہے اور اسی طرح اُسپر یہ بھی صادق آئیگا کہ وہ خاسر و زیانکار ہے اور اس میں شبہہ نہیں ہے کہ اُمت کے زاہد لوگوں پر صادق آتا ہے کہ وہ گروہ خدا میں داخل ہیں اور یہ کہ وہ رستگار ہیں پس اس صورت میں لازم آئیگا کہ اُمت کا ایک زاہد شخص پیش خدا اُس رسول سے کہیں زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔ حالانکہ ایسے امر کا کوئی مسلمان شخص قائل نہیں ہو سکتا پس انبیا کا معصوم ہونا ثابت ہوگا

دسویں دلیل رسول فرشتہ سے افضل ہوتا ہے پس ضرور ہوا کہ رسول سے گناہ کا صادر ہونا جائز نہ ہوا اور فرشتہ سے رسول کے افضل ہونے پر حقتعالی کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ پارہ ۳ سورۂ آل عمران } خدا نے آدم و نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہان میں سے منتخب کیا ہے۔

اور اس صورت میں رسول سے گناہ کا صادر نہ ہونا اس لئے ضروری ہوگا کہ حق تعالی نے فرشتوں کو ترک گناہ کے ساتھ موصوف کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ۔ پارہ ۱۷ سورۂ انبیاء } وہ خدا پر بات کہنے میں سبقت نہیں کرتے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ پارہ ۲۸ سورۂ تحریم } وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

پس اگر رسول سے کسی گناہ کا صادر ہونا فرض کیا جائیگا تو اُسکا فرشتہ سے افضل ہونا ممتنع ہوگا اس لئے کہ حقتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا } آیا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال

الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ (پارہ ۲۳ سورہ ص) } بھلا ہم اُن لوگوں کی مثل کر دیں جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو فاجروں کے مثل کر دیں

اس صورت میں رسول کا معصوم ہونا ضروری ہوگا۔

گیارہویں دلیل - خزیمہ بن ثابت نے حضرت کے دعوے کے مطابق گواہی دی پس حضرت نے اُس سے سوال کیا کہ تم نے میرے موافق کیونکر گواہی دی۔ پس خزیمہ نے عرض کیا کہ یا حضرت میں آپ کی وحی پر تصدیق کرتا ہوں جو سات آسمانوں کے اوپر سے نازل ہوتی ہے تو کیا اس مقدار قلیل پر آپ کی تصدیق نہ کروں پس حضرت نے اُسکی تصدیق کی اور اُسکا [illegible] نام رکھا۔ اور اگر انبیاء سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہوتا تو یہ شہادت کسی طرح جائز نہ ہوتی۔

بارھویں دلیل - اگر نبی کا معصوم ہونا ضروری نہ ہوگا تو لازم آئیگا کہ اُس (نبی) کی شہادت مقبول نہ ہو اس لئے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا (پارہ ۲۶ سورہ حجرات) } اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اُسکی جانچ کر لو

مگر نبی کا مقبول الشہادۃ ہونا ضروری ہے ورنہ اُنکا عدول اُمت سے کم رتبہ ہونا ثابت ہوگا۔ علاوہ بریں جب نبی کی شہادت احکام شریعت میں مقبول ہوئی اور یہ کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں تو اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ کسی واقعہ میں اُنکی شہادت مقبول نہ ہو۔ اس لئے کہ قیامت کے روز ہمارے حضرتؐ کی شہادت تمام مکلفین پر مقبول ہوگی چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (پارہ ۲ سورہ بقر) } تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔ اور رسول تم پر گواہ رہیں۔

اعتراض - اس دلیل پر بعض مخالفین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شہادت اُسی وقت رد ہو سکتی ہے جبکہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ پر اصرار ہو اور توبہ نہ ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ انبیاء بعد صدور گناہ کے بعد توبہ کر لیا کرتے ہوں۔ اس صورت میں اُنکی شہادت کا مردود ہونا لازم نہ آئیگا

جواب - یہ اعتراض کئی وجہ سے مخدوش ہے۔

(۱) یہ کہ جس وقت کسی شخص سے کوئی گناہ کبیرہ صادر ہوتا ہے یا کسی گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اُس کی شہادت کا قبول کرنا درست نہیں ہے توبہ کرے یا نہ کرے اسلئے کہ اگر اُسکا توبہ کو ترک کرنا فرض کیا جائے تو مفسدہ مذکورہ کا لازم آنا بہت واضح ہے اور اگر توبہ کا بجالانا فرض کیا جائے تب بھی وہ توبہ کرتے وقت عادل نہو گا جسکی شہادت کا قبول کرنا صحیح ہے کیونکہ حصول عدالت کے لئے ملکہ راسخہ کا بہم پہونچنا لازم ہے جسکے لئے طول مدت کی ضرورت ہے پس لازم آئے گا کہ نبی کی شہادت اُس زمانہ تک مقبول نہ ہو جب تک کہ اُسمیں ملکہ عدالت کا بہم پہونچنا فرض نکیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اُسکا عدول اُمت سے کم رتبہ ہونا ثابت ہو گا جس کا باطل ہونا کسی طرح پوشیدہ نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ جس شخص سے کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہوتا ہے وہ محض توبہ کے بعد مقبول الشہادۃ ہو جاتا ہے تو بھی توبہ کا صادر ہونا لازم نہیں ہے۔ پس ممکن ہو گا کہ انبیا ؑ سے صدور گناہ کے بعد توبہ صادر نہو۔

(۳) یہ کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ انبیا ؑ پر صدور گناہ کے بعد توبہ کرنا لازم ہے تو کہ سکتے ہیں کہ حقتعالیٰ پر ہر ایک توبہ کا قبول کرنا اور اُس کے ذریعہ سے ہر گناہ کا تدارک کر دینا لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک توبہ کے مقبول ہونے پر کوئی قطعی دلیل قایم نہیں ہوئی۔

(۴) یہ کہ اگر ہر ایک توبہ کا مقبول ہونا اور اُسکا ہر ایک گناہ کے تدارک میں کافی ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تو اُمت کی نظر میں نبی کا صدور گناہ کے بعد محل وثوق و اعتماد نہ رہنا فطری امر ہے اور اس تقدیر پر غرض بعثت کا تمام نہ ہونا لازم آئیگا جسکا محال ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔

تیرھویں دلیل - اگر نبی کا معصوم ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو اُسکا ظالم اور عاصی ہونا لازم آئیگا۔ حالانکہ ظالم اور عاصی کا نبی ہونا صحیح نہیں ہے جسپر خداوند عالم کا یہ قول دلالت کرتا

لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ پارہ ۱ سورہ بقرہ } میرا عہد ظالموں کو نہیں پہونچ سکتا۔

چودھویں دلیل۔ اگر نبی کا معصوم ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ نبی اُن لوگوں میں داخل نہ ہو جو اُمور خیر کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ حالانکہ نبی کا اُمور خیر کی طرف سبقت کرنا ضروری ہے۔ جیسے خدا کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ پارہ ۱۷ سورہ انبیاء } وہ لوگ (انبیاء) اُمور خیر کی طرف سرعت کرتے تھے

پندرھویں دلیل۔ اگر نبی کا معصوم ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو اُنکا برگزیدگان خدا سے خارج ہونا لازم آئے گا حالانکہ حق تعالیٰ نے اُن کے برگزیدہ ہونیکی خبر دی ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝ پارہ ۲۳ سورہ ص } اور ہمارے نزدیک وہ (انبیاء) البتہ برگزیدہ اور نیکوکار بندوں میں ہیں۔

جس سے اُنکا برگزیدہ بارگاہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اُسکے تحت میں جملہ اُمور خیر مندرج ہوجاتے ہیں اس لئے کہ اُس سے استثنا جائز ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص برگزیدہ ہے مگر فلاں فعل یا ترک میں ایسا نہیں ہے اور استثنا کا جائز ہونا عموم کلام کی دلیل ہے پس ثابت ہوا کہ انبیاء جملہ اُمور میں اخیار اور برگزیدہ بارگاہ پروردگار تھے اور ظاہر ہے کہ اُنسے گناہ کا صادر ہونا اُس کے بالکل خلاف ہے۔

عصمت کی دلیلوں پر اعتراضات اور اُنکا دفعیہ } چونکہ بعض لوگوں نے عصمت انبیاء کی مذکورہ بالا دلیلوں پر کچھ اعتراض کئے ہیں لہذا اُنمیں سے بعض قوی اور زوردار اعتراضوں کا نقل کرنا اور اُنکا جواب دینا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلا اعتراض۔ مذکورہ بالا دلیلوں سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء سے کوئی گناہ سرزد نہو علی الخصوص اُن (دلیلوں) کو اس امر پر ہرگز دلالت نہیں ہے کہ انبیاء سے کوئی گناہ صغیرہ بھی عمداً صادر نہو۔ خصوصاً جبکہ اُس (گناہ صغیرہ) کا حالت سہو و نسیان میں

سرزد ہونا فرض کیا جائے کہ اسپر تو اُن دلیلوں کی دلالت کرنیکا تو ہم بھی نہیں ہو سکتا بلکہ کہ اگر اُنسے حالت سہو میں گناہ صغیرہ کا صادر ہونا فرض کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُنپر وثوق نہ رہے اور اُنکا وثوق ہرگز برطرف نہیں ہو سکتا اور یہ کہ اُنکے قول و فعل پر اعتماد کرنا صحیح نہ ہو۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ قبل بعثت اُن کی متابعت لازم نہیں ہے اور بعد بعثت اگرچہ اُنکی متابعت لازم ہوتی ہے مگر وہ اُنہیں اُموروں میں لازم ہوتی ہے جو تبلیغ احکام سے تعلق رکھتے ہیں اور اُنکے اُس فعل پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے جو اُنسے حالت سہو و نسیان میں سرزد ہوتا ہے اور شہادت کا رد کرنا اُسیوقت صحیح ہے جبکہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ پر اصرار ہوا اور توبہ واقع نہ ہو اسی طرح اُنکا گناہ پر زجر و توبیخ کرنا اسیوقت لازم ہوگا جبکہ وہ (گناہ) کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو اور اُسپر اصرار ہو اور توبہ نہوئی ہو۔ اسی طرح عذاب یا لعنت کا استحقاق بھی اُسیوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ کوئی گناہ کبیرہ دیدہ و دانستہ صادر ہو اور اُس سے توبہ نہوئی ہو۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ نبی کے لئے امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں ایذا دینیکا فرض کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ اُس سے خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور محصل کلام یہ ہے کہ مذکورۂ بالا دلیلوں سے گناہ کبیرہ کا حالت سہو میں سرزد ہونا باطل نہیں ہوتا اسی طرح اُن (وجوہ مذکورہ) سے ایسے گناہ صغیرہ کا صادر ہونا بھی باطل نہیں ہوتا جو موجب نفرت نہ ہو خواہ دیدہ و دانستہ صادر ہو یا حالت سہو و نسیان میں صادر ہو۔

معترض کی مذکورۂ بالا تقریروں کا حاصل

معترض کی مذکورۂ بالا تقریروں سے کئی امر مستفاد ہوتے ہیں۔

(۱) یہ کہ نقض غرض کی دلیل فقط بعد بعثت کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) یہ کہ بعد بعثت بھی فقط دو امروں میں جاری ہوتی ہے ایک گناہ کبیرہ کا عمداً اور دیدہ و دانستہ سرزد ہونا دوسرے صغیرہ منفرہ کا عمداً صادر ہونا۔

اس صورت میں قبل بعثت اُنسے ہر قسم کے گناہ کا صادر ہونا جائز ہوگا اور بعد نبوت اُنسے فقط گناہ کبیرہ کا عمداً صادر ہونا ممتنع ہوگا کما اختارہٗ جمہور المحققین منھم بلکہ قاضی ابو بکر نے کفر کے صادر ہونے اور تبلیغ احکام میں دروغ کے صادر ہونے کو بھی تجویز کیا ہے

جواب۔ اگر انبیاءعم کی عصمت مطلقہ کا اقرار نکیا جائیگا تو اُن (انبیاء) کے اقوال کا وثوق نرہیگا۔ اور حق تعالیٰ کی غرض کا منقوض ہونا لازم آئے گا۔ اور بندوں پر خدا کی حجت تمام نہ ہو گی۔

تنبیہ۔ اہلسنت کو عموماً اور اشاعرہ کو خصوصاً جنمیں فاضل دہلوی بھی داخل ہیں انبیاء کی عصمت مطلقہ اور نقض غرض کا دعویٰ کرنا سزاوار نہیں ہے اس لئے کہ اشاعرہ کے نزدیک اشیاء کا حسن و قبیح محض شرعی ہے چنانچہ اس مطلب کی سید شریف نے شرح مواقف میں تصریح کی ہے اور انکی عبارت کا خلاصہ یہ ہو کہ اُن سے بعد بعثت کسی کبیرہ کا عمداً صادر ہونا جمہور محققین کے نزدیک جائز نہیں ہو البتہ حشویہ کے نزدیک اُسکا صادر ہونا بھی محال نہیں ہے لیکن کلام اسمیں ہے کہ آیا یہ عدم جواز عقلی ہے یا شرعی۔ پس معتزلہ نے اول (عقلی ہونے) کو اختیار کیا ہے۔ اور اشاعرہ نے دوم (شرعی ہونے) کو اختیار کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور اشاعرہ نے نقض غرض کی دلیل سے تمسک نہیں کیا ہے اس لئے کہ نقض غرض کی دلیل سے اُسیوقت استدلال کرنا صحیح ہوگا جبکہ اشیاء کی حسن و قبح کا عقلی ہونا تسلیم کرلیا جائے۔ پس جو شخص کہ عصمت مطلقہ اور نقض غرض کا دعویٰ کریگا اُسکا قول مکر و فریب سے خالی نہوگا۔

پس فاضل دہلوی کا نقض غرض کے ساتھ استدلال کرنا خود اشاعرہ کی غرض کو باطل کریگا اور اُن (اشاعرہ) کے بنا پر کسی عقلی دلیل کا قائم کرنا درست نہوگا۔ اور اگر اشاعرہ عصمت جزئیہ کو دلیل نقلی سے ثابت کرینگے تو اُنکا کلام دور سے خالی نہوگا اس لئے کہ اس صورت میں

عصمت انبیاء دلیل سمعی پر موقوف ہوگی اور دلیل سمعی کا صحیح ہونا عصمت انبیاء ع پر موقوف ہے
البتہ اگر شیعہ عصمت انبیاء ع کو (اگرچہ اُنہیں اُمور میں کیوں نہو کہ جو تبلیغ احکام سے تعلق رکھتے ہیں) اولاً دلیل عقلی سے ثابت کریں اور اُس کے بعد بطور تائید ادلّہ سمعیہ کو پیش کریں تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ اور بعض عقلی دلیلوں میں عموم کا نہ ہونا اُن کے مطلب میں کچھ قدح پیدا نہ کرسکیگا۔ بلکہ وہ (دلیلیں) اقوال حشویہ کے باطل کرنے میں کافی ہونگی۔ پس عصمت مطلقہ کے دعوے کا جو اجماع فرقہ حقہ شیعہ بلکہ اجماع آل رسول سے ثابت ہوتا ہے بے چون و چرا تسلیم و قبول کرنا لازم ہوگا۔ اور اس مطلب کی مزید توضیح اس طرح ہوسکتی ہے کہ ہر ایک عاقل کے نزدیک انبیاء ع کی مبعوث کرنے کی غرض یہی ہے کہ وہ بندوں تک خدا کے احکام کو پہونچائیں اور اُنپر منافع و مضار کو واضح کردیں۔ اور یہ غرض اُسوقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اُن (انبیاء) کا قبل نبوت اور بعد نبوت عمداً یا سہواً ہر حیثیت سے گناہوں سے پاک و صاف ہونا فرض نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اگر اُنسے کسی گناہ کا سرزد ہونا فرض کیا جائے گا تو اُنپر اعتماد باقی نہ رہیگا۔ یہی وجہ ہے کہ خود فاضل دہلوی نے عصمت کی دلیلوں میں جنہیں اثبات عصمت جزئیہ کی غرض سے بیان کیا ہے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اگر انبیاء کا گناہ اُمت پر ظاہر ہوگا تو وہ اُن کی اطاعت سے انکار کریگی اور انبیاء کی وقعت و عظمت اُنکی نظروں سے جاتی رہیگی بلکہ ظہور گناہ کے بعد لوگ اُنکی تکذیب کرنے لگیں گے اور یہ عذر کرینگے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اپنے اخبار و مواعید میں صادق اور راستگو ہوتے تو خود ایسا کام کیوں کرتے انتہیٰ۔
پس اب نظر تامل اور چشم انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کلام سے عموم عصمت مفہوم ہوتا ہے یا نہیں اس لئے کہ اگر ایسا نہو گا تو انبیاء کی حجت بندوں پر صغائر منفردہ میں کیونکر تمام ہوگی کیونکہ اگر انبیاء صغائر سے بری نہ ہونگے اور اُنسے گناہان صغیرہ کا صدور جائز ہوگا تو بندے اُنسے اُس میں بھی وہی عذر کرسکتے ہیں کہ جو کبائر کے صدور میں عذر کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر انبیاء کی نسبت کسی گناہ کے صادر ہونیکا ادنےٰ احتمال بھی فرض کیا جائیگا۔ خصوصاً

اُن چیزوں میں جو تبلیغ سے تعلق رکھتے ہیں تو اُن (انبیارؑ) کا وثوق واعتماد زائل ہو جائیگا
وراسی طرح اگر انبیارؑ سے قبل نبوت کسی گناہ کا صادر ہونا تجویز کیا جائیگا تو بندوں پر اُنکی
حجت تمام نہو گی بلکہ بندوں کی نظروں سے اُن کی عظمت و وقعت جاتی رہیگی اور یہی سبب ہے
کہ جب حضرت خلیل نے اپنی ذریت کے لئے عہدۂ امامت کے حاصل ہونیکی درخواست
کی اور عرض کیا کہ

وَمِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ } اس مرتبہ کو میری ذریت میں بھی قرار دے۔

تو اُسکا جواب یہ ملا کہ اے ابراہیم۔

لَا يَنَالُ عَهۡدِي الظّٰلِمِيۡنَ ۝ } میرا عہد امامت ظالمین تک نہیں پہونچ سکتا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم کا صادر ہونا عہد امامت سے محروم رہنے کا سبب و علت
ہے اور چونکہ سبب مسبب پر اور علت کو معلول پر تقدم ہوا کرتا ہے۔ لہذا منصب الٰہی کے
حاصل ہونے سے ظلم سابق مانع ہوگا اور اسی طرح چونکہ کفر و فسق سے ظلم عام ہے اس لئے
کہ کافر و فاسق دونوں ظالم علی نفسہ کا مصداق ہوتے ہیں لہذا انبیارؑ کو ہر زمانہ میں ہر قسم کے
ظلم سے مبرا ہونا لازم ہوگا اس لئے کہ اگر انبیارؑ سے کسی قسم کا بھی کوئی گناہ کسی زمانہ میں
صادر ہوگا تو وہ معاذ اللہ ظالم قرار پائینگے اور اُنکو مرتبہ نبوت پانیکا استحقاق باقی نہ رہیگا۔ پس
اس دلیل کے عموم میں (خصوصًا خداوند عالم کے نص کے بعد) کوئی تامل و شک نہ رہا۔

باقی انبیارؑ کا نسیان و سہو سے بری ہونا لیس یہ مطلب دو طریقہ سے ثابت ہو سکتا ہے۔

(۱) چونکہ انبیار علیہم السلام کو خداوند عالم نے تمام افراد انسان سے منتخب و برگزیدہ کیا ہے
لہذا اُنسے کسی قسم کے گناہ کا اگرچہ سہو و نسیان سے کیوں نہو صادر ہونا اُن کے برگزیدہ
و منتخب ہونے کے مناسب نہو گا۔

(۲) اگر انبیار علیہم السلام سے کفر و معصیت کا صدور جائز ہوگا تو پھر اُمت کو اُنکی
اقوال پر اطمینان نہ رہیگا کیونکہ اس امر کا احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید یہ حکم خدا نہو اور

رسول نے اُسکی تبلیغ میں غلطی کی ہو۔ اس صورت میں منصب نبی کی غرض حاصل نہ ہوگی
پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ عمداً ہو یا سہواً۔ قبل نبوت ہو
یا بعد نبوت صادر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ الطاف ربانیہ کو وہ کفر و معصیت بھی برطرف
کرتی ہے جو زمان نبوت کے قبل سرزد ہوتی ہے اور خلق کے لئے باعث نفرت
ہوتی ہے اور امت کو اطاعت و پیروی سے باز رکھتی ہے۔ لیکن بعض حضرات نے
عصمت انبیاء کے باطل کرنے کو ضروری قرار دے رکھا ہے اور انبیاء کے دامن
عصمت پر کفر و معصیت کا دھبہ لگانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

شارح مواقف نے لکھا ہے کہ "
ہمارے اکثر اصحاب اور ایک جماعت معتزلہ اس امر کی قائل ہوئی ہے کہ قبل نبوت انبیاء
گناہان کبیرہ کا صدور جائز ہے اس لئے کہ معجزہ اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ قبل بعثت
بھی صدور کبائر ممتنع ہے۔ اور عقل بھی اسکو ممتنع نہیں جانتی اور نہ ادلہ سمعیہ اس امر پر دلالت کرتی
ہیں۔" فرقہ اشاعرہ جو اس امر کے قائل ہیں کہ عقل کو دین کے کسی امر میں دخل نہیں ہے
وہ باوجود اس کے اپنی عقول ناقصہ کو اُمور دینیہ میں دخل دیتے ہیں اور ادلہ سمعیہ
پر غور نہیں کرتے جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ اشاعرہ
کے نزدیک ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے فسق و فجور میں مدت مدید تک
مبتلا رہے ہوں مثلاً ماں کے ساتھ زنا بھی کیا ہو۔ باپ کے ساتھ لواطہ بھی کیا ہو
خون ناحق اور شراب خواری بھی کی ہو۔ اور باوجود اس کے وہ مرتبہ نبوت پر فائز ہوں
اور جبرئیل امین اُن پر نازل ہوں اور ملائکہ مقربین سے (جنہوں نے ایک لحظہ بھی معصیت خدا
نہیں کی ہے) افضل بن جائیں حالانکہ ملائکہ کا معصوم ہونا بنص قرآنی ثابت ہے
چنانچہ حق تعالیٰ اُن (ملائکہ) کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ ۔ { وہ جن چیزوں پر مامور ہوتے ہیں اُنہیں خدا کی نافرمانی نہیں کرتے

بلکہ اسی مقام سے واضح ہوگیا کہ انبیاءؑ بھی معصوم ہیں اس لئے کہ وہ (انبیاءؑ) ملائکہ سے افضل ہیں پس جبکہ ملائکہ کا معصوم ہونا ثابت ہے تو انبیاءؑ کا معصوم ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا اور دوسری عبارت میں اس مطلب کی اس طرح بھی تقریر ہوسکتی ہے کہ عصمت سے محض ترک معصیت ہی مراد نہیں ہے بلکہ اُس سے طبیعت کا پاک وصاف ہونا اور نفس کا انواع کمالات کے ساتھ موصوف ہونا اور معرفت خدا کے اعلیٰ درجہ اور مکارم اخلاق اور محاسن عادات کا حاصل ہونا مراد ہے اور خصوص نبی میں با وجود اسکے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وحی آسمانی کے ساتھ مؤید ہوتا کہ وہ (نبی) ہر وقت رحمت پروردگار کا اُمیدوار رہے اور کسی وقت امر ونہی خدا سے تجاوز نہ کرے۔ پس گویا کہ عصمت وہ ملکہ راسخہ ہے جو کسی وقت جدا نہیں ہوسکتا۔ پس ایک معصیت کے صدور کا قائل ہونا اور دوسرے کی نفی کرنا یا عمد وسہو میں تفرقہ کرنا یا ایک وقت میں معصیت کا جائز رکھنا اور دوسرے وقت میں اُسکی نفی کرنا بیجا ہوگا۔ اس لئے کہ جو ہر وقت الطاف خدا کا اُمیدوار اور اُس کی جلالت قدر پر مطلع اور اُسکی عظمت وشان پر ناظر ہوگا وہ ایک لحظہ کے لئے بھی معصیت خدا کا شریک نہ ہوسکیگا اور کسی آن میں خدا سے غافل نہ ہوگا۔ اور چونکہ انبیاءؑ کے لئے زمانہ طفولیت ہی سے کمال عقل حاصل ہوتا ہے اور عظمت الٰہی کا وہ ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور خلاق عالم کی محبت اُن کے قلوب میں اور ہر قسم کی اطاعت کا شوق اُن کے دماغ میں جاگزین ہوتا ہے لہذا صدور معصیت کا تصور اُن سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ اُن لوگوں سے سخت تعجب ہے جو انبیاءؑ کی نسبت جو چاہتے ہیں کہتے ہیں اور جس امر کو چاہتے ہیں اُنکی طرف منسوب کرتے ہیں وہ گویا انبیاءؑ کو خدا کی معصیت سے محفوظ رکھنے نہ رکھنے کی زمام اپنے ہی ہاتھ میں رکھتے ہیں جس معصیت کو چاہتے ہیں اُنپر جائز کردیتے ہیں اور جس معصیت سے چاہتے ہیں بری کردیتے ہیں اور مقربان بارگاہ ربانی پر خطا ونسیان ونافرمانی خدا کو عام لوگوں کی طرح جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس قول کی بنا پر عالم سے امان مرتفع ہوجائیگی اور اُن کے اقوال وافعال

اطمینان باقی نرہیگا اس لئے کہ جو شخص عظمت الٰہی کو نظر انداز کریگا جو کچھ چاہیگا وہ کریگا اور جو کچھ اُس سے واقع ہو جائے (اگرچہ غفلت و ذہول کے سبب ہی سے کیوں نہو) کوئی محل تعجب نہو گا۔

اعتراض عصمت کے یہ معنی مسلم نہیں ہیں البتہ خداوند عالم پر صرف اسیقدر واجب ہے کہ انبیار کو وقت تبلیغ مخالفت سے باز رکھے۔

پس ایسی مخالفت سے خدا کا روک دینا اُن چیزوں کے ترک کا باعث ہو جائیگا۔ جو تبلیغ کے منافی ہوں۔ اور باقی اُمور میں چونکہ کوئی ضرورت نہیں ہے لہذا خدا مانع بھی نہو گا۔ پس معلوم ہوا کہ نبی سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔

جواب ۔ حقتعالیٰ حکیم ہے اور وہ نبوت کے لئے ایسے ہی حضرات کو منتخب کرتا ہے جو اُس کے مستحق ہوں اور وہ (خدا) کسیکو قہر و غلبہ سے نہیں روکتا والا جبر لازم آئیگا۔ پس عصمت کا حسن طبیعت اور طہارت نفس اور کیفیات راسخہ سے تعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ ہر کس و ناکس کو نبوت ایسے مرتبہ رفیعہ کے لئے خدا پسند فرمائے اور ایک وقت خاص میں اُسکے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور دوسرے وقت میں ان گناہوں سے مانع نہو۔ اور یہ مطلب اُس شخص پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا جو احادیث و نصوص سے واقفیت رکھتا ہے۔ اور جبکہ اولیار خدا کو مشاہدہ عظمت الٰہی ہر وقت حاصل ہوتا ہے اور سوائے اطاعت و محبت محبوب کوئی امر مطمح نظر نہیں ہوتا تو انبیائے اُسکے خلاف کا کیونکر خیال ہو سکتا ہے۔

اسی مقام سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ علامہ تونجی کا یہ کلام ،، کہ یہ دلیلیں مطلق گناہ کی نفی پر خصوصاً صغیرہ پر جو سہواً صادر ہو) دلالت نہیں کرتیں اس لئے کہ مطلق گناہ خصوصاً صغیرہ سے وثوق باطل نہیں ہوتا ،، محض ظاہری ہے اس لئے کہ علامہ تونجی نے بعثت سے خدا کی غرض کو وثوق عرفی میں (جو عدل کے مساوی ہے) منحصر جانا ہے اور یہ نہ خیال کیا کہ اگر اسی قدر خدا کو مطلوب ہوتا تو انبیار اور غیر انبیار کے درمیان کوئی فرق نہ ہوتا۔ اور ہر عادل

صلاحیت بعثت کی ہوتی حالانکہ خود اشاعرہ نے نبوت میں چند ایسے امور کا اعتبار کیا ہی جنکا وہ غیر نبی میں اعتبار نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ عادل کیوں نہو۔ پس معلوم ہوا کہ خداوند عالم نے انبیاء رع کو گناہوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایسی توفیق کرامت فرمائی ہے جسکے سبب معصیت کا صادر ہونا باوجود قدرت واختیار محال ہو جاتا ہے عمداً ہو یا سہواً قبل نبوت ہو یا بعد نبوت خواہ وہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ۔

دوسرا اعتراض۔ چونکہ نبی کی اطاعت قبل زمانہ بعثت امت پر واجب نہیں ہی لہذا یہ بھی ضروری نہوگا کہ وہ قبل نبوت گناہوں سے پاک وصاف ہو۔

جواب۔ ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی کی اطاعت قبل زمانہ بعثت لازم نہیں۔ لیکن باوجود اس کے نبی سے گناہ ہونا قبل بعثت صادر ہونا بھی محال ہے اس لئے کہ اگر قبل نبوت کوئی نبی خطاکار ہو گا تو بعد بعثت بھی اُسکی اطاعت میں خلل پڑ جائیگا۔ اور لوگوں کی نظروں سے اُسکی وقعت جاتی رہیگی۔ یہی وجہ ہے جو شخص ایک مدت تک ضلالت وعصیان میں بسر کرتا ہے۔ لوگ اُسکے قول پر وثوق نہیں کرتے بلکہ اُس سے متوحش اور متنفر ہو جاتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں بھی نبی کی اطاعت جو بعثت کی اصلی غرض ہے کیونکر حاصل ہوگی۔ **اسکے علاوہ** یہ ہے کہ فاسق وگنہگار میں ریاست عامہ کی لیاقت اور نبوت کے درجہ رفیعہ کی قابلیت نہیں ہوسکتی پس جو شخص کہ مدت تک کفر یا معصیت میں بسر کر چکا ہو وہ خداوند عالم کے الطاف وکرم کا مستحق کیونکر ہوسکتا ہی

تیسرا اعتراض۔ بعد بعثت بھی انبیاء کا انہیں امور میں معصوم ہونا لازم ہوگا جو تبلیغ احکام سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے کہ معجزہ سے اسیقدر ثابت ہوتا ہے۔

جواب۔ اگر یہ اعتراض تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ نبی اُن چیزوں میں جو تبلیغ احکام سے تعلق نہیں رکھتے جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور ہر ایک گناہ کا مرتکب

ہو سکتا ہے لیکن اس امر کا باطل ہونا اوپر کی تقریروں سے بخوبی معلوم ہو چکا ہے لہذا انبیاء
کی عصمت کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرنا لغو ہوگا اور حق یہ ہے کہ گناہ ہونا
کسی شخص سے صادر ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کی کچھ پروا نہیں کرتا
اور یہ کہ وہ عذاب اُخروی کا خوف نہیں رکھتا اور جو شخص ایسا ہوگا وہ محل اعتماد نہ ہوسکیگا
اور نظروں سے اُسکی عظمت ساقط ہو جائیگی۔

چوتھا اعتراض کوئی عاقل اس امر کا قائل نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص سے کسی امر کا سہواً سرزد ہونا
ممنوع ہے اس لئے کہ سہو کا عارض ہونا اُس کے اختیار سے باہر ہے اور اُسمیں وہ معذور
سمجھا جاتا ہے پس اگر انبیاء سے کسی گناہ کا از راہ سہو صادر ہونا یا تبلیغ میں خطا کا واقع ہو جانا
فرض کیا جائے تو وہ (انبیاء) کیوں نہ معذور سمجھے جائینگے۔

جواب۔ اگر انبیاء ع سے کسی گناہ یا خطا کا صادر ہونا فرض کیا جائیگا تو لوگوں کو انکے
قول پر وثوق نہ رہیگا اور غرض بعثت حاصل نہ ہوگی جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔
لہذا انبیاء ع سے گناہ وخطا کا صادر ہونا مطلقاً باطل ہوگا اگرچہ از راہ سہو صادر ہو۔

عصمت انبیاء پر شبہات اور اُنکا دفعیہ

اگرچہ انبیاء ع کا ہر ایک قسم کے گناہ سے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ عمداً صادر ہو یا سہواً قبل نبوت ہو
یا بعد نبوت ہر حالت میں معصوم ہونا عقل ونقل سے ثابت ہو چکا ہے جسکے بعد اُنکے معصوم
ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن بعض لوگوں کو انبیاء کے ایسے واقعات
دیکھکر جنمیں اُنسے گناہ صادر ہونیکا توہم ہوتا ہے۔ اور کتاب ربانی کے وہ آیات پڑھکر
جنمیں اُنکی نسبت لفظ معصیت یا ظلم کا استعمال کیا گیا ہے اُن حضرات کے معصوم
ہونے میں شبہ پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ ادلہ عقلیہ ونقلیہ سے جب عصمت انبیا ثابت ہو چکی
تو اُسکے بعد اُنکا یہ شبہ کسی عاقل کے نزدیک باوقعت نہیں ہوسکتا۔ ایسی حالت میں جو

واقعات کہ اُن حضرات کی طرف ایسے منسوب کئے جائیں کہ جنمیں گناہ کے صادر ہونیکا شائبہ ہو اگر وہ خبر واحد کے ذریعہ معلوم ہوئے ہیں تو انہیں تاویل کرنا یا انکار کر دینا واجب ہے اور اگر خبر متواتر سے معلوم ہوئے ہیں تو جب تک کوئی محمل صحیح نکلے اُسپر محمول کرنا ورنہ اس کا ترک اولے کے قبیل سے قرار دینا لازم ہوگا اور اُنکا گناہ نام رکھدینا یا اُن سے استغفار کرنا یا اُنکی وجہ سے انبیاء کے ظالم ہونے کا اعتراف کرنا اُس (ترک اولیٰ) کی منافی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ امر ممکن اور بہت ممکن ہے کہ ایسے الفاظ اُنکی جلالت قدر کے ظاہر کرنے کی غرض سے استعمال کئے گئے ہوں تاکہ اس امر پر کافی روشنی پڑجائے کہ یہ حضرات اِس قدر عالی مرتبہ اور مقرب بارگاہ صمدیت ہیں کہ جو چیزیں عامہ مکلفین کے لئے گناہ نہیں ہوتیں اور ایسے اُمور پر اُنسے کسی قسم کا مواخذہ درست نہیں ہوتا وہ انبیاء کی لئے کمال تقرب کی وجہ سے گناہ کے ساتھ تعبیر کیجاتی ہیں۔ (اگرچہ حقیقت میں وہ گناہ نہیں ہوتیں) اور اسی مطلب پر حدیث سول بھی دلالت کرتی ہے۔

حسنات الابرار سیئات المقربین } نیکوکار لوگوں کی نیکیاں مقربین کیلئے گناہ ہیں۔

اور اسی طرح وہ آیات قرآنیہ جنمیں حضرات انبیاء کی طرف کسی لغزش اور معصیت وغیرہ کی نسبت دی گئی ہے وہ اپنی حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہوسکتیں بلکہ اس قسم کے آیات مجاز واستعارہ پر مبنی اور ترک اولیٰ پر محمول ہیں جس طرح کہ وہ آیات وروایات جنسے خداوند عالم کا اپنی مخلوق کے مشابہ ہونا مفہوم ہوتا ہے تاویلات صحیحہ پر محمول کئے گئے ہیں۔

علامۂ مجلسی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ آیات و اخبار کہ جنسے معصیت کا انبیاء سے صادر ہونا مفہوم ہوتا ہے درحصل سُول اور ارتکاب مکروہ یا ترک اولی پر محمول ہیں۔

اور چونکہ انبیاء کے جلالت مرتبہ کے مقابلہ میں یہ امور بھی عظیم ہیں اس لئے اُن کی تعبیر معصیت سے کی گئی ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء کا تذکرہ کر دیا جائے۔ اور انکی عصمت کے متعلق لوگون کو جو فاسد خیالات پیدا ہوے ہیں اُنکو تاریکی سے روشنی میں لایا جائے تاکہ جویاے حق کو حق و باطل میں امتیاز کر لینا سہل و آسان ہو۔

عصمت حضرت آدم

مخالفین عصمت نے جناب ابوالبشر حضرت آدمؑ کے معصوم ہونے پر کئی اعتراض کئے ہیں جنکا تذکرہ اور اُنسے بروجہ اجمال تعرض کیا جاتا ہے۔

پہلا اعتراض - خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وَعَصٰی آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ) { آدمؑ نے اپنے پروردگار کی معصیت کی پس وہ گمراہ ہوگئے

اس آیہ شریفہ میں باریتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے عاصی ہونے کو صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا ہے اور عاصی اُسی شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ کیونکہ عاصی کو بموجب نص قرآنی عقاب ہوگا اور صاحب کبیرہ کی بھی یہی مراد ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ۔ (پارہ ۲۹ سورہ جن) { اور جو شخص کہ خدا اور اُسکے رسول کی نافرمانی کریگا تو اُسکے لیے آتش جہنم ہے۔

پس اس آیہ سے معلوم ہوگیا کہ حضرت آدمؑ معصوم نہ تھے ورنہ خداوند عالم اُنکو عاصی نفرماتا جو منافی عصمت ہے۔ اور اسی طرح غوایت سے خلاف رشد مراد ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت آدم غاوی تھے۔ جو منافی عصمت ہے۔

جواب - معصیت درحقیقت حکم کی مخالفت کرنے کو کہتے ہیں جسطرح کہا جاتا ہے کہ

امرت فلانا بکذا وکذا من الخیر فعصانی۔ { یعنے فلان شخص کو فلاں فلاں اچھی بات کا حکم دیا پس اُسنے میری معصیت کی۔

لکن حکم کرنا واجب و مندوب سے عام ہے۔ واجب کا بھی حکم ہوتا ہے اور مندوب کا بھی

اس مقام پر جس طرح حکم واجب پر عمل نہ کرنے والے کے لئے عصیان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے
اُسی طرح حکم مندوب پر عمل نہ کرنے والے کے لئے بھی عصیان کا لفظ مستعمل ہوتا ہے
یہ اور بات ہے کہ حکم واجب پر عمل نہ کرنے والے کو حقیقۃً عاصی کہتے ہیں اور حکم مندوب پر
عمل نہ کرنے والے کو مجازاً عاصی کہتے ہیں کیونکہ پہلے پر عقاب ہوتا ہے اور دوسرے پر
عقاب نہیں ہوتا پس اسکے لئے کون امر مانع ہے کہ حضرت آدمؑ کو درخت گندم سے
تناول نہ کرنے کا جو حکم تھا وہ مندوب تھا اور واجب نہ تھا۔ اور حضرت آدمؑ کے تناول
کر لینے میں حکم مندوب کی مخالفت لازم آتی ہے جس پر عصیان کے لفظ کا استعمال کرنا تو
درست ہے مگر حقیقۃً وہ عصیان نہیں ہے اسی لئے خداوند عالم نے آیہ شریفہ میں لفظ
عصیٰ کا استعمال فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت آدم نے حکم مندوب کی مخالفت کی تھی مگر حقیقت
عصیان مراد نہیں ہے اس لئے کہ اُنہوں نے حکم واجب کی مخالفت نہیں کی اور مخالفت
عصمت تو حقیقی عصیان ہو سکتا ہے جو حکم واجب کی مخالفت سے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔
پس آیہ شریفہ سے حضرت آدمؑ کے معصوم نہ ہونے پر استدلال کرنا کسیطرح درست نہیں ہو سکتا
البتہ اس مقام پر یہ توہم ہو سکتا ہے کہ جب عصیان کا ترک واجب اور ترک مندوب دونوں میں
استعمال ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس مقام پر ہم ترک مندوب کو ترجیح دیتے ہیں اور ترک واجب نہیں لیتے
اور اس توہم کا جواب یہ ہے کہ باریتعالیٰ کے قول عصیٰ آدم ربہ فغویٰ سے کا ظاہر یہ ہے
کہ غوایت انکی معصیت کی جزا ہے اور یہ معصیت کی وجہ سے جس جزا کا کہ اُن کو استحقاق ہو سکتا تھا
وہ اسی جزا میں منحصر ہے بایں معنے کہ اس جزا کے علاوہ کسی دوسرے امر کو اُنکی جزا میں دخل
نہیں ہے اور از بسکہ حقتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی معصیت پر نفس غوایت ہی کو مترتب فرمایا ہے
لہٰذا معلوم ہوا کہ علاوہ خیبت اور حرمان ثواب کے اُنکی معصیت کی اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے
جس کو جزا ہونے میں دخل ہو اور یہ کلام اُسیوقت درست ہوتا ہے جبکہ حضرت آدمؑ کا
مخالفت مندوب کرنا فرض کیا جائے۔ اس لئے کہ اگر حضرت کا واجب کی مخالفت کرنا

فرض کیا جائیگا تو خیبت وحرمان ثواب کے علاوہ عقاب و عذاب کا بھی استحقاق پیدا ہوگا جو غوایت کے تمام جزا ہونیکی منافی ہے لہذا حضرت کے فعل کا مخالفت مندوب پر محمول کرنا بہ نسبت مخالفت واجب کے ضروری قرار پائیگا۔ اور غوایت کا تین معنوں میں اطلاق ہوتا ہے۔ ایک تو ضلالت (گمراہی) دوسرے عدم رشد۔ تیسرے خیبت وزیان کاری۔ پس اس مقام پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ غوایت کا ضلالت یا عدم رشد کے معنوں میں استعمال فرض کیا جائے جبکہ کلام عرب میں زیان کاری کے معنوں میں بھی غوایت کا استعمال ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

فمن یلق خیرا یحمد الناس امرہ ۔ ومن یغو لا یعدم علی الغی لائما

اور اسمیں کوئی شبہ بھی نہیں کہ حضرت آدمؑ ایک امر مندوب کو چھوڑ دینے سے نقصان اور ٹوٹے میں رہے جو ثواب عظیم کہ انکو اسپر عمل کرنے سے حاصل ہوتا وہ فوت ہوگیا پس اس آیہ سے حضرت آدمؑ کا ثواب سے محروم رہنا ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ گمراہ تھے اور ثواب سے محروم رہنا منافی عصمت نہیں قرار پا سکتا۔

دوسرا اعتراض - خداوند عالم حضرت آدم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (پارہ ۱ سورہ بقر) } پس آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات (ملے) خدا نے انکی توبہ قبول کرلی۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ (پارہ ۱۶ سورہ طہ) } پھر انکو پروردگار نے منتخب کیا اور انکی توبہ قبول کرلی

اور توبہ بغیر گناہ کے نہیں ہوتی۔ جو تائب ہو وہ گنہگار ضرور ہے۔ اس لئے کہ تائب اسی شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گناہ پر نادم ہو اور جو نادم ہوتا ہے وہ اپنے گنہگار ہونیکی خبر دیتا ہے پس اگر وہ اس خبر میں صادق ہے تو اسکا گنہگار ہونا ثابت ہوا جو منافی عصمت ہے اور اگر وہ اسمیں کاذب ہے تو اس کا کاذب ہونا ثابت ہوگا اور جو کاذب ہو وہ معصوم نہیں ہے۔

جواب۔ توبہ کے لغوی معنی رجوع کے ہیں اور اُسکا استعمال ہمارے لئے بھی ہوتا ہے خداوند عالم کے لئے بھی۔ اور ہمارے نزدیک اور ہمارے اُصول کی بنا پر توبہ عقاب کے ساقط ہوجانے کا سبب نہیں ہوتی بلکہ توبہ کے وقت خداوند عالم عقاب کو تفضلاً ساقط فرما دیتا ہے اور وہ (توبہ) صرف استحقاق ثواب کا سبب ہوا کرتی ہے۔ پس اس عنوان سے توبہ کو قبول کرلینا ضمانت ثواب کے مرادف ہے۔ پس قول واجب تعالیٰ فتاب علیہ کے یہ معنی ہونگے کہ خدا نے توبہ کو قبول فرمایا اور اُسکے ثواب کا ضامن ہوگیا۔

تیسرا اعتراض۔ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ (پارہ ۱ سورہ بقرہ) } اور اُس درخت کے پاس نہ جانا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

الم انھکما عن تلکما الشجرۃ (پارہ ۸ سورۃ الاعراف) } کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو درخت کے پاس جانیکی نہی فرمائی تھی مگر حضرت آدمؑ نے اُسکا ارتکاب کیا۔ اور جس چیز کی کہ خدا نے نہی فرمائی ہو اُسکا کرنے والا گنہگار ہے۔ پس حضرت آدمؑ گنہگار ہونگے۔ اور آپکی عصمت باقی نہ رہے گی۔

جواب۔ نہی جسطرح فعل حرام سے ہوتی ہے اُسی طرح فعل مکروہ پر بھی ہوتی ہے اور لفظ معصیت اور صیغہ نہی کا جس طرح کہ فعل حرام میں استعمال ہوتا ہے اُسی طرح فعل مستحب کے ترک کرنے اور فعل مکروہ کے بجالانے میں بھی ہوتا ہے اگرچہ فعل حرام میں اسکا استعمال بطور حقیقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی مخالفت کرنے والا مستحق عقاب ہوتا ہے اور فعل مکروہ میں اُس (نہی) کا استعمال بطور مجاز ہوتا ہے کیونکہ اسکی مخالفت کرنیوالا مستحق عقاب نہیں ہوتا۔ اس آیہ مبارکہ میں بھی فعل حرام سے نہی کا مراد لینا لازم نہیں ہے

بلکہ ہوسکتا ہی کہ فعل مکروہ سے نہی فرمائی ہو۔ اور اسکو نہی تنزیہی کہتے ہیں نہی تحریمی کی مخالفت قادح عصمت ہوسکتی ہے نہ نہی تنزیہی کی پس آیہ مبارکہ سے حضرت کے معصوم نہ ہونے پر استدلال کرنا بعید از عقل ہے۔ اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر آیہ شریفہ میں فعل حرام سے نہی مراد نہ تھی بلکہ فعل مکروہ کی ممانعت مقصود تھی تو پھر خداوند عالم نے اُنکو جنت سے کیوں نکالدیا۔ اگر ان سے معصیت صادر نہوئی ہوتی تو اُنکی اسقدر توہین نہ کیجاتی۔ تو ہم کہینگے کہ یہ امر مسلم نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ معصیت کی وجہ سے نکالے گئے بلکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو زمین پر اُتاری جانیکا سبب کوئی اور امر ہو۔ چنانچہ بعض احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے زمین ہی کی بود و باش مقدر تھی اور جنت سے اوتارے جانے کا بھی یہی سبب تھا۔ اور ظاہر قرآن مجید میں جس ترتیب کا موجود ہونا مفہوم ہوتا ہی اُس کا اعتبار قطعی نہیں ہی۔ اور بعض حضرات نے اس مقام پر یہ کہا ہے کہ اُسکا کھانا خود بہشت میں متنعم نہ رہنے کا سبب قرار پائے۔ اور یہ امر اُنکی توہین کے لئے نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ اُسکا کھانا خود بہشت سے دوری کا سبب ہو۔ اور اسی مصلحت سے آپکا ہبوط ہوا ہو نہ معصیت اور توہین کی غرض سے جسطرح کہ کوئی طبیب کسی مریض بادشاہ کو اُن لذیذ غذاؤں کے کھانے سے منع کردے جن کو کہ وہ صحت میں کھایا کرتا تھا تو اس سے بادشاہ کی توہین مقصود نہیں ہوتی۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو نوع درخت کے پاس جانے کی ممانعت کیگئی تھی لیکن حضرت آدمؑ نے اُس سے درخت مخصوص کی ممانعت سمجھی تھی اور دوسرے درخت کا ارتکاب کیا تھا۔ چنانچہ عیون اخبار رضا میں منقول ہے کہ حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ سے فی الحقیقت کوئی گناہ منافی عصمت ثابت نہیں ہوا کیونکہ خدا نے اُن دونوں سے یہ فرمایا تھا

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ اس درخت کے پاس نہ جانا۔

اور یہ نہیں فرمایا تھا۔

ولا تاکلا من هذه الشجرة ولا مما کان من جنسها ﴾ اس درخت میں سے اور جو اس جنس کے ہیں اُنہیں سے کچھ نہ کھانا۔

پس آدم و حوا اس درخت کے پاس ہرگز نہیں گئے اور وسوسۂ شیطان سے اگر کچھ کھایا تو اسی جنس کے ایک اور درخت سے کھایا۔ لہذا کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔

چوتھا اعتراض - خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ پارہ ۱ سورۂ بقر ﴾ پس تم ظالموں میں ہو جاؤ گے۔

اس کے علاوہ خود حضرت آدمؑ نے بھی اپنے ظالم ہونیکا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم اُنکی حکایت فرماتا ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا۔

اور جو ظالم ہے وہ ملعون ہے جیسے آیۂ شریفہ

الا لعنة الله علی القوم الظالمین

دلالت کرتی ہے اور ملعون وہی شخص ہے جو گنہگار ہو۔ اور جو گنہگار ہوگا وہ معصوم نہیں ہو سکتا۔

جواب - خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو جو نہی فرمائی تھی وہ تنزیہ کے لئے تھی۔ جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے لہذا حضرت آدمؑ کے ظالم ہونے سے یہ مراد ہوگی کہ اُنہوں نے اپنے نفس پر ستم کیا اور جو ثواب کہ اُن کے لئے حاصل ہوتا اُسکو ضائع کر دیا۔ جس طرح کہ اس مقام پر غوایت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اُن منفعتوں سے محروم رہے۔ جو اُس فعل کو بجا لانے سے حاصل ہوتیں۔

پانچواں اعتراض - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (پارہ ۱ سورہ بقر) — شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی اور جس حالت میں وہ دونوں تھے اسمیں انکو نہ رہنے دیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ شیطان نے حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ کو دھوکا دیا تھا جسکی وجہ وہ اُن نعمتوں سے علیحدہ کئے گئے جو اُن کے لئے وہاں پر مہیا تھیں۔

جواب۔ شیطان نے جو اُن دونوں کو دھوکا دیا تھا اُس سے شیطان کا اُن دونوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر دینا مراد ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں اُس ثواب سے محروم رہے جو امر اولے کے بجالانے پر مترتب ہوتا۔

تنبیہ۔ حضرت آدمؑ (و نیز دیگر انبیاء) کے واقعات کو حقیقۃً معصیت میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ لکن قرآن مجید میں اُسکی معصیت اور غوایت سے تعبیر کرنا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی اولاد اور اُمت کو تنبیہ ہو جائے تاکہ وہ معصیت الٰہی سے ڈرتے رہیں اور چھوٹی سی چھوٹی معصیت پر بھی اقدام نہ کریں اور اہل حق کے نزدیک اُن کی اُس لغزش کو معصیت صغیرہ کے ساتھ بھی تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ اُس کی ترک اولیٰ سے تعبیر کیجاتی ہے۔ معصیت کا حمل ترک اولیٰ پر اور نہی کا حمل تنزیہ پر ظاہر دو جواب ہے جسکو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ شریعت میں نہی کا تحریم اور تنزیہ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اس مقام پر تنزیہ کے معنی ہیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے کہا ہے کہ دراصل لفظ کا استعمال حقیقت شرعیہ اور عرفیہ میں ہوا کرتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے جو ہر جگہ جاری ہوتا ہے۔ فریقین کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اور سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے جو حمل کیا ہے وہ اس قاعدہ کے خلاف کیا ہے۔ اور میں حضرت آدمؑ کی خطا کے ثابت کرنے میں جناب امیرؑ کے قول کی تائید کرتا ہوں کہ حضرت نے ایک خطبہ میں حضرت آدمؑ کی

خطا کو بیان فرمایا ہے۔ انتہیٰ۔

ابن ابی الحدید اسقدر بھی نہیں سمجھا کہ جب کوئی قرینہ موجود ہو تو کلام کا حمل اُن معانی پر جائز ہے جو ظاہر نہوں۔ اس لئے کہ وہ قرینہ حقیقی معنوں کے ارادہ سے مانع (روکنے والا) ہوتا ہے پس جسطرح کہ تم خداوند عالم کے اس قول

بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء } بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

میں حقیقی معنی کا ارادہ نہیں کر سکتے تو آیہ مبارکہ میں نہی کا حمل اور کلام جناب امیرؑ میں لفظ خطیہ کا حمل مجازی معنی پر ہو تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ حاشا کہ خداوند عالم یا امیرالمومنینؑ نے حضرت آدمؑ کی خطا کو حقیقۃً ثابت کیا ہو۔ اس جگہ بیضاوی نے جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ کی موافقت کی ہے۔ ابن ابی الحدید سے سخت تعجب ہے کہ اُس نے یہ قاعدہ کہ "کلام کو حقیقت پر حمل کرنا چاہیئے" یاد رکھا اور مجاز کے قاعدہ کو جو کلام عرب میں بہت مستعمل ہے طاق نسیان پر رکھدیا۔ آیا فاسئل القریۃ میں ظاہر آیت مراد لیتے ہیں یا نہیں۔ صورت اول میں لازم آئیگا کہ جمادات سے سوال کرنا صحیح ہو۔ اور صورت دوم میں لفظ کا اس کے معنی مجازی پر محمول کرنا اور اسکے معنی حقیقی سے دست بردار ہونا لازم آئے گا۔ پس جبکہ محققین علماء کے نزدیک ایسی آیات میں تاویل کرنا لازمی ہے تو اس مقام پر بھی آیات مذکورہ بالا کا ظاہر مراد نہ ہوگا جس طرح کہ آیات تشبیہ میں اُنکے ظاہر کا ترک کرنا ضروری قرار پاتا ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ کا معنی حقیقی پر محمول کرنا اسی مقام پر لازم ہے جہاں کہ معنی حقیقی کے مراد لینے میں کوئی خرابی لازم نہ آئے ورنہ لفظ کا معنی مجازی پر محمول کرنا ضروری ہے اب چونکہ عصمت انبیاءؑ پر ادلہ قطعیہ قائم ہو چکے ہیں لہذا ان آیات و روایات کا معنی مجازی پر محمول کرنا لازم ہوگا۔ جس سے کسی قسم کی

معصیت کا انبیاء سے صادر ہونا متوہم ہوتا ہے جیسا کہ آیات تشبیہ و تجسیم میں علماء فریقین کا طریقہ اور طرز عمل ہے۔ اس کے علاوہ غیر قطع کا معارض قطع نہ ہونا جمیع عقلاء کے نزدیک مسلم ہے۔ اس مقام پر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب میں بیان کیا ہے چونکہ پہلو عقلی اور نقلی دلیلوں اور تمام شیعوں کے اجماع سے معلوم ہو چکا کہ پیغمبر نبوت سے پیشتر اور نبوت کے بعد چھوٹے اور بڑے سب گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ پس جو آیتیں اور جو اخبار کہ اس وہم میں ڈالتے ہیں کہ انبیاء سے معصیت صادر ہوئی انہیں مستحب کے ترک کرنے اور فعل مکروہ کے بجا لانے کے ساتھ تاویل کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں اور نافرمانی مستحب کے ترک کرنے اور مکروہ کے بجا لانے میں بھی ہوتی ہے اور غوایت کے معنی محروم رہنے کے ہیں۔ اور جو شخص کہ امر فعل کو ترک کرے کہ جسکا بجا لانا بہتر ہے۔ تو اپنی منفعت کو کم کر دیگا۔ اور اس نفع سے محروم رہے گا۔ اور ظلم کا استعمال چند معنوں میں ہوتا ہے (۱) کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اسکی جگہ نہو (۲) راہ سے عدول کرنا۔ (۳) کسی چیز کو کم کر دینا (۴) ستم کرنا۔ مکروہ کے بجا لانے اور مستحب کے ترک کرنے میں بھی ظلم صادق آتا ہے اس لئے کہ اُسنے فعل کو ایسے محل پر قرار دیا ہے جو اُس کے مناسب نہ تھا اور خداوند عالم کی کامل بندگی سے عدول کر کے اپنے کو ثواب سے محروم رکھا اور جس طرح کہ نہی حرام سے ہوتی ہے اُسی طرح مکروہ سے بھی ہوتی ہے۔ اور جس طرح واجب کے لئے حکم ہوتا ہے اُسی طرح مستحب کے لئے بھی ہوتا ہے اور توبہ اس نفع کے تدارک کے لئے ہے جو اُس سے فوت ہو گیا۔ اور وہ مکروہ کے بجا لانے اور مستحب کے ترک کرنے سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ حقتعالیٰ کے نزدیک یہ ایک قسم کا تذلل (انکساری) ہے جو اُسکو لطف میں لاتی ہے۔ اگرچہ اُس میں کسی قسم کا کوئی گناہ نہو۔ چنانچہ عامہ اور خاصہ کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رسول خداؐ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ باوجودیکہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اب اگر بعض کلمات کا گناہ میں حقیقت ہونا فرض بھی کیا جائے

تو اُنکا مجاز پر محمول کرنا معین ہوگا اور ایسا ہوتا ہے کہ ضعیف قرینہ کی وجہ سے بھی لفظ کو مجازی معنوں پر حمل کر لیتے ہیں پس اُس جگہ مجاز پر کیونکر حمل نکیا جائیگا۔ جہاں کہ ادلہ قطعیہ قائم ہوں۔

سوال۔ ترک اولیٰ کی تعبیر میں ایسی عبارت کا اختیار کرنا جس سے معصیت اور گناہ کا صادر ہونا ظاہر ہوتا ہو کیونکر صحیح ہوا اس لئے کہ اُس میں خلاف مراد کا ابہام ہوتا ہے جس کا حکیم مطلق سے صادر ہونا صحیح نہیں ہے۔

جواب۔ حکیم مطلق سے ایسے خطاب پر عتاب کے صادر ہونے میں یہ لطیف نکتہ ملحوظ ہے کہ انبیاء ؑ اگرچہ اُسکے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں لیکن حقتعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے مقابلہ میں وہ عتاب کے قابل اور مواخذہ کے لائق ہیں اور اُنپر حق تعالیٰ کی احکام کی فرمانبرداری حد درجہ کی بیداری کے ساتھ لازم ہے اور اُن کی عبادت باوجودیکہ اعلیٰ پیمانہ پر واقع ہوتی ہے باوجود اسکے عظمت الٰہی کے نظر سے وہ بھی نکتہ چینی کر خالی نہیں ہوسکتی تاکہ عام لوگوں کے لئے یہ گمان نہو کہ وہ خالق دُنیا اور مدبر عالم ہیں۔ اور یہ کہ وہ حضرات ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں غایت خشوع و خضوع کے ساتھ پیش آئیں اور اپنی طاعت و عبادت پر ہرگز اعتماد نکریں اور یہ کہ اُنکی اعلیٰ عبادت بھی حقتعالیٰ کی حقیقی شان سے کم رتبہ رہتی ہے اور حقتعالیٰ کی اطاعت کا حق اُن حضرات سے بھی باوجود کمال جانفشانی کے ادا نہیں ہوسکتا۔ پس جبکہ انبیاء کے مقدس دلوں میں حقتعالےٰ کی عظمت کا یہ گہرا خیال ہر دم جارہے گا تو اُنسے قول و فعل میں کسی لغزش کا صادر ہونا محال ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ انبیاء ؑ کا فعل اگرچہ درحقیقت ہر طرح کی معصیت اور گناہ سے بری ہوتا ہے لیکن اُن کی کامل معرفت کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اُنسے اطاعت الٰہی کے سوا کوئی فعل مرجوح یا مباح بھی صادر نہو اور باوجود اسکے اُن حضرات کو دنیوی ضرورتوں کی وجہ سے بعض مباحات کی طرف متوجہ

ہونیکا اتفاق ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی مقدس ذات کے غیر محدود عظمت کے منافی قرار پاتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اُنکے اعمال پر ایسی عبارتوں کا اطلاق فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود وہ حضرات بھی عبودیت اور اظہار فروتنی کے مقام میں ایسی عبارتوں کو اپنی مبارک زبانوں پر جاری کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن بزرگواروں کو لوگوں کی ہدایت کرنے میں جو اشتغال کرنا پڑتا ہے وہ اُنکے محل تقرب کے بعید قرار پاتا ہے۔ جبکہ وہ ان دونوں مرتبوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس مقام کو بہ نسبت اپنے محل تقرب کے نہایت پست و حقیر سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت خطا گناہ وغیرہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ بندہ کی نظر میں جسقدر کہ حقتعالیٰ کی عظمت اور جلال کا تصور زائد ہوتا ہے اُسی قدر اپنے عمل کی قلت اور ضعف و عاجزی کی شدت پر متنبہ ہوتا ہے۔ پس وہ اپنی اعلیٰ عبادت کو بھی اُس کے مرتبہ جلال سے کہیں کم پاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ممکنات کے اعمال واجب الوجود کی درگاہ کے قابل نہیں ہیں پس وہ اس انحطاط کو تصور کرکے اپنے آپ کو خاطی اور قصور وار ٹھہراتے ہیں اور اپنے شکریہ کو اُس کی غیر متناہی نعمتوں کے مقابلہ میں ہیچ اور بے حقیقت سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت اُنھیں الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو گنہگار بندوں کے شایاں ہوتے ہیں اور جب وہ چشم بصیرت اور گہری نظر ڈالکر دیکھتے ہیں اور اس امر کو جان لیتے ہیں کہ طاعت کا بجا لانا صفات پسندیدہ کو اختیار کرنا خدا ہی کی توفیق سے ہوتا ہے اور گناہوں سے پرہیز کرنا اُسی کے بچانے سے ہوتا ہے۔ اور جب تک توفیق خدا شامل حال نہو انسان ہر وقت معرض گناہ میں رہتا ہے۔ پس اگر وہ کہیں میں وہ ہوں کہ جتنے گناہ کئے میں وہ ہوں جسنے خطائیں کی ہیں تو ممکن ہے کہ اس کلام سے یہ مراد ہو کہ میں وہ ہوں کہ اگر تیری توفیق شامل حال نہ ہوتی تو میں ان سب اُمور کا مرتکب ہوتا۔ اس کی نظیر بادشاہوں

امرا اور رعایا اور خادموں کے احوال پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ بادشاہ اپنی رعایا اور خادموں سے اُسی خدمت کو متعلق کرتے ہیں جو اُن کی قرب منزلت اور معرفت وغیرہ سے مناسب ہے۔ اور اُسی نسبت سے اُنسے مواخذہ بھی کرتے ہیں رعایا کی بہت سی خطائیں ایسی ہوتی ہیں جنسے بسبب اُن کی ناواقفی کے درگذر کرتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص مقربین سے ہوتا ہے اور اُس سے کوئی تھوڑا سا بھی ایسا امر جو خلاف ادب ہو صادر ہو جاتا ہے تو اُسپر عتاب و سرزنش کیجاتی ہے بلکہ اگر یک طرفۃ العین بھی کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو اُنکو کسقدر تنبیہ و تادیب کیجاتی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مقرب بادشاہ اظہار نعمت و لطف بادشاہ کے لئے جو اسپر ہے بہت ہی عاجزی و فرمانبرداری سے کہتا ہے کہ میں سراپا تقصیر ہی تقصیر ہوں میری کوئی خدمت آپ کے شان کے موافق نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ سب آپ ہی کی بدولت ہے۔ میں بہت ہی عاصی و گنہگار ہوں یعنی اگر آپ کا لطف نہوتا تو ایسا نہوتا۔ اور بلاؤں میں بھی مبتلا ہونیکا سبب اسی طرح ہے جیسا کہ حسین بن روح نے باب ابتلاء انبیاء و اوصیاء میں فرمایا ہے جبکہ پیغمبروں سے بہت سے ایسے معجزات بموجب حکمت و لطف پروردگار ظہور میں آئے کہ لوگ اُنکا مثل لانے سے عاجز ہوئے تو اسکا اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ اس سبب سے اُنکی شان میں افراط کریں حکمت خدا اس امر کو مقتضی ہوئی کہ ایک وقت تو اُنکو غلبہ ہو۔ اور دوسرے وقت وہ مغلوب قرار پائیں تاکہ لوگ اُنکے بارہ میں غلو نکرنے لگیں اور سمجھیں کہ وہ بھی بشر ہیں اور اپنے امور میں حقتعالیٰ کی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔

عصمت حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کے بعض واقعات دیکھکر لوگوں نے انبیاء کے معصوم ہونے پر اعتراض کئے ہیں۔ اور وہ کئی ہیں۔

پہلا اعتراض۔ خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠

سورہ بقر ۔ پارہ ۳

اور جبکہ ابراہیم نے یہ عرض کیا تھا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کیا تمکو یقین نہیں ہے عرض کی ضرور ہے لیکن اسلئے کہ میرا قلب مطمئن ہوجائے۔ فرمایا چار پرندے پھر انکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ملاکے ہر ہر پہاڑ پر انکا ایک ایک ٹکڑا ڈالدو۔ پھر انکو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئینگے اور یہ سمجھ لو کہ خدا زبردست اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خداوند عالم سے یہ پوچھنے کی یہ خواہش کرنا کہ وہ مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے اسامر کو مقتضی ہے کہ آپ کو اس امر کا یقین نہ تھا کہ خداوند عالم مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ایک مچھلی کی طرف گذر ہوا جسکا نصف حصہ خشکی میں اور نصف حصہ دریا میں تھا۔ اور بری اور بحری حیوانات اُسکو کھاتے تھے پس شیطان نے آپ کے دل میں یہ خطرہ پیدا کردیا کہ اسکے اجزاء کا حیوانات کے شکموں میں منقسم و متفرق ہونیکے بعد پھر اُسی طرح مرکب ہوکر زندہ ہوجانا نہایت بعید ہے پس حضرت ابراہیم کو شک ہوا اور آپ نے اس مطلب کا سوال کیا جو آیت میں مذکور ہے۔

جواب یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کو ہرگز اس امر میں شک نہیں ہوا تھا کہ خدا مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ بلکہ آپ اپنے یقین پر ثابت قدم تھے۔ البتہ اس امر کو دیکھنا ضرور چاہتے تھے کہ وہ مردوں کو زندہ کیونکر کرتا ہے تاکہ علم استدلالی اور علم بدیہی دونوں کے ساتھ یقین ہو جائے اس لئے کہ جس قدر دلائل و شواہد زائد ہوں اُسی قدر یقین و ایمان میں زیادتی ہوگی۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ جمع الجوامع میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

رب ارنی ای بصرنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال له ذلک سبحانه وقد علم انه اثبت الناس ایمانا لما فیه من الفائدة للسامعین وهذه الف استفهام المراد به التقریر قال بلی هو ایجاب بعد النفی ومعناه بلی امنت ولکن لیطمئن قلبی لیزید طمانینة وسکونا بان یضام العلم الضروری علم الاستدلال اذ تظاهر الادلة ازید للبصیرة والیقین والمراد بطمانینة القلب العلم الذی لا مجال فیه للشک۔

اے میرے پروردگار تو مجھکو دکھا دے کہ مردوں کو تو کیونکر زندہ کرتا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ایمان نہیں لائے ہو اس لئے کہ معاذاللہ حق تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کا تمام لوگوں میں زیادہ ثابت الایمان ہونا معلوم تھا تاکہ سننے والوں کے لئے فائدہ حاصل ہو اور یہ الف استفہام ہے جس سے تقریر مقصود ہے حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ بلیٰ (ہاں) یہ جو نفی کے بعد ایجاب کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ میں ایمان لایا ہوں لیکن تاکہ میرا دل زائد مطمئن ہو جائے بایں معنی کہ علم نظری کے ساتھ علم ضروری بھی منضم ہو جائے اس لئے کہ دلائل کے تظاہر سے بصیرت و یقین زائد ہوتا ہے اور دل کے مطمئن ہو جانے سے یہ مراد ہے کہ ایسا علم حاصل ہو جائے جسمیں شک کرنے کی مجال نہ رہے۔

اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آیا جناب ابراہیم کو (آپ کے) دل میں

کچھ شک تھا فرمایا نہیں۔ حضرت ابراہیم کے دل میں یقین تھا اور انہوں نے یہ چاہا کہ خدا اُنکے یقین کو اور زیادہ کردے۔

دوسرا اعتراض حضرت ابراہیم نے متعدد بار دروغ کا ارتکاب کیا ہو جو عصمت کے منافی ہے اور اس اعتراض کی شرح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سے تین بلکہ چار دروغ صادر ہوئے

اول یہ کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں کی نسبت فرمایا

هٰذَا رَبِّي } یہ میرا پروردگار ہے۔

دوم یہ کہ حضرت ابراہیم نے کفار کے بتوں اور معبودوں کی نسبت فرمایا ہے۔

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ } بلکہ اس کام کو اُن کے بڑے معبود نے کیا ہو۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا۔

إِنِّي سَقِيمٌ } میں بیمار ہوں۔

چہارم یہ کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا۔

سَارَةُ أُخْتِي } سارہ میری بہن ہے۔

حالانکہ حضرت سارہ اُن کی اہلیہ تھیں۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہو سکتے ہیں

پہلا جواب یہ کہ نبی کا معصوم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ پس نقلی دلیل کا اسکے مقابلہ میں پیش کرنا درست نہو گا۔ اس لئے کہ نقلی دلیل کا معتبر ہونا نہ ہونا بھی عقل ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں نقلی دلیل کا تاویل کرنا لازم ہوگا۔

دوسرا جواب یہ کہ اگر اس دلیل کا صحیح ہونا تسلیم کیا جاوے تو لازم آئے گا کہ نبی سے شرک ایسے گناہ کا صادر ہونا صحیح ہو۔ اس لئے کہ غیر خدا کو اپنا پروردگار قرار دینا شرک ہے۔ حالانکہ نبی سے ایسے گناہ کا صادر ہونا کسی مسلمان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

تیسرا جواب ۔ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قرآن شریف میں جو اقوال منقول

ہوے ہیں اُنسے حضرت ابراہیمؑ کا دروغ فرمانا ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُنسے حضرت کا لوگوں کو شرک و بُت پرستی سے باز رکھنا اور اُنکو توحید خدا کی طرف ہدایت کرنا ثابت ہوتا ہے اِس مطلب کی فی الجملہ شرح یہ ہے کہ کاہنوں نے نمرود کو خبر دی تھی کہ عنقریب ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جو بُت پرستی کو روئے زمین سے نیست نابود کریگا اور اُس کی جگہ خدا پرستی اور توحید کے مذہب کو جاری کریگا۔ اس خبر کے بعد نمرود نے عورتوں اور مردوں میں جدائی ڈالنے کی کوشش شروع کی اور خورد سال بچوں کے قتل کرنیکا حکم دیا۔ اُسی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادر گرامی کو درد زہ عارض ہوا اور وہ بحکم خدا ایک غار میں تشریف لے گئیں اور اسی غار میں حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُسی غار میں چھوڑا اور خود بحکم خدا باہر آگئیں۔ اور اُس (غار) کے دہانہ پر ایک پتھر رکھدیا۔ پس حقتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے انگوٹھے میں دودھ پیدا کردیا جسکو پیتے اور سیراب ہوجاتے تھے۔ اور ایک دن میں حضرت کے بدن نے اسقدر نشو ونما پایا جتنا جسقدر کہ معمولی بچوں کے لئے ایک مہینہ میں ہوتا ہے۔ پس جبکہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک کے تیرہ سال گذرے اور ایک روز آپکی مادر گرامی آپسے ملنے کے لئے غار میں تشریف لائیں تو آپ نے اُنسے عرض کیا کہ مجھکو باہر لیچلیئے۔ آپ کی مادر گرامی نے ارشاد فرمایا کہ مجھکو خوف ہے کہ لوگ تمکو قتل کرڈالیں۔ پس جبکہ حقتعالیٰ کی طرف سے آپکو باہر آنیکی اجازت حاصل ہوگئی تو آپ غار سے باہر تشریف لائے۔ اُسوقت آفتاب نے غروب کیا تھا آپ نے اُسوقت ستارۂ زہرہ کو ملاحظہ فرمایا۔ اور از راہ انکار یا بطور استخبار فرمایا۔

هٰذَا رَبِّيْ ج پارہ ۷ / سورۂ انعام } کیا یہ میرا پروردگار ہے۔

پس جبکہ زہرہ غائب ہوگیا تو آپ نے خیال کیا کہ کافروں پر محبت خدا کو اسطرح تمام اور اپنی غرض کو ظاہر فرمائیں کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو اُسکا غائب ہونا اور اپنی جگہ سے حرکت کرنا معقول نہ ہوتا۔ پس آپنے فرمایا۔

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿پارہ ۷ سورۂ انعام﴾ میں غروب ہونے والی چیزوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پس جبکہ ماہتاب کو روشن دیکھا ارشاد فرمایا۔

هٰذَا رَبِّيْ ﴿ یہ میرا پروردگار ہے۔

اور جب ماہتاب نے بھی غروب کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿پارہ ۷ سورۂ انعام﴾ اگر مجکو میرے پروردگار نے ہدایت نہ کی تو اُن لوگوں میں داخل ہو جاؤنگا جنھوں نے پروردگار کی راہ کو گم کیا ہے۔

پس جبکہ صبح ہوئی اور آفتاب نکلا اور اُسکی روشنی سے تمام روے زمین منور ہوگیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ﴿پارہ ۷ سورۂ انعام﴾ یہ میرا پروردگار ہو یہ دوسرے ستاروں سے بڑا ہے۔

پس جبکہ اُسنے بھی غروب کیا تو آپنے ارشاد فرمایا۔

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿پارہ ۷ سورۂ انعام﴾ اے قوم میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔

پس ہمارے اس بیان سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ اقوال محض بت پرستی کے باطل کرنے اور توحید کے رواج دینے کی غرض سے صادر ہوئے اس لئے کہ جو چیز حرکت اور غروب کے ساتھ موصوف ہوتی ہے وہ حادث اور جو حادث ہے اُسکی عبادت جائز نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کے قابل وہ شخص ہے جس نے اُن ستاروں کو خلعت وجود عطا فرمایا ہے اور وہ حادث چیزوں کے اوصاف سے منزہ اور پاک ہے۔ اور یہ وہ حجت ہے جو خدا کی طرف سے حضرت ابراہیم کو عطا فرمائی گئی چنانچہ وہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ﴿پارہ ۷ سورۂ انعام﴾ یہ ہماری حجت ہے جو ہمنے حضرت ابراہیم کو دی جسکی وجہ سے وہ اپنی قوم پر غالب آئے۔

بہرحال ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہرگز کسی ستارہ کو اپنا پروردگار نہیں فرمایا بلکہ اُس کو محض اتمام حجت کے لئے کفار سے بطور استخبار ارشاد فرمایا تھا اور اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ آیا یہہ ستارے میرے پروردگار ہو سکتے ہیں حالانکہ حدوث اور نقصان کے اوصاف اُن میں موجود اور محسوس ہیں رہا حضرت کا قول اِنِّي سَقِيمٌ اُس سے بھی حضرت کا دروغ ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کے معنوں میں کئی احتمال ہیں۔

اول یہ کہ اِنِّي سَقِيمٌ (میں بیمار ہوں) سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آیندہ سقیم ہونیکو مراد لیا ہو اور یہ امر نہو کہ میں اسیوقت بیمار ہوں اس لئے کہ لفظ سقیم سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت اُسی وقت بیمار ہونیکا ارادہ کریں بلکہ چونکہ آئندہ بیمار ہونے والے تھے اس لئے آپنے فرمایا کہ اِنِّي سَقِيمٌ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ {پارہ ۲۳ / سورہ زمر} تم بھی مردہ ہو اور وہ مردہ ہیں۔

یعنی آیندہ لہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں اور اس قسم کا استعمال اہل زبان کے یہاں بکثرت ہے اور قرآن شریف میں بھی اسکی شواہد بکثرت موجود ہیں جیسے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ {پارہ ۲۰ / سورہ قصص} وجہ خدا کے سوا ہر چیز ہالک ہے

اور لبید شاعر کہتا ہے۔

لہ اس مطلب کی اس طرح بھی تقریر ہو سکتی ہے کہ جملہ اِنّکَ میت و انھم میتون سے اگر قضیہ مطلقہ عامہ مراد لیا جائے تو اُس میں کسی زمانہ کا ماخوذ ہونا اور اُس کا جملہ فعلیہ کے عام ہونا معلوم ہو پس جبکہ اُس میں کوئی زمانہ نہو تو خصوص زمانہ حال کا مراد لینا اُس میں نہیں ہوگا اور اُس سے قضیہ منتشرہ مطلقہ مراد لیا جائے تو اُس میں اگرچہ زمانہ ماخوذ ہوتا ہے مگر کوئی خاص زمانہ ماخوذ نہیں ہوتا پس اُس سے خصوص زمانہ حال کا مراد لینا صحیح نہوگا۔ اور احتمال دوم کا مراد لینا بظاہر اولیٰ ہے اس لئے کہ اہل منطق نے صیغہ فاعل میں زمانہ کا اعتبار کیا ہے بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُنہوں نے اُس میں خصوص زمانہ استقبال ہی کا اعتبار کیا ہے اس صورت میں اشکال مذکور بدون دقت مندفع ہو جائیگا ۱۲۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ + وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

یعنی ہر ایک شیٔ سوائے خدا کے باطل ہے + اور ہر ایک نعمت ضرور بر طرف ہونے والی ہو

دوم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی اس کلمہ سے یہ مراد ہو کہ میں مرنے والا ہوں اس لئے کہ جو مرنے والا ہوتا ہے وہ ضرور سقیم ہوتا ہے۔ اس تقدیر پر سقیم سے موت مراد ہوگی۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی اس کلمہ سے یہ مراد ہو کہ میرا سقیم ہونا قرین قیاس ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں پلیگ کی بیماری پھیلی ہوئی تھی اور لوگ حضرت کو اپنی عید میں اپنے ہمراہ لیجانا چاہتے تھے اور حضرت کو اپنا جانا منظور نہ تھا اس لئے آپنے اول ستاروں کی طرف نظر کی بعد اسکے فرمایا اِنِّي سَقِيمٌ جس سے وہ لوگ سمجھیں کہ انہوں نے ستاروں کو دیکھکر ایسا فرمایا ہے لہذا یہ بیمار ہو جاتے ہیں یا بیمار ہیں انکا ہمراہ لیجانا مناسب نہیں ہے۔ اور حضرت کی غرض یہ نہ تھی کہ میں ضرور بیمار ہونگا یا بیمار ہوں بلکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ میرا سقیم ہونا قرین قیاس ہے۔ اس صورت میں بھی آپکا مرتکب دروغ ہونا ثابت نہوگا۔ بلکہ حضرت کا کلام از قبیل توریہ ہوگا۔ جس کا استعمال کرنا ضرورت کے وقت ممدوح ہوتا ہے۔

چہارم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی غرض اس کلمہ سے یہ ہو کہ میں درد دین کی وجہ سے سقیم اور مریض ہوں کہ لوگ خدا پرستی کو چھوڑے ہوئے اور بت پرستی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور لوگوں نے اس کلام سے یہ سمجھا ہو کہ آپ در اصل بیمار ہیں۔

پنجم یہ کہ حضرت نے اس کلمہ سے اپنا غم امام حسین علیہ السلام میں بیمار ہونا مراد لیا ہو جیسا کہ کافی میں حضرت ابراہیمؑ سے منقول ہے۔

اِنِّي سَقِيمٌ لِمَا يَحِلُّ بِالْحُسَيْنِ یعنی میں اس مصیبت کی وجہ سے بیمار ہوں جو حسینؑ پر نازل ہوگی اور کافروں نے حضرت کے کلام سے ظاہری مطلب سمجھا ہو۔

ششم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ کو تقیہ کی حالت میں ارشاد فرمایا ہو اور اس جگہ تقیہ کا یہ مطلب ہے کہ حضرت نے اس کلمہ کو دشمنوں اور مشرکوں کے خوف سے

توریہ کے عنوان پر استعمال کیا ہو۔

توریہ کے معنی — اور توریہ سے یہ مراد ہے کہ انسان اپنے مطلب کو کسی ایسی عبارت میں ادا کرے جسکے دو معنی ہوں اور اُنمیں سے ایک معنی مراد لے اور مخاطب اُس سے دوسرے معنی سمجھے اور ظاہر ہے کہ کسی مطلب کا توریہ میں ادا کرنا اور چیز ہے اور دروغ کہنا اور چیز ہے۔ اس مطلب کی چند مثالوں کے ساتھ شرح کیجاتی ہے۔

توریہ کی مثالیں

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک مخالف مذہب حاضر تھا اُس نے ایک شیعہ سے سوال کیا۔

ماتقول فی العشرۃ من الصحابۃ } تم عشرہ مبشرہ کے حق میں کیا کہتے ہو۔

شیعہ۔ میں اُن کے حق میں کلمۂ خیر کہتا ہوں جسکی وجہ سے حق تعالےٰ میرے گناہوں کو بخشتا ہے اور میرا درجہ بلند کرتا ہے۔

مخالف۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھکو تیری دشمنی سے نجات دی مجھکو خیال تھا کہ تم صحابۂ کبار کو دشمن رکھتے ہو۔ اور اُنکو بُرا کہتے ہو۔

شیعہ۔ تم میرے عقیدہ سے آگاہ ہو کہ صحابہ میں سے جو شخص ایک صحابی کو دشمن رکھیگا وہ ملعون ہے۔

مخالف۔ شاید تم نے کوئی تاویل کی ہو مگر تم صاف لفظوں میں یہ کہدو کہ جو شخص عشرہ مبشرہ کے ساتھ دشمنی کرے وہ کیسا ہے۔

شیعہ۔ جو شخص عشرہ مبشرہ کے ساتھ دشمنی کرے اُسپر خدا اور فرشتوں بلکہ تمام جہان کی لعنت

مخالف۔ تم میری خطا کو بخشدو کہ میں تمکو رافضی ہونیکے ساتھ متہم کرتا تھا۔

شیعہ۔ مجھکو تم سے اس بارہ میں کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے تم میرے بھائی ہو۔

پس جبکہ مخالف اُس جگہ سے چلا گیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مرد مؤمن کو مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم نے نہایت معقول کلام کیا۔ حق تعالیٰ تمکو اس کی جزا خیر عطا فرمائے۔ تمہارے توریہ کرنے سے خدا کے مقرب فرشتے خوش ہوئے تم نے اپنے دین میں بھی کسی قسم کا خلل نہ آنے دیا۔ اور اپنے نفس کو بھی اُسکے ہاتھ سے محفوظ رکھا حق تعالیٰ ہمارے مخالفین کی گمراہی کو زائد کرے۔ حضرت کا یہ کلام سُنکر بعض لوگوں نے جو توریہ کی حقیقت سے آگاہ نہ تھے عرض کیا کہ اس (مؤمن) نے تو بظاہر اپنے مخالف مذہب کی موافقت کی ہے پھر آپ نے ان کی اسقدر مدح کیوں فرمائی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے اُسکی مراد کو نہیں سمجھا تو ہم نے ضرور سمجھا ہے۔ اور حقتعالیٰ نے اُسکے قول کو قبول فرمایا ہے۔ اور جبکہ ہمارے دوستوں میں سے کوئی شخص ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں گھر جاتا ہے تو حقتعالیٰ اُسکو ایسے معقول جواب کی توفیق دیتا ہے جو اُس کے دین اور آبرو کو اُن بدبختوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس اس مرد مؤمن کے اس قول سے کہ۔

من ابغض واحداً منهم فعليه لعنة الله۔	جو شخص صحابہ میں ایک کو دشمن رکھے تو اُسپر خدا کی لعنت ہو۔

یہ مراد تھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک کو دشمن رکھے کہ وہ حضرت امیرالمؤمنینؑ ہیں تو اُسپر خدا کی لعنت ہو۔ اور اُس کے اس قول سے کہ

من ابغضهم فعليه لعنة الله	جو عشرہ مبشرہ کو دشمن رکھے اسپر خدا کی لعنت ہو۔

یہ مراد تھی کہ جو ان دسوں کو دشمن رکھے اُسپر خدا کی لعنت ہو۔ اور یہ قول بالکل درست ہے اس لئے کہ جو شخص دسوں کو دشمن رکھیگا وہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کو بھی دشمن رکھیگا اور اسی وجہ سے وہ خدا کی لعنت کا مستحق ہوگا۔

(۲) اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اسی قسم کے توریہ کا خزقیل مؤمن آل فرعون

کو بھی اتفاق ہوا تھا کہ وہ (خرقیل) فرعونیوں کو مخفی طور سے ہمیشہ اس امر کی ہدایت کرتے تھے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کریں اور حضرت محمد مصطفےٰ کو باقی جملہ پیغمبروں سے افضل اور ان کے وصی حضرت امیر المومنین اور باقی اماموں کو باقی جملہ اوصیاء سے افضل سمجھیں اور فرعون کی خدائی کا انکار اور اُس سے بیزار ہونیکا اعتقاد رکھیں پس لوگوں نے فرعون سے خرقیل کی بدگوئی کی اور بیان کیا کہ وہ لوگوں کو تمہاری مخالفت پر آمادہ کرتے اور تمہاری دشمنوں کی تائید کرتے ہیں۔ فرعون نے اُن لوگوں سے کہا کہ خرقیل میرا چچازاد بھائی ہے اور میرا ولیعہد ہے۔ میں اسبات کی تحقیق کرتا ہوں۔ پس اگر تمہاری بات سچی نکلی تو میں خرقیل کو سخت سزا دونگا اس لئے کہ اُسنے میری نعمت سے پرورش پائی ہے اور اس صورت میں اُسکا احسان فراموش ہونا ثابت ہوگا اور اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو میں تمکو سخت سزا دونگا اس لئے کہ اس صورت میں تم میرے عزیز قریب کے بدخواہ قرار پاؤگے۔ اسکے بعد فرعون نے خرقیل کو طلب کیا اور اُن لوگوں سے مقابلہ کرایا۔ اُن لوگوں نے خرقیل سے کہا کہ تم فرعون کی خدائی کا انکار کرتے ہو۔ یہ بات سُنکر خرقیل نے فرعون سے کہا کہ اے فرعون آیا میں نے تمہارے سامنے کبھی کوئی جھوٹ بات کہی ہے۔ اُس نے کہا کہ ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔ خرقیل نے کہا کہ تم ان سے سوال کرو کہ انکا خدا کون ہے اُسوقت میں بھی حقیقت حال کو بیان کرونگا اُن لوگوں نے بیان کیا کہ ہمارا پروردگار فرعون ہے۔ اسکے بعد خرقیل نے سوال کیا کہ تمہارا خالق (پیدا کرنیوالا) کون ہے اُنہوں نے کہا فرعون۔ پھر سوال کیا کہ تمہارا رازق (روزی دینے والا) کون ہے اُنہوں نے کہا کہ فرعون۔ خرقیل نے سوال کیا کہ وہ کون ہے جو مصیبت و بلا کے وقت تمہاری کفالت کرتا ہے اور تمہاری ضروریات کو بہم پہونچاتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ فرعون۔ ان باتوں کے بعد خرقیل نے فرعون سے مخاطب ہوکر کہا کہ اے بادشاہ میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں کا خدا میرا خدا ہے۔ اور

خالق میرا خالق ہو- اور انکا رازق میرا رازق ہے- اور میں اُس شخص سے بالکل بیزار ہوں جو انکا خالق اور رازق اور کفیل نہیں ہے- اور میں اُسکی خدائی کا اعتقاد نہیں رکھتا ہوں یہ اور حزقیل کی مراد یہ تھی کہ جو انکا حقیقی پروردگار ہے وہی میرا بھی پروردگار ہے- اور اُن کی یہ مراد تھی کہ جس شخص کو اُن لوگوں نے اپنا پروردگار قرار دیا ہو وہی میرا پروردگار ہے- لیکن فرعون اور اُس کے تابعین نے اُنکی مراد کو نہ سمجھا- وہ یہی سمجھے جس شخص کے پروردگار ہونیکا اُنہوں نے اقرار کیا ہے اُسی کی پروردگار ہونیکا حزقیل نے بھی اقرار کیا ہے- پس حزقیل کے چغلخوروں پر فرعون غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ یہ لوگ میری بادشاہت میں مفسدہ برپا کرنا اور میرے عزیز قریب کو ہلاک کرانا چاہتے ہیں اسکے بعد اُن کے عذاب کرنے اور سزا دینے کا حکم صادر کیا پس اُنمیں سے ہر ایک کے سینہ اور پنڈلی پر ایک ایک آہنی میخ گاڑی گئی- اور شکنجہ سے اُنکی کھالیں کھینچ لی گئیں-

(۴۳) خلیفۂ اول ایک دفعہ حضرت رسول خداؐ کے ہمراہ جاتے تھے لوگوں نے اُن (خلیفہ اول) سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں آپ نے فرمایا-

رجل یھدینی السبیل } یہ ایک مرد ہیں جو مجھکو راستہ کی ہدایت کرتے ہیں-

اس کلام سے پوچھنے والا یہی سمجھا کہ ان کی مراد لفظ سبیل سے راستہ ہے اس لئے وہ یہ سُنکر چلا گیا- مگر خلیفہ اول کے لفظ سبیل سے راہ حق مراد تھی اگر خلیفہ صاحب یہ توریہ نہ کرتے تو نہ معلوم کیا مفسدہ پیش آتا-

اور حضرت ابراہیم نے کفار کے بتوں اور معبودوں کی نسبت جو فرمایا تھا-

بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون ۵ { پارہ ۱۷ سورۂ انبیاء } بلکہ اسکو ان کے بڑے بت نے کیا ہو پس تم اُن سے پوچھو اگر وہ گویائی رکھتے ہیں-

تو حضرت ابراہیم نے جملہ شرطیہ کو بیان فرمایا ہے- اور حضرت کی مراد یہ ہے کہ اگر تمہارے یہ معبود گویائی رکھتے ہوں تو یہ فعل تمہارے بڑے معبود نے کیا ہو تم اُن سے سوال کرو

لکن چونکہ وہ سب گویائی نہ رکھتے تھے اس لئے اُن کے بڑے بت نے وہ کام بھی
نہیں کیا اس لئے کہ حضرت نے اپنے قول بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ کو اپنے قول
إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ کے ساتھ مشروط کیا اور شرط کا موجود نہ ہونا مشروط کے موجود نہ ہونیکو مقتضی ہوتا ہے
اس تقدیر پر حضرت کا دروغ ہرگز ثابت نہ ہوگا بلکہ مشرکین کی بے وقوفی اور حماقت پر
تنبیہ ہوگی کہ تم لوگ ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو گویائی پر بھی قدرت نہیں رکھتیں
اسکے علاوہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کلام سے مشرکین اور بت پرستوں پر
استہزا کرنا اور اُنکا ساکت کرنا مقصود تھا بایں معنے کہ بُت پرستوں کے خدا ایسے ناقص
اور عاجز ہیں کہ کسی کام پر قدرت نہیں رکھتے تاکہ وہ لوگ اپنے خداؤں کی حالت پر نظر
کریں کہ آیا اُن سے کسی قسم کا نفع یا ضرر صادر ہو سکتا ہے یا نہیں اور جبکہ اُن کو یقیناً
معلوم ہو جائے کہ وہ بالکل قاصر و عاجز ہیں تو اپنے اعتقاد اور اُنکی پرستش سے باز
آئیں چنانچہ ہمارے بیان کی اس آیۂ شریفہ کے بعد کی آیۂ مبارکہ سے تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ۞ پارہ ۱۷ سورہ انبیاء	اُن کفار نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کی اور کہنے لگے کہ تم اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہو۔

اور اسی مطلب کو جناب ثقۃ الاسلام نے کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے
نقل کیا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ

انما قال بل فعله كبيرهم ارادة الاصلاح و دلالة على انهم لا يفعلون	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول بل فعله كبيرهم کو اصلاح کی غرض سے بیان فرمایا تھا اور اس مطلب پر دلالت کرنا مقصود تھا کہ وہ ایسا ہرگز نکرینگے۔

اور اس مطلب کی سنئے اجمالی شرح یہ ہے کہ جب کفار اپنی عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو
حضرت ابراہیمؑ اپنے ہمراہ کچھ کھانا لیکر اُن لوگوں کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور

ہر ایک بت کے قریب تشریف لیجاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کھانا کھا جب اُس سے کوئی جواب نہ آتا تھا تو اُس کے ہاتھ پاؤں پر ایک تیشہ لگاتے تھے اور وہ شکستہ ہو جاتا تھا یہانتک کہ تمام بتوں کو چکنا چور کر دیا اور فقط بڑے بت کو باقی رہنے دیا اور تیشہ کو اُسکی گردن میں ڈالدیا۔ پس جبکہ بادشاہ اور اسکے ہمراہی لوگ عید گاہ سے واپس آئے تو اُن میں سے بعض لوگ کہنے لگے کہ۔

مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء) — ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس شخص نے سلوک کیا ہو وہ کوئی بڑا ظالم شخص ہے۔

دوسرے لوگوں نے جواب میں کہا کہ۔

سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء) — ہمنے ایک نوجوان کو سنا ہو کہ وہ ہمارے بتوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرتا تھا اسکو ابراہیم کہتے ہیں۔

پس اُن لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر کئے جائیں اور لوگ اُنکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ اُنکے قول یا فعل پر گواہ رہیں پس جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو مشرکین کہنے لگے کہ اے ابراہیم کیا ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک تم نے کیا ہو حضرت نے اُنکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔

بَلۡ فَعَلَهٗ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـئَلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء) — یہ کام تمہارے بڑے بُت نے کیا ہو پس تم اُنسے پوچھ لو۔ اگر تمہارے یہ بت گویائی رکھتے ہوں۔

پس ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام سے کوئی دروغ ہرگز سرزد نہیں ہوا اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہرگز کسی دروغ کے مرتکب نہیں ہوئے پس بعض مخالفین کا۔

لہ بعض لوگوں نے بیان کیا ہو کہ شیعوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سو حالت تقیہ میں دروغ کا صا

کہ شیعوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا تقیہ کی صورت میں جھوٹ بولنا جائز ہے محض افترا ہے[لہ] ۔ البتہ بعض مخالفین[ٹہ] نے ایسی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاذ اللہ دروغ کہنا اور جھوٹ بولنا ظاہر ہوتا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴) جائز بلکہ واجب ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول انی سقیم کو اسی پر محمول کرتے ہیں اور اُنکا یہ بیان غلط ہو اس لئے کہ شیعوں کے نزدیک انبیاء اور اوصیاء کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا ضروری ہے اور اس مطلب پر اُن کا اتفاق ہے ۔ اور اس بارہ میں آئمہ معصومین سے متواتر خبریں نقل کی ہیں جنکا تذکرہ کیا جائیگا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲

لہ اس لئے کہ تقیہ کرنا دروغ کو مستلزم نہیں ہے جسکی نے اجمالاً شرح ہو چکی ہے ۔ اس کے علاوہ یہ ہو کہ ہر جگہ تقیہ کرنا جائز نہیں ہے اُس کی شرائط و موانع کا بیان عنقریب کیا جائیگا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو تقیہ کرنے کو مخالفین نے بھی تجویز کیا ہو ۔ اگر ہر ایک مقام پر تقیہ کرنا جائز ہوتا تو حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تقیہ کرتے اور اپنے نفس محترم اور دیگر حضرات کو بلا سے محفوظ رکھتے ۔ اسی طرح اگر تقیہ ہر ایک جگہ جائز ہوتا حضرت ابراہیمؑ بھی تقیہ کرتے اور مشرکین کے بتوں کو شکستہ نہ کرتے ۱۲

ٹہ واضح ہو کہ بعض مخالفین نے ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے حضرت ابراہیمؑ کا کئی جگہ دروغ بیان کرنا ظاہر ہوتا ہے چنانچہ علامہ حلی رحمۃ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے روز قیامت کے حالات میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ حضرت آدمؑ کی خدمت میں حاضر ہونگے اور شفاعت کی درخواست کرینگے اور حضرت آدمؑ عذر فرمائینگے بعد ازاں لوگ حضرت نوح کی خدمت میں حاضر ہونگے حضرت نوح بھی عذر فرمائینگے بعد ازاں حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرینگے آپ حق تعالیٰ کے خلیل ہیں آپ بارگاہ خدا میں ہماری شفاعت کیجئے اس لئے کہ ہم جس اضطرار میں مبتلا ہیں آپ خود ملاحظہ فرماتے ہیں پس حضرت ابراہیمؑ ارشاد فرمائینگے کہ آج پروردگار عالم بے حد غضبناک ہے اور میں نے دنیا میں دروغ کا تین بار ارتکاب کیا ہے مجھکو اپنی جان کا خوف اندیشہ ہو تم لوگ کسی دوسرے کے پاس جاؤ ۔ اور بعض مخالفین نے لکھا ہے کہ وہ تین دروغ جنکا

اور ہم نے جو کچھ کہ بیان ہے اُسی کو مخالفین[له] کے بعض علماء نے بھی بیان کیا ہے۔ اور مذکورۂ بالا روایت کو رد کیا ہے جس سے صحیح بخاری و صحیح مسلم ایسی کتابوں کا بیہودہ روایتوں پر مشتمل ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵) حضرت ابراہیمؑ نے ارتکاب کیا ہے یہ ہیں۔

اوّل یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کی نسبت فرمایا تھا۔

هٰذَا رَبِّيْ } یہ میرا پروردگار ہے۔

دوم یہ کہ آپ نے مشرکین کے بتوں کی نسبت فرمایا تھا۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ } بلکہ اس کام کو ان کے بڑے بُت نے کیا ہے۔

سوم یہ کہ آپ نے فرمایا تھا۔

اِنِّيْ سَقِيْمٌ } میں بیمار ہوں۔

پس اگر ان کی یہ روایت صحیح مان لی جائے تو حضرت ابراہیمؑ کا دروغگو ہونا ثابت ہوگا بلکہ پہلو دروغ کی بنا پر حضرت کا معاذ اللہ مشرک ہونا بھی لازم آئیگا جس سے نبی کا معصوم ہونا بہرحال لازم ہے۔ شاید اسی بنا پر دوسری روایت میں هٰذَا رَبِّيْ کی جگہ سارہ اختی کو شمار کیا ہے۔ لیکن اس صورت میں حضرت ابراہیمؑ کے چار کذب ثابت ہونگے۔ اور علماء مخالفین اگرچہ پیغمبروں پر ایسے دروغ کو تجویز نہیں کرتے جو تبلیغ احکام سے تعلق رکھتا ہو مگر مذکورۂ بالا تینوں کذب کا انکے اصول کی بنا پر بھی پیغمبر سے صادر ہونا جائز ہوگا اگرچہ عمداً صادر ہو اس لئے کہ انکو تبلیغ احکام سے تعلق نہیں ہے بلکہ مخالفین کے بعض علماء نے تبلیغ احکام میں بھی پیغمبر سے کذب کا بھولے سے صادر ہونا تجویز کیا ہے بلکہ ابن فورک اور ابوبکر باقلانی اور امام غزالی سے نبی کا فرہونا اور ان کے نزدیک معجزات ہونے کی رُو سے انکو مطلقاً معصوم ہونے کی تجویز منقول ہوئی ہے جسکی افضلیت انبیاء و ملائکہ کے مسئلہ میں فی الجملہ شرح مذکور ہو اور مخالفین کے یہ اقوال بے سند ہیں اور علماء اہل حق کے نزدیک پیغمبر کا ہر ایک گناہ سے منزہ ہونا لازم ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا اور آئندہ کو بیان سے بھی اس مطلب کی توضیح ہوگی اور مذکورۂ بالا اقوال میں ہرگز دروغ نہیں ہے جسکی شرح کتاب میں مذکور ہے ۱۲

[له] امام رازی ۱۲

بعض حشویہ[1] نے حضرت سو مخذ سے ان کلمات کو نقل کیا ہے کہ۔

ماکذب ابراھیم الا ثلث کذبات } حضرت ابراہیمؑ نے کذب کا فقط تین دفعہ ارتکاب کیا تھا۔

میںنے کہا کہ ایسی بے سر وپا روایتوں کا قبول کرنا مناسب نہیں ہے پس وہ (بعض حشویہ) کہنے لگا کہ اگر ایسی روایتوں کو قبول نہ کریں تو راویوں کا دروغگو ہونا لازم آئیگا۔ میںنے اُس سے بیان کیا کہ اگر ایسی روایتوں کو قبول کرتے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ ایسے پیغمبر بزرگ کا دروغگو ہونا لازم آئیگا۔ اور اسمیں شبہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایسے پیغمبر کا دروغگوئی سے بچانا اس امر سے کہیں زیادہ اہم ہے کہ بعض مجہول الحال[2] راوی اس (دروغگوئی) سے بچائے جائیں۔ اور اس کلام میں اگرچہ فرقۂ حقہ کی موافقت مذکور ہے لکن مخالفین کے اُصول کی بنا پر پیغمبروں کا دروغگوئی سے محفوظ ہونا لازم نہیں ہے اس لئے کہ جمہور مخالفین کے نزدیک خدا پر کوئی امر واجب نہیں ہے اس صورت میں خدا پر پیغمبروں کا معصوم ہونا بھی لازم نہوگا۔ اور اُنکا دروغگو ہونا اور ہر ایک گناہ میں آلودہ ہونا جائز ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

عصمت حضرت یوسفؑ

مخالفین عصمت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے معصوم ہونے پر کئی اعتراضیں کئے ہیں۔

پہلا اعتراض خداوند عالم سورۂ یوسف ارشاد فرماتا ہے۔

---

[1] حشویہ مخالفین کا ایک فرقہ مراد ہے جو ہر ایک روایت پر عمل کو تجویز کرتے ہیں اگرچہ اُسکا مضمون عقل صحیح کے خلاف ہو اور امام رازی کے اس کلام سے صاف صاف صحیح بخاری وغیرہ کا جنھوں نے اس کلام کو نقل کیا ہے فرقۂ حشویہ میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے ۱۲

[2] اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی مجہول الحال ہیں حالانکہ ان دونوں کتابوں کو مخالفین نے صحیحین کہکر انہیں خطاب عطا کیا ہے ۱۲

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ
پارہ ۱۲ سورۂ یوسف

اور ضرور زلیخا نے یوسفؑ سے بدی کا قصد کیا۔ اور یوسف بھی زلیخا سے ایسا قصد کرتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

جس سے معلوم ہوتا ہو کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے امر شنیع کا قصد کیا تھا اور معصیت کا قصد کرنا بھی معصیت ہو۔ لہذا جناب یوسفؑ عاصی ہونگے اور معصوم نہیں ہو سکتے۔

لہ بعض لوگوں نے آیۂ شریفہ کی تفسیر میں حضرت یوسفؑ کے متعلق بہت زیادہ جسارت سے کام لیا ہے۔ جو کسی معمولی آدمی کے لئے بھی تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اسکی تفسیر میں لکھا ہو کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کا پائجامہ کھولنے کی غرض سے ہاتھ ڈالدیا اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے مجامعت کرنے والے اس ارادۂ خاص سے بیٹھتے ہیں۔ اور بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے کان میں ایک غیبی صدا پہونچی۔

اِيَّاكَ وَاِيَّاهَا۔ } خبردار یوسف زلیخا سے مباشرت نہ کرنا۔

مگر حضرت یوسف متنبہ نہ ہوئے اور اپنے قصد پر مصر رہے۔ پھر دوسری مرتبہ وہی آواز سنی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ تیسری مرتبہ یوں ایک آواز سنائی دی اعرض عنها (زلیخا کے پاس سے ہٹ جاؤ) مگر اوسیطرح اپنے ارادہ میں مستقل رہے حتے کہ حضرت یعقوب اُن کے سامنے پہونچ گئے اور نہایت ملامت کے ساتھ اُنہیں ممانعت فرمائی بعد ازاں حضرت یوسفؑ کو ایک آواز سنائی دی۔

يا يوسف لا تكن كالطائر كان له ريش فلما زنى فقد صار لا ريش له۔ } اور یوسف اُس طائر کی مانند نہ ہو جس کے بال و پر تھے اور جب وہ زنا کیا کرتا تھا پر جب کہ اُس نے زنا کیا تو اُسکے بال و پر گر گئے اور وہ بے بال و پر ہو گیا۔

اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہو کہ اُس وقت خاص میں حضرت یوسفؑ و زلیخا کے درمیان ایک ہاتھ غیب سے ظاہر ہوا جس پر قلم قدرت سے لکھا تھا۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ
پارہ ۳۰ سورۂ انفطار

} اور تم پر بزرگ لکھنے والے نگہبان (مقرر) ہیں۔

مگر باوجود اس کے اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔ پھر دوبارہ اُسپر یہ لکھا پایا۔

اس اعتراض کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ سے یہ امر ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ جناب یوسفؑ نے معصیت کا قصد بھی فرمایا ہو مخالفین عصمت کو معصیت کے ارادہ کرنیکا صرف اس وجہ سے شبہ پیدا ہوا ہے کہ وہ آیہ مبارکہ جواب **لولا** مقدر محذوف بتاتے ہیں اور اُس کی اصل یوں قرار دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَفَعَلَ } زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ نے زلیخا کا۔ اگر حضرتؑ برہان رب کا مشاہدہ نہ کرتے تو ضرور مرتکب ہوجاتے

لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ لولا کا جواب مقدر و محذوف کیا جائے بلکہ اسکی جزا موجود ہے جو مقدم کردیگئی ہے اور اسکی اصل یوں ہے۔

لقد همت به زليخا الى يوسف بارادة الزنا ولولا انه راى البرهان لهمّ بها لكن راى البرهان فلم يهمّ بها۔ } زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے زنا کا ارادہ کیا اور اگر حضرت یوسفؑ برہان رب کا مشاہدہ نہ فرماتے تو وہ بھی اُس زنا کا ارادہ فرماتے لیکن آپنے برہان رب کا مشاہدہ کرلیا پس اُس زنا کا ارادہ نہیں کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿پارہ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل﴾ } زنا کے پاس بھی جاؤ اس لئے کہ وہ ایک فاحشہ اور بُرا راستہ ہے مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہوا پھر اُسپر لکھا ہوا پایا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ق ﴿پارہ ۳ سورہ بقرہ﴾ } اُس دن سے ڈرو کہ جس دن تم پروردگار کی طرف رجوع کروگے

لیکن کوئی اثر اس تحریر پر بھی مترتب نہوا اب جناب باری کا خطاب جبرئیل کو ہوا۔

ادرک عبدی ان یصیب الخطیئۃ } میرے بندہ کے پاس قبل اسکے پہونچ جاؤ کہ اُس سے کوئی خطا سرزد ہو

حضرت جبرئیلؑ جناب باری کے حکم سے نازل ہوئے۔ اور کہنے لگے۔

یا یوسف اتعمل عمل السفہاء وانت مکتوب فی دیوان الانبیاء۔ } اے یوسف کیا سفہا کا سا کام کرتے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء کے دفتر میں لکھا ہوا ہے۔۱۲

اور لولا کی جزاء کا شرط پر مقدم ہونا شائع بھی ہے جیسے کنت ھلکت لولا ان تدارکتنی۔
کہ اس کی اصل اسطرح ہے۔ لولا ان تدارکتنی لکنت ھلکت۔
پس جبکہ یہ استعمال عرب میں شائع و متعارف بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آیت میں جزا کو مقدم نہ قرار دیں۔
علی الخصوص جبکہ محذوف فرض کرنا خلاف اصل بھی ہو اور تا وقتیکہ کلام کا بدون حذف صحیح ہونا ممکن ہو
اُس وقت تک حذف کا فرض کرنا صحیح نہو گا۔ حالانکہ اگر مقدم کرنا راجح ہوتا تب بھی اس مقام پر تاویل کرنا
متعین ہوتا کیونکہ حضرت کی عصمت پر ادلہ عقلیہ قائم ہو چکی ہیں۔
اور اس مطلب کو جناب صدوق علیہ الرحمہ نے امام رضا علیہ السلام سے عیون اخبار رضا میں بھی نقل فرمایا ہے
اور اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مامون رشید نے اپنے سوالات کے ضمن میں حضرت کی خدمت میں
عرض کیا کہ قول باری تعالیٰ۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ	اور ضرور زلیخا نے یوسف سے بدی کا قصد کیا۔ اور یوسف بھی زلیخا سے ایسا قصد کرتے اگر اپنے رب کے برہان کا مشاہدہ نکرتے۔

کے معنی بیان فرمائیے اور ہمارے دل سے اس اشکال کو دفع فرمائیے کہ حضرت یوسفؑ سے باوجود عصمت
و نبوت کے زلیخا سے اختلاط کا قصد کیوں ہوا۔ حضرت امام رضاؑ نے اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں
ارشاد فرمایا۔

لولا ان رای برھان ربہ لھم بھا کما ھمت بہ لکنہ کان معصوما و المعصوم لا یھم بذنب۔	زلیخا نے حضرت یوسف سے مخالطت اور صحبت کا ارادہ کیا اور اگر حضرت یوسفؑ اپنے پروردگار کے برہان کا مشاہدہ نکرتے تو حضرت یوسف بھی اُس سے مخالطت کا قصد کرتے لیکن حضرت یوسفؑ معصوم تھے اور معصوم کسی گناہ کا قصد نہیں کرتا

یہ سنکر مامون کہنے لگا۔ للہ درک یا ابا الحسن۔ اور آیہ مبارکہ میں برہان پروردگار سے نور عظمت اور
روشنی نبوت و عصمت مراد ہو اور مقصود یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اگر اپنے میں نور نبوت و عصمت کا معائنہ
نکرتے تو البتہ اس فعل شنیع کے مرتکب ہو سکتے تھے لیکن چونکہ اُن میں نور عظمت و جلالت موجود تھا

اس ثبوت اس فعل ناشائستہ اور اسکے ارادے سے بازرہے بہرحال حضرت یوسفؑ کے معصوم ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ اور لوگوں کا اُنکے متعلق لغو اور مہمل واقعات کو بیان کرنا اُنکے دامن عصمت پر دھبہ نہیں لگا سکتا۔

اور جن لوگوں نے جناب یوسفؑ کے متعلق اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں ایسے اُمور سے کام لیا ہے جو معمولی آدمی کے لئے بھی تجویز نہیں کئے جاتے وہ نبوت کی منزلت اور نبی کی شان سے بالکل ناواقف ہیں ان اُمور کو علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں نقل کرکے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسی پر اقتصار کیا جاتا ہے۔

هذا ونحوه مما يورده اهل الحشو والجبر الذين دينهم بهت الله تعالى وانبيائه واهل العدل والتوحيد ليسوا من مقالاتهم ورواياتهم بحمد الله بسبيل	یہ امور اور ان کی امثال وہ ہیں جنہیں ارباب حشو وجبر وارد کرتے ہیں جنکا دین و مذہب ہی یہ ہے کہ وہ خدا اور اُس کے رسولوں پر افترا کیا کریں۔ لیکن ارباب عدل و توحید (معتزلہ) کے کلام میں یہ اُمور نہیں دکھائی دیتے۔
ولو وجدت من يوسف عليه السلام ادنى زلة لنعيت عليه كما ذكرت توبته واستغفاره كما نعيت على آدم زلته و على داؤد و على نوح و على ايوب و على ذي النون و ذكرت توبتهم واستغفارهم كيف وقد اثنى عليه و سمي مخلصا۔	اگر حضرت یوسف سے کہیں کوئی معمولی لغزش ہو بھی جاتی تو ضرور جناب باری کچھ اُن کی تشنیع و ملامت کرتا اور اسپر حضرت توبہ و انابت کرتے اور یہ سب باتیں قرآن شریف میں مذکور ہوتیں جسطرح کہ حضرت آدمؑ و داؤدؑ و نوحؑ و ایوبؑ یونسؑ کی کچھ لغزشیں اور اسکے بعد ان حضرات کی توبۂ استغفار کا قصہ مذکور ہے لیکن صفحات قرانی پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اُمور کا تذکرہ حضرت یوسفؑ کے بارہ میں کہیں نہیں ہے بلکہ برخلاف اسکے جا بجا اُن کی مدح و ثنا موجود ہے اور مخلص کے لقب سے ممتاز کیا ہے۔

فنعلم بالقطع انه ثبت في ذلك المقام
الدحض وانه جاهد
نفسه مجاهدة اولى
القوة والعزم ناظرا
في دليل التحريم
ووجه القبح حتى استحق
من الله الثناء فيما انزل
من كتب الاولين
ثم في القران الذي
هو حجة على سائر
كتبه ومصدق لها
ولم يقتصر الا على
استيفاء قصته وضرب
سورة كاملة عليها
ليجعل له لسان صدق في
الآخرين كما جعله لجده الخليل
ابراهيم وليقتدي به
الصالحون الى آخر الدهر في
العفة وطيب الازار و
ذلك التثبت في مواقف العثار
فاخزى الله اولئك في ايرادهم

پس یقین کرلینا چاہیے کہ ایسے خطرناک موقع پر جہاں
قرار وثبات دشوار ہے حضرت یوسفؑ کا دامن عفت
کے بدنما دھبے سے بالکل پاک وصاف رہا ہے۔ اور
ایسا جہاد نفس فرمایا ہے جیسا کہ صاحبان قوت وعزم
کرتے ہیں اور ایسی سخت سے سخت حالت میں بھی دلائل
حرمت ووجہ قبح پر نظر رکھتے تھے کہ جسکی وجہ سے وہ
اس امر کے مستحق ہوئے کہ جناب باری نے اُن کی مدح
اُن آسمانی کتابوں میں فرمائی جو انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں
اور اُسکے بعد قرآن مجید میں بھی جو باقی کتب سماویہ پر حجت اور
اور جسکے آیات وبینات ان کتابوں کی مصدق ہیں ثناء
کی اور اسی پر اقتصار نہیں فرمایا بلکہ حضرت کا مفصل قصہ
سورہ میں بیان فرما دیا تاکہ آنے والی نسلیں اس پر اثر
سبق حاصل کریں اور عفت و پرہیزگاری اور عصمت و پرہیزگاری
اور خطرناک وقتوں پڑنے کو ثابت قدم رکھنے میں اُن
یوسفؑ کی اقتدا کریں خداوند عالم ارباب حشو وجبر کو
دور رکھے اُنکا کلام اس امر کی طرف منجر ہوتا ہے کہ گویا
خدا نے ایک ایسا سورہ نازل فرمایا جو احسن القصص ہے
ایک آیت کا یہ مقصود ہے کہ لوگ ایک پیغمبر کی اولوالعزم
ایک زنا کرنے والی عورت کے پاؤں کے درمیان بیٹھ
بوجہ حرام مباشرت کرنے کی قصد سے کمر بند کھولنا۔ اور
کے بجا لانے اور حرکت قبیحہ کے صادر کرنے میں مستعد

ما أودى إلى أن يكون انزال الله السورة
التي هي احسن القصص في القرآن العربي
المبين ليقتدى بنبي من انبياء الله في القعود
بين شعب الزانية وفي حل تكته للوقوع
عليها وفي ان ينهاه ربه ثلث كرات
ويصيح به من عنده ثلث صيحات بقوارع
القرآن وبالتوبيخ العظيم وبالوعيد الشديد
وبالتشبيه بالطائر الذي سقط ريشه
حين سفد غير انثاه وهو جاثم
في مربضه لا يتحلحل ولا ينتهي ولا ينتبه
حتى يتداركه الله بجبرئيل وباجباره
ولو ان اوقح الزناة واشطرهم واحدهم
حدقة واجلحهم وجها لقي بادنى ما لقي به
مما ذكر لما بقي له عرق ينبض ولا عضو يتحرك
فيا له من مذهب ما افحشه ومن ضلال ما ابينه

اور اُسکے قبیح پر متنبہ نمونا جس سے روکنے کے لئے اُسکا
پروردگار تین تین مرتبہ آیات قرآنی کے ضمن میں باواز
بلند سرزنش و ملامت کرے یہانتک کہ تہدید و وعید
کے لئے اُس جانور سے تشبیہ دے جسکے پر و بال
اس بُری حرکت کی وجہ سے گر گئے ہوں اور وہ پرواز
سے بالکل مجبور ہوگیا ہو - پھر خداوند عالم جبرئیل ایسے
جلیل القدر فرشتہ کو منع کرنے کے لئے بھیجے حالانکہ
اگر کوئی انتہا درجہ کا زنا کار اور اعلیٰ درجہ کا دلیر بھی
مذکورۂ بالا ملامت و سرزنش اور تہدید و وعید کو ملاحظہ
کرے جسکو یہ لوگ ایک پیغمبر خدا کی طرف منسوب کرتے
ہیں تو ہرگز ہرگز اُسکی رگوں میں حرکت اور اعضا میں
قوت باقی نہیں رہ سکتی - افسوس اور تعجب ہے کہ ان
لوگوں نے کیونکر ایسا مذہب اختیار کیا جس سے فحش و
ضلالت میں بالاتر کوئی مذہب متصور نہیں ہوسکتا - اور
جس کی گمراہی ظاہر تر ہے - انتہی ملخص کلام الزمخشری

صاحب کشاف نے ایسے جسارت کرنے والے لوگوں کی نسبت جو کچھ رقم فرمایا وہ
نہایت مناسب ہے لیکن خود صاحب کشاف کے کلام میں بعض مواقع قابل نظر ہیں جیسے
مثلاً حضرات انبیاء حضرت آدمؑ حضرت داودؑ حضرت نوحؑ - حضرت ایوبؑ حضرت یونس
علیہم السلام سے لغزش و تقصیر کا ثابت ہونا - دراصل یہ کلام اُن کے اس اعتقاد کا نتیجہ ہے کہ
انبیاء سے معصیت صغیرہ یعنی لغزش صادر ہوسکتی ہے - لیکن حق یہ ہے کہ انبیاء کی شان
اس سے کہیں اجل و ارفع ہے جس کا تذکرہ قبل ازیں ہوچکا ہے -

دوسرا جواب یہ کہ ہم کو اُن لوگوں پر نظر کرنی چاہیئے جو جناب یوسفؑ کے واقعہ سے واقفیت رکھتے ہیں کہ اُنہوں نے ان واقعات کو دیکھکر حضرت یوسفؑ کے متعلق کیا خیال قائم کیا ہے۔ اور اُن کی اس بارہ میں کیا رائے ہے اور اُنہوں نے حضرت کے برائت کے متعلق کیا شہادت دی ہے اُسکے بعد اس امر کا آسانی سے فیصلہ ہو سکیگا کہ عصمت حضرت یوسفؑ پر جو حملہ کیا جاتا ہے وہ کس حد تک قابل اعتنا ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہ اشخاص جو اس قصہ سے واقفیت رکھتے تھے اُن کی تعداد سات سے زائد نہ تھی۔

اول حضرت یوسفؑ کہ جنکی طرف ہر جگہ روئے خطاب ہے۔

دوم۔ زلیخا جسکے ساتھ حضرتؑ کو متہم کیا جاتا ہے۔

سوم۔ عزیز مصر جو زلیخا کا شوہر ہے۔

چہارم۔ وہ عورتیں جنکو زلیخا نے اس واقعہ پر مطلع کرنے کے لئے طلب کیا تھا

پنجم۔ وہ گواہ جسکو حضرت یوسفؑ نے اپنے دعویٰ کی تصدیق کیلئے طلب کیا تھا۔

ششم۔ جناب باری عزَّ اسمہٗ۔

ہفتم۔ ابلیس کہ جو سلسلۂ فساد و افساد کا محرک تھا۔

ان سب نے حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کا اعتراف کیا اور اس امر کی شہادت دی کہ اُنکا دامن عفت کسی معصیت کی نجاست سے آلودہ نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں کسی منصف کا اُسکے خلاف دعوے کرنا قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ان سب کی شہادتیں کتاب ربانی میں موجود ہیں جنکا اس مقام پر تذکرہ کر دینا ضروری ہے۔

حضرت یوسفؑ کی پہلی شہادت

جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے بدی کا ارادہ
اور جناب یوسفؑ وہاں سے چلدیئے تو زلیخا۔
آپکا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا۔ اسی حالت میں دروازہ

قریب زلیخا کا شوہر بھی ملگیا۔ زلیخا کہنے لگی کہ جو تیری زوجہ سے بدی کا ارادہ کرے اسکی سزا اسکو علاوہ کیا ہے کہ اسکو مقید کر دیا جائے یا دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اس وقت حضرت نے اپنی پاکدامنی کو اسطرح بیان فرمایا۔

هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } اُس عورت نے مجھے خود مائل کرنا چاہا

حضرت یوسف کی دوسری شہادت۔ جب حضرت یوسف کو فعل قبیح کے بجا نہ لانے پر قیدی ہوجائیگی دھمکی دی تو آپنے اپنی نفرت کو درگاہ باری میں اس طرح ظاہر کیا۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ج (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } پروردگارا جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اُسکی بہ نسبت مجھے قید زیادہ پسند ہے

حضرت یوسفؑ کی دونوں شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں آپکا ذرہ برابر قصور نہ تھا اور آپ نے ہرگز ہرگز معصیت کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ آپ اُس سے سخت متنفر تھے۔

زلیخا کی پہلی شہادت۔ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کی عصمت اور اپنی معصیت کو اسطرح بیان کیا۔

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ط (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } میںنے خود اُسکو پھسلانا چاہا مگر وہ معصوم ثابت ہوئے۔

زلیخا کی دوسری شہادت۔ جسوقت عورتیں بلائی گئیں اور حقیقت حال منکشف ہوگئی تو زلیخا کہنے لگی۔

اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } اب تو حق کھل ہی گیا میں نے اُسکو پھسلانا چاہا تھا۔

زلیخا کے بیانات اس کے لئے کافی ثبوت ہیں کہ حضرت یوسفؑ معصوم رہے

اور جسقدر قصور ہوا وہ زلیخا کی طرف سے اور درحقیقت اہل انصاف کے لئے زلیخا کی شہادت کے بعد کسی دوسری شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ جب ایک فریق خود قبول کرلے کہ اُسکا مخالف حق پر ہے اور وہ خود باطل پر تو پھر کسی اور شہادت کی کیا ضرورت ہے۔

عزیز مصر کی شہادت۔ جب عزیز مصر نے دیکھ لیا کہ حضرت یوسفؑ کا پیراہن عفت اس آلودگی سے شستہ ہے تو اپنی عورتوں کی طرف خطاب کرکے کہا۔

اِنَّہٗ مِنۡ کَیۡدِکُنَّ ؕ اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ ﴿پارہ ۱۲ سورہ یوسف﴾ یہ تم عورتوں کا مکر ہے اور تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔

زنان مذکورہ کی پہلی شہادت۔ علامہ زمخشری کشاف میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز مصر کی خواص میں سے پانچ عورتیں شہر مصر میں بیٹھی ہوئی زلیخا کا عیب بیان کررہی تھیں کہ عزیز مصر کی زوجہ اپنے غلام (حضرت یوسفؑ) پر عاشق ہوگئی ہے اور اُس سے آرزوئے وصال رکھتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اُسکے دل میں یوسفؑ کی محبت و اُلفت جگہ کرگئی ہے لیکن ہمارے خیال میں وہ اپنی اس حرکت کی سخت گمراہی میں ہے کیونکہ عزیز مصر ایسے شوہر کے ہوتے ہوئے وہ ایک زرخرید غلام سے دل لگا رہی ہے۔

اِس واقعہ کو رب العزت نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

اِمۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰىہَا عَنۡ نَّفۡسِہٖ ۚ قَدۡ شَغَفَہَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىہَا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿پارہ ۱۲ سورۂ یوسف﴾ عزیز مصر کی بیگم اپنے غلام کو پھسلاتی ہے اسکی محبت اسکے دل میں بیٹھ گئی ہے بے شک ہم تو اسکو کھلی غلطی میں پاتے ہیں۔

زنان مذکورہ کی دوسری شہادت۔ جب شاہی قاصد حضرت یوسفؑ کو قید خانہ سے لینے کے لئے آیا ہے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اپنے آقا

پاس پلٹ جاؤ اور اُس سے کہدو کہ اول اُن عورتوں کے بارہ میں تحقیق کرلو جنہوں نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈلے تھے۔ بادشاہ نے اُن عورتوں کو بلاکر دریافت کیا کہ تم نے جب یوسف کو پھسلایا تو تمہاری کیا کیفیت تھی اُنہوں نے جواب دیا۔

حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۤءٍ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } حاشاللہ ہمنے اُس میں کوئی بدی نہیں پائی۔

گواہ کی شہادت۔ جب حضرت یوسف نے اس فعل شنیع کے ارادہ کی نسبت زلیخا کی طرف دی اور ظاہر فرمایا کہ میرا دامن عفت اس آلائش سے پاک و صاف ہے۔ تو عزیز مصر نے یہ کہا کہ مجھے اس کی راستی کیونکر معلوم ہو کیونکہ تم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس واقعہ سے واقفیت رکھنے والا نہیں ہے۔ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا کہ ایک چارماہ کا بچہ اُس مکان میں تھا۔ عزیز مصر نے کہا بھلا اتنا چھوٹا بچہ واقفیت ہی کیا رکھ سکتا ہے۔ اور پھر وہ کلام کیونکر کرسکتا ہے۔ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ میرا خدا تو ہر قادر ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ عزیز مصر نے اُس لڑکے کو بلاکر پوچھا کہ تو اس بارہ میں کیا کہتا ہے۔ وہ بچہ بقدرت خدا گویا ہوکر کہنے لگا۔

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } اگر یوسف کا کرتہ سامنے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹے ہیں اور اگر اسکا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں۔

پس جب نظر کی گئی تو حضرت یوسفؑ کا دامن پیچھے سے پھٹا ہوا نکلا۔ اُسوقت عزیز مصر نے حضرت یوسف کے کلام کی تصدیق کی اور اس بچہ کی شہادت حضرت یوسف کی عصمت پر بہت زبردست شہادت قرار پائی۔

خداوند عالم کی شہادت - خداوند عالم نے حضرت یوسفؑ کی عصمت و بے گناہی پر اسطرح شہادت دی۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (پارہ ۱۲ سورۂ یوسف) } یہ اس لئے کہ ہم نے اُنسے بدی اور بےحیائی کی بات دور رکھا بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

پہلے تو خداوند عالم نے اس امر کی خبر دی کہ زلیخا نے یوسفؑ سے مباشرت کا ارادہ کیا اور اگر یوسف اپنے پروردگار کے برہان کو نہ دیکھ لیتے تو زلیخا کا قصد فرماتے مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت یوسفؑ نے خداوند عالم کے برہان کا مشاہدہ کر لیا تھا اس لئے اُنہوں نے زلیخا کا قصد نفرمایا اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ اسیطرح ہمنے یوسف کو اطاعت حق میں ثبات قدم عطا کیا اور اپنے برہان کو اُنہیں دکھلا دیا تاکہ اُنسے بدی اور افعال ناشائستہ (زنا وغیرہ) کو دور کریں اس لئے کہ وہ (یوسفؑ) ہمارے خالص بندوں میں داخل ہے اور یہ کہ ہمنے اُنکو ہر ناشائستہ کام سے پاک کیا ہے۔

اس آیہ مبارکہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت بہ صراحت ثابت ثابت ہوتی ہے جسکے بعد کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔

ابلیس کی شہادت - ابلیس کل انبیار کی عصمت پر جنمیں حضرت یوسفؑ بھی داخل ہیں گواہی دیتا ہے خداوند عالم نے ابلیس کے قول کو قرآن شریف میں اسطرح ذکر فرمایا ہے۔

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (پارہ ۲۳ سورۂ صٓ) } تیری ہی عزت کی قسم ان میں سے تیرے خالص بندوں کو چھوڑ کر اور تو میں سب ہی کو بہکاؤنگا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے گمراہ کرنیکا اثر خدا کے خالص بندوں تک نہیں پہونچ سکتا اور اس میں شبہ نہیں کہ حضرت یوسفؑ خدا کے خالص بندوں میں داخل ہیں

جیسا آیۂ دانی ہدایہ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ دلالت کرتا ہے۔ پس حضرت بھی ہر گمراہی اور گناہ سے پاک وصاف ہوئے اور اُن پر کبھی شیطان کا دسترس ہو سکا۔ بہر حال زائد سے زائد جو لوگ کہ حضرت یوسفؑ وزلیخا کے واقعہ پر مطلع ہو سکتے تھے وہ یہی تھے جنکا تذکرہ کیا گیا۔ اور اُن میں کسی نے بھی دامنِ عفت جناب یوسفؑ کو داغدار نہیں بنایا۔ بلکہ ہر ایک نے اس امر کی شہادت دی کہ آپ معصوم ہیں۔ ان کے علاوہ کسی ایسے شخص کو جو اس واقعہ پر مطلع نہیں حضرت کی عصمت پر حملہ کرنے اور اس کے لئے طرح طرح کی فحش اور لغو واقعات بیان کرنیکا کیا مجاز ہو سکتا ہے۔ پس جو لوگ کہ حضرت یوسفؑ سے اس فعل کے سرزد ہونے کے قائل ہیں اگر وہ تابعین حق میں سے ہیں تو اُن کے لئے حضرت یوسفؑ کو معصوم سمجھنے کے لئے حق تعالےٰ کی شہادت کافی ہے اور اگر وہ لوگ تابعین شیطان سے ہیں تو اُن کو کم از کم اُسکے تابع ہونیکی حیثیت سے شیطان ہی کی شہادت کو کافی سمجھ کر عمل کرنا چاہیئے اور خیال کرنا چاہیئے کہ جب شیطان خود انکی عصمت کا اقرار کرتا ہے تو ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ جب حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کی روانگی کا سامان کر چکے تو شاہی پیمانہ جو دراصل پانی پینے کا برتن تھا اپنے بھائی کے اسباب میں رکھوا دیا پھر آپ کے مؤذن (منادی) نے ندا دی۔

اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ ۝ { پارہ ۱۳ سورہ یوسف } اے قافلہ والو تم سارق ہو۔

پس حضرت نے اُن کی طرف چوری کی نسبت دلائی حالانکہ وہ سارق نہ تھے۔

اور اس اعتراض کا جواب کئی وجہوں سے ہو سکتا ہے۔

پہلی وجہ ممکن ہے کہ یہ آواز حضرت یوسف کے حکم سے نہ دی گئی ہو۔ بلکہ لوگوں نے جب شاہی پیمانہ کو لاپتہ پایا ہو تو اُن لوگوں نے خیال کیا ہو کہ شاید قافلہ والوں میں سے کسی

کسی نے چرا لیا ہو ورنہ ملنے کی کوئی وجہ نہیں اور اُنہیں سے ایک شخص نے
بڑھکر خود ہی آواز دیدی ہو۔ اس صورت میں حضرت یوسفؑ پر یہ الزام نہیں
ہو سکتا کہ اُنہوں نے قافلہ والوں کو باوجود چوری نکرنے کے چور بنایا۔
دوسری وجہ قافلہ والوں کو جو ندا دی گئی یہ کسی شخص نے خود ہی ایسا کیا ہو
یا حضرت یوسفؑ نے ندا دلوائی ہو اور اُن (قافلہ والوں) کے سارق ہونے سے
یہ مراد ہو کہ اُنہوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے باپ سے چرایا ہے۔ اس صورت
میں نہ ندا دینے والا جھوٹا ہو سکتا ہے نہ حضرت یوسفؑ پر کوئی الزام آسکتا ہے۔
تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نہ تو اُسوقت بھائیوں
نے چوری کی تھی اور نہ یوسفؑ نے غلط فرمایا اُنہوں نے یہ ندا دلوائی کہ تم
چور ہو تو اسکا یہ مطلب تھا کہ تم نے یوسف کو اُن باپ سے چُرایا۔
تیسری وجہ۔ ممکن ہے کہ یہ جملہ مقام استفہام میں وارد ہوا ہو اور مراد یہ ہو
کہ کیا تم لوگ چور ہو اس صورت میں بھی حضرت یوسفؑ پر کوئی الزام نہیں ہو سکتا۔
تیسرا اعتراض حضرت یوسف نے عزیز مصر سے اس امر کی خواہش کی کہ وہ زمین
کے خزانوں پر ان کو معین کرے چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی خواہش
کو جو عزیز مصر سے کی تھی یوں بیان فرمایا ہے۔
اِجْعَلْنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف) اس ملک کے سب خزانوں پر مجھے معین کردو۔
اور کسی ظالم سے ولایت کا طلب کرنا معصیت ہے۔
جواب۔ حضرت یوسفؑ نے جو طلب کیا تھا وہ انکا حق تھا بلکہ اُن پر واجب تھا
تاکہ اُسکو برمحل صرف کرکے اُن حقوق کو ادا کریں جو اُن پر واجب ہیں۔
چوتھا اعتراض جب حضرت یوسف کے والدین اور بھائی مصر میں آئے
ہیں تو سب نے اُن کو سجدہ کیا۔ جس کو خداوند عالم نے قرآن شریف میں بھی

ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (پارہ ۱۳ سورہ یوسف) ع

اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے۔

سجدہ غیر خدا کے واسطے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت یوسف کا اس سجدہ پر راضی رہنا داخل معصیت ہوگا۔

اسی طرح حضرت یعقوب پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ باوجود اس امر کے کہ وہ خود نبی تھے انہوں نے حضرت یوسفؑ کو کیوں سجدہ کیا کیا انکو معلوم نہ تھا کہ غیر خدا کے لئے سجدہ نہیں ہو سکتا۔

اور اس اعتراض کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا بلکہ خداوند عالم کو سجدہ کیا تھا۔ اگرچہ حضرت یوسفؑ کے سبب سے کیا۔ اور آیۂ مبارکہ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے یہی معنے ہیں کہ حضرت یوسف کی سبب سے سجدہ کیا نہ یہ کہ حضرت یوسف کو سجدہ کیا۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ انما صلیت بوصولی الی اھلی اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنے اہل تک پہونچنے کی سبب سے خدا کی نماز پڑھی نہ یہ کہ اپنے اہل تک پہونچنے کو نماز پڑھی۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ انما صمت لشفائی من مرض اسکے معنی یہ ہیں کہ میں نے مرض سے شفا پانیکی سبب سے خدا کے لئے روزہ رکھا نہ یہ کہ مرض سے شفا پانیکو روزہ رکھا۔ اگر انما صلیت لوصولی الی اھلی کے یہ معنی لئے جائیں کہ میں نے اپنے اہل تک پہونچنے کی نماز پڑھی اور انما صمت لشفائی من مرضی کے یہ معنی لئے جائیں کہ میں نے مرض سے شفا پانے کو نماز پڑھی تو آیۂ مبارکہ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے بھی یہ معنے لئے جائیں کہ انہوں نے یوسف کو سجدہ کیا لیکن جبکہ پہلے دونوں فقروں میں یہ معنے مراد نہیں ہو سکتے اور وہاں یہی معنی ہیں

کہ مینے اہل تک پہونچنے کی وجہ سے خدا کی نماز اور شفا پانیکی وجہ سے خدا کا روزہ رکھا تو آیہ مبارکہ میں ان معنوں کا مراد لینا کیوں نہ جائز ہوگا کہ حضرت یعقوبؑ وغیرہ نے حضرت یوسفؑ کی وجہ سے خدا کو سجدہ کیا۔ اور اس صورت میں نہ جناب یعقوبؑ کے سجدہ کرنے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ جناب یوسفؑ کی راضی رہنے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس سجدہ سے حضرت یوسفؑ کی تعظیم اور خداوند عالم کی عبادت اور اسکا شکر مدنظر تھا۔ چنانچہ تفسیر قمی میں حضرت امام علی نقیؑ سے منقول ہے کہ حضرتؑ سے دریافت کیا گیا تھا کہ حضرت یعقوب اور انکے بیٹوں نے باوجودیکہ نبی اور اولاد نبی تھے حضرت یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت یعقوبؑ اور انکے بیٹوں نے حضرت یوسف کو سجدہ نہیں کیا تھا بلکہ انکا سجدہ حضرت یوسفؑ کی تعظیم دینے کے لئے تھا اور خداوند عالم کی اطاعت ظاہر کرنے کے لئے جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا جسمیں خدا کے حکم کی اطاعت منظور تھی اور حضرت آدم کے لئے تعظیم۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ اور انکے بیٹوں اور خود حضرت یوسف نے اس پریشانی کے مرتفع ہو جانیکے سبب خدا کا شکریہ ادا کیا کیا تم نہیں دیکھتے کہ یوسفؑ نے اُسی وقت شکر خدا میں عرض کیا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ | اے میرے پروردگار بالتحقیق تو نے مجھے حکومت حصہ دیا اور باتوں کی خبر تعبیر (یعنی مناسب سمجھی سکھائی

شبہ۔ اس جواب پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا اسکے بعد یہ کہنا

یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف) | ای بابا جان میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے

اس بات کو بتلاتا ہے کہ حضرت یعقوب اور انکی اولاد نے سجدہ حضرت یوسفؑ کی

کیا تھا نہ خداوند عالم کو اس لئے کہ حضرت یوسف ؑ نے خواب دیکھا تھا
کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں جسکو خداوند
عالم نے قرآن مجید میں اسطرح ذکر فرمایا ہے۔

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف)	(اسوقت کو یاد کرو) جبکہ یوسف نے اپنے والد سے عرض کی کہ بابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے میں نے انھیں اپنی طرف سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

اور ان چیزوں کا سجدہ خدا کے لئے نہ تھا بلکہ حضرت یوسف کے لئے تھا پس جب
حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ
هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف) پہلے جو میں خواب دیکھ چکا ہوں اُسکی یہ تعبیر ہے۔
خواب میں جو سجدہ ہوا تھا وہ حضرت یوسف کے لئے تھا اور جب یہ اُسکی تعبیر ہے
تو یہ سجدہ بھی حضرت یوسف کے لئے ہوگا۔

پہلا جواب۔ آیہ مبارکہ میں لفظ هٰذا کا مشار الیہ سجدہ مذکورہ نہ لیا جائے بلکہ اُس کا مشار الیہ
وہ ملک و سلطنت لیجائے جو حضرت یوسف ؑ کے لئے من جانب اللہ حاصل ہوئی تھی
اور حاصل مراد یہ ہو کہ میرا یہ ملک و سلطنت میری اُسی خواب کی تعبیر ہے جسکو میں نے
قبل ازین دیکھا تھا اور اس صورت میں یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ سجدہ مذکورہ حضرت
یوسف کے لئے واقع ہوا۔

دوسرا جواب۔ اس امر کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف بمنزلہ قبلہ
ہوں اور سجدہ خدا کے لئے کیا گیا ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی کوئی [illegible] پیدا نہیں ہوگی

تیسرا جواب ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں سجدہ تحیۃ جائز ہو اور ان حضرات نے حضرت
یوسف کو سجدہ تحیہ کیا ہو اس لئے کہ حرام تو وہ سجدہ ہے جو غیر خدا کو بروجہ عبادت
کیا جائے۔ اگر بروجہ تحیہ ہو تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔

عصمت حضرت موسیٰ ؑ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر بھی مخالفین عصمت نے کئی اعتراض کئے ہیں۔
پہلا اعتراض:۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص پر ایک قبطی نے کچھ ظلم و زیادتی اور اُسکے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ جبیر وہ اسرائیلی حضرت موسیٰ کے پاس فریادی بنکر آیا۔ حضرت موسیٰ نے اُس قبطی کو قتل کر ڈالا۔ اگر حضرت موسیٰ کا یہ فعل ظلم نہ تھا تو اسپر حضرت موسیٰ ؑ کو نادم ہونے اور یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۝ } یہ شیطان کا عمل (کارروائی) تھی بیشک وہ بہکانے والا (اور) کھلا دشمن ہے۔ پارہ ۲۰ سورہ قصص

اور درگاہ باری میں یہ عرض کرنیکی کیا حاجت تھی۔

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي } پارہ ۲۰ سورہ قصص اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس تو مجھ بخشدے۔

اور اگر حضرت موسیٰ کا یہ فعل ظلم پر مبنی تھا تو یہ عصمت کے خلاف ہے۔

جواب ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے اُس قبطی کو عمداً قتل نکیا ہو اور نہ اسکے قتل کا ارادہ فرمایا ہو۔ بلکہ جب آپنے اس امر کو مشاہدہ فرمایا کہ قبطی آپ کے ایک شیعہ پر ظلم کر رہا ہے اور اُسے ناحق قتل کرنا چاہتا ہے تو آپ نے ارادہ فرمایا ہو کہ اُس اسرائیلی کو بچالیں اور قبطی کو اُس سے دور کر دیں۔ پس اُسکے دور کرنے میں بغیر قصد وارادہ قتل کی صورت پیش آگئی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جناب موسیٰ ؑ کے علم میں وہ قبطی اپنے کفر کی وجہ سے مستحق قتل ہو۔ اور حضرت موسیٰ ؑ کو بھی استحبابی حکم ملچکا ہو کہ وقت قدرت حتمی تاخیر کرو مگر امر مستحب کو ترک کرنا گناہ نہیں جیسا کہ اس کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔

اور حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد کہ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ اس میں دو احتمال ہیں

پہلا احتمال یہ کہ لفظ ھذا کا مشارالیہ عمل مقتول ہو اور مراد یہ ہو کہ اس مقتول کا عمل عمل شیطان ہے۔ اس صورت میں قول جناب موسیٰ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ سے انقطاع اور خدا کی طرف رجوع کرنا مراد ہوگا۔ اور یہ حقوق نعمت کے اعتراف سے کوتاہی ہے یعنی میں تیری بڑی بڑی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں پس جو ثواب کہ شکر پر مترتب ہوتا ہے اُس سے مجکو محروم نفرمانا۔

دوسرا احتمال یہ کہ استحباب تاخیر کو چھوڑکر قتل میں جلدی کرنا عمل شیطان ہو۔ کیونکہ تاخیر کی وجہ سے جس ثواب کا استحقاق ہوتا وہ فوت ہوگیا۔

پس اس صورت میں اس امر کا التزام کرلینا پڑیگا کہ شیطان اگرچہ انبیاء پر اس عنوان سے مسلط نہیں ہوسکتا کہ کسی واجب کے چھوٹ جانے یا حرام کے بجالانیکا سبب ہوسکے لیکن یہ ممکن ہے کہ بعض مستحبات کو فوت کرادے۔

دوسرا اعتراض۔ جب موسیٰ کو خطاب رب الارباب ملا کہ تم فرعون کی طرف جاؤ تو آپ نے درگاہ احدیت میں عرض کیا

رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِیْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ پارہ ۱۹ سورہ شعراء

پروردگارا میں اس سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائینگے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی پس تو ہارون کے پاس (رسالت) بھیجدے

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو خدا کی پیغامبری میں تأمل تھا اور رسالت سے استعفا چاہتے تھے۔ جو انبیاء کے لئے کسی طرح جائز نہیں۔

جواب۔ جناب موسیٰ کو خدا کی پیغامبری میں کچھ تامل نہ تھا اور نہ رسالت سے استعفا چاہتے تھے بلکہ اپنی زبان میں زیادہ گویائی کی قوت نہ ہونے اور جلد کلام نہ کرسکنے کی وجہ سے چاہتے تھے کہ امر رسالت میں ہارون بھی شریک کردیئے جائیں تاکہ مہمات رسالت کو اچھی طرح انجام دیسکیں جسکی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے

جس میں حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا مذکور ہے۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ)

اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے لئے کھول دے اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرا ایک وزیر (بوجھ اٹھانے والا) میرے ہی کنبہ میں سے مقرر کردے میرا بھائی ہارون اس کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کردے اور اسکو میرے کام میں شریک کردے تاکہ ہم بہت سی تیری تسبیح بیان کریں اور بہت سی تیری یاد کیا کریں بیشک تو ہمارا حال خوب دیکھ رہا ہے

تیسرا اعتراض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے ارشاد فرمایا۔

أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝ (پارہ ۱۱ سورہ یونس) جو کچھ تمہیں ڈالنا ہو ڈالو۔

اس کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے سحر کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ سحر معصیت ہے اور معصیت کا حکم دینا بھی گناہ ہے جو عصمت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

جواب حضرت موسیٰؑ کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنی حجت کو ظاہر کرو تاکہ اسکو باطل کردیا جائے اور تمہارے دعوے کی حقیقت کھل جائے اور تمہارا جادو باطل اور میرا اعجاز ظاہر ہو۔ بلکہ اسوقت حضرت موسیٰؑ پر واجب تھا کہ وہ ان سے اس امر کی فرمائش کریں اس لئے کہ اثبات نبوت اسی پر موقوف تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ جب انکا جادو باطل ہوجائیگا تو انمیں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئینگے اور یہ فائدہ اسوقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے سحر کی چیزیں کو نہ ڈالیں اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں ڈالنا ہو ڈالو تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہوجائے۔

چوتھا اعتراض جسوقت جادوگروں نے رسیاں اور لکڑیاں ڈالیں اور وہ

جادو سے ایسے معلوم ہونے لگیں کہ گویا دوڑ رہی ہیں تو حضرت موسیٰ کو خوف معلوم ہوا جسے خدا نے اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ۝ پارہ ۱۶ سورہ طہٰ } موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف معلوم ہوا

حالانکہ خداوند عالم اسکے یہاں وارد ہونے سے قبل اطمینان دلا چکا تھا چنانچہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس آنے کا حکم ہوا اور انھوں نے اپنے خوف اور اسکی سرکشی کا تذکرہ کیا تو خدا نے فرمایا تھا!

لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۝ پارہ ۱۶ سورہ طہٰ } تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ ہوں (جو گذرے گی) میں سنونگا اور دیکھونگا۔

باوجود اسکے کہ انکو یہ بشارت دیجئی تھی ایسی حالت میں ان کو خوف نہ ہونا چاہئے ظاہر آیت اس امر کو چاہتی ہے کہ آپ کو اپنی نبوت کی صحت میں شک پیدا ہو۔

جواب حضرت موسیٰ کو اپنے نفس کا خوف نہ تھا بلکہ اس خیال سے خوف پیدا ہوا تھا کہ مبادا یہ لوگ میرے معجزہ کو بھی دیکھکر ایمان نہ لائیں شقاوت و بدبختی کی تاریکیوں میں مبتلا رہیں اور معجزہ کا ظاہر کرنا عبث اور بے کار ہو جائے اور ظاہر بین نظریں خیال کریں کہ یہی لوگ غالب رہے اور حضرت موسیٰ کی حجت واضح نہوئی جسپر خداوند کا ارشاد جو اسوقت حضرت موسیٰ سے فرمایا تھا کہ۔

لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۝ پارہ ۱۶ سورہ طہٰ } ڈرو نہیں غالب تو تم ہی رہو گے۔

شاہد ہے اور اسی مطلب پر جناب امیرؑ کا قول بھی دلالت کرتا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

لم یوجس موسیٰ خیفۃ علی نفسہ اشفق من غلبۃ الجھال و دول الضلال۔ } موسیٰ اپنی ذات کیلئے نہیں ڈرتے تھے بلکہ انکو یہ خوف تھا کہ کہیں جاہل غالب نہ آجائیں اور گمراہی نہ پھیل جائے۔

اس مطلب کو احقر العباد نے آسانی کے لئے اِس طرح نظم کر دیا ہے۔

وما شك موسیٰ فی نبوۃ نفسه ولکنه قد خاف سطوۃ جهال

(اور حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت میں شک نہیں کیا تھا بلکہ جاہلوں کے غلبہ سے آپکو خوف عارض ہوا تھا)

اور حضرت موسیٰ کے متعلق دیگر مباحث کا دوسرے مقام پر تذکرہ ہو چکا ہے یہاں پر اعادہ کرنا خالی از تطویل نہیں ہے۔

تتمہ۔ جسطرح کہ انبیاءؑ کا معصوم ہونا ضروری ہے جسکی بقدر ضرورت ایک مقام پر شرح کی گئی اُسیطرح انبیاءؑ کا اُن جملہ اُمور سے منزہ ہونا بھی لازم ہے جو باعتبار عادت موجب نفرت اور سبب کراہت ہوتے ہیں تاکہ فائدہ بعثت حاصل ہو ورنہ نقض غرض لازم آئے گا جس کا حکیم مطلق سے واقع ہونا محال ہے خواہ وہ اُمور نسب سے تعلق رکھتے ہوں جیسے آباء و اجداد کا کافر یا فاسق ہونا یا اُن کا خسیس پیشوں کو اختیار کرنا یا اُنکے امہات کا فسق و فجور کے ساتھ متہم ہونا۔

یا وہ اُمور طبعی ہوں جیسے ترش رو درشت کلام ہونا۔ یا جذام۔ برص سلس البول یا اُبنہ وغیرہ میں مبتلا ہونا۔

یا وہ اُمور اخلاق سے متعلق ہوں جیسے حاسد ہونا۔ دنیا پر حریص ہونا۔ کینہ ور ہونا اور اسی طرح نبی کا کمال عقل اور غایت فطانت اور شدت ذکاء اور قوت رائے کے ساتھ موصوف ہونا بھی ضروری اور اُنکے اضداد و منافیات سے پاک و منزہ ہونا لازم پس نبی کا ضعیف الرائے یا اپنے اُمور میں متردد ہونا صحیح نہوگا اس لئے کہ ایسے شخص سے لوگ باعتبار عادت نفرت کرتے ہیں جس کا غرض بعثت کے منافی ہونا معلوم ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے کسی نبی کو بغیر کمال عقل و اصابت رائے کے مبعوث نہیں کیا تاکہ لوگ اُسکی اطاعت کریں چنانچہ مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اوصاف انبیاءؑ کا اِس طرح تذکرہ ہوا ہے کہ

ان اللہ مکن انبیائہ من خزائن
لطفہ وکرمہ ورحمتہ وعلمھم
من مخزون علمہ وافردھم
من جمیع الخلائق لنفسہ
فلا یشبہ اخلاقھم واحوالھم
احد من الخلائق اجمعین اذ جعل
وسائل سائر الخلق الیہ وجعل
حبھم وطاعتھم سبب رضاہ
وخلافھم وانکارھم سبب سخطہ
وامر کل قوم باتباع ملۃ رسولھم
ثم ابی ان یقبل طاعۃ احد
الا بطاعتھم ومعرفۃ حقھم و
حرمتھم ووقارھم وتعظیمھم
وجاھھم عند اللہ فعظم
جمیع انبیاء اللہ ولا تنزلھم
بمنزلۃ احد من دونھم
لا تتصرف بعقلک فی مقاماتھم
واحوالھم واخلاقھم الا
ببیان محکم من عند اللہ
او اجماع اھل البصائر بدلائل
تحقق بھا فضائلھم ومراتبھم

حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو اپنے لطف وکرم اور
رحمت کے خزانوں پر متمکن کیا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ
اسرار کی اُنکو تعلیم کی ہے اور تمام مخلوقات سے
اُنکو اپنے نفس کے لئے ممتاز فرمایا ہے۔ پس اُن کے
اخلاق اور احوال سے کسی مخلوق کے اخلاق واحوال
مشابہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے اُنکو باقی
مخلوقات کے لئے اپنی طرف وسیلہ قرار دیا ہے اور اُن کی
محبت وطاعت کو اپنی خوشنودی کا سبب اور اُن کی
مخالفت و نافرمانی کو اپنی ناراضی کا سبب قرار دیا ہے
اور ہر ایک قوم کو اُن کے رسول کی شریعت کی اتباع
کرنے پر مامور کیا ہے۔ بعدازاں کسی کی اطاعت کو
اُسوقت تک قبول کرنے سے انکار فرمایا ہے جبتک
کہ وہ اُنکی اطاعت نہ کریں اور اُنکے حق اور حرمت اور
وقار اور عظمت اور اُس منزلت کی معرفت حاصل
نکریں جو اُن کے لئے پیش خدا حاصل ہے پس تم
تمام انبیاء خدا کی تعظیم کرو۔ اور کسی شخص کو
قدر ومنزلت میں اُنکے برابر نہ سمجھو۔ اور تم
اپنی عقل سے اُن کے مقامات واحوال
واخلاق میں اُسوقت تک تصرف نکرو جبتک کہ
منجانب اللہ کوئی بیان محکم یا اہل بصائر کا اجماع آیسے
دلیلوں کے ساتھ حاصل نہو جن سے اُنکے فضائل ومراتب ثابت ہوں

وانی بالوصول الی حقیقة ما لهم عند الله وان قابلت اقوالهم وافعالهم بمن دونهم من الناس اجمعین۔ فقد اساءت صحبتهم وانكرت معرفتهم وجهلت خصوصیتهم بالله وسقطت عن درجة حقیقة الایمان والمعرفة فایاك ثم ایاك

اور عقلوں کی اُن مقامات کی حقیقت تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے جو اُن کے لیے پیش خدا حاصل ہیں۔ اور اگر تم نے اُن کے اقوال و افعال کا اوروں کے افعال و اقوال سے مقابلہ کیا تو تم نے اُن کی صحبت کی ناقدری کی اور اُنکی معرفت حاصل نہ کی اور اُنکی اُس خصوصیت سے جاہل ہے جو اُنکو خدا کے ساتھ حاصل ہے۔ اور حقیقت ایمان و معرفت کے درجہ سے تم ساقط ہو گئے۔ پس تم اس سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہو۔ انتہی۔

اور علل الشرائع میں صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک کلام طولانی کے بعض فقرات یہ نقل کیے ہیں کہ۔

الحمد لله المحتجب بالنور دون خلقه فی الافق الطامح والعز الشامخ والملك الباذخ فوق كل شیٔ علا ومن كل شیٔ دنا فتجلی لخلقه من غیر ان یكون یری وهو یری وهو بالمنظر الاعلی فاحب الاختصاص بالتوحید اذ احتجب بنوره وسما فی علوه واستتر عن خلقه

لائق حمد و شکر ہے وہ خدا جو اپنی مخلوق سے نہایت بلند مقام میں نور کے ساتھ پوشیدہ ہے اور وہ اپنی شرف و بزرگی میں ہر ایک شے سے برتر ہے۔ اور اپنی جود و رحمت میں ہر ایک شے سے قریب ہے۔ پس وہ اپنی مخلوق کے لیے اپنے جود و کرم کے نازل کرنے سے ظاہر ہوا۔ بغیر اس کے کہ وہ آنکھوں سے دکھائی دے اور وہ ہر ایک شے کو دیکھتا ہے اور وہ اپنی بزرگی میں ہر ایک چیز سے برتر ہے۔ پس جبکہ وہ اپنے نور کی وجہ سے محجوب اپنی بزرگی میں برتر ہوا تو اُس نے چاہا کہ توحید کے ساتھ مخصوص ہو تاکہ اُنکو بندوں پر اُنکی حجت تمام ہو۔ پس اُس نے اپنے بندوں میں انبیاء کو مبعوث کیا

فیہم النبیین المبشرین ومنذرین
لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیی
من حی عن بینۃ ولیعقل العباد عن
ربہم ما جہلوا وعرفوہ بربوبیۃ
بعد ما انکروا ویوحدوہ
بالالہیۃ بعد ما اضدوہ۔

تاکہ وہ اُنکو ثواب کی بشارت دیں اور عذاب خدا کا
ڈر دیں تاکہ جو شخص ہلاک ہو وہ ختم حجت کے بعد ہلاک ہو
اور جو شخص زندہ رہے وہ ختم حجت کے بعد زندہ رہے
اور بندے اپنے پروردگار کی اُن چیزوں کو سمجھیں
جنکو وہ نہ جانتے تھے اور نہ پہچانتے تھے بعد اُسکی پروردگاری کی
معرفت حاصل کریں اور بعد انکار کے اُسکو معبود یکتا ہونیکا اقرار کریں۔

اور نبی کے کمال عقل اور قوت رائے کے متعلق جناب ثقۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے
کافی میں حضرت رسول خدا سے روایت کی ہے کہ۔

ما قسم اللہ للعباد شیئا افضل من العقل
فنوم العاقل افضل من سہر الجاہل
واقامۃ العاقل افضل من شخوص
الجاہل ولا بعث اللہ نبیا ولا رسولا
حتی یستکمل العقل ویکون عقلہ افضل
من عقول جمیع امتہ وما یضمرہ النبی
فی نفسہ افضل من اجتہاد المجتہدین
وما ادی العبد فرائض اللہ تعالی حتی
عقل عنہ ولا بلغ جمیع العابدین فی
فضل عبادتہم ما بلغ العاقل
والعقلاء ہم اولوا الالباب الذین
قال اللہ تعالی وما یذکر الا
اولوا الالباب۔

حقتعالی نے بندوں کے لیے کوئی چیز ایسی نہیں
تقسیم کی جو عقل سے بہتر ہو پس عاقل کا سونا جاہل کے
جاگنے سے اور عاقل کا مقیم رہنا جاہل کے سفر کرنے سے
افضل ہوگا اور حقتعالی نے کسی نبی یا رسول کو اُس وقت
تک مبعوث نہیں فرمایا جبتک کہ اُسکی عقل کو کامل
نہیں کر دیا اور نبی کی عقل اُسکی تمام امت کی عقلوں سے
افضل ہوتی ہے اور جس چیز کو کہ نبی اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے وہ
مجتہدین کے اجتہاد سے کہیں بہتر ہے اور کسی بندہ نے خدا کے فرائض
کو اُس وقت تک ادا نہیں کیا جبتک کہ اُس نے عقل کے ذریعہ سے اُن کو
اچھی طرح سمجھ نہیں لیا اور کوئی عابد بھی عبادت کی فضیلت میں اُس حد
تک نہیں پہنچ سکتا جس حد تک عاقل پہنچتا ہے اور عقلا ہی وہ لوگ ہیں
جنکی نسبت حقتعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اولو الالباب کے سوا
کوئی شخص واقعی امور کا تذکر نہیں کر سکتا۔ انتہی۔

اور محاسن برقی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

ما بعث اللہ نبیاً قط الا عاقلا و بعض النبیین ارجح من بعض وما استخلف داؤد سلیمان حتی اختبر عقلہ و استخلف داؤد سلیمان وھو ابن ثلثۃ عشر سنۃ ومکث فی ملکہ اربعین سنۃ و ملک ذوالقرنین وھو ابن اثنا عشر سنۃ ومکث فی ملکہ ثلاثین سنۃ	خدا نے کسی نبی کو اُس وقت تک مبعوث نہیں فرمایا جب تک کہ اُس میں کمال عقل حاصل نہیں ہوا۔ اور بعض انبیاء کو بعض پر عقل میں فضیلت حاصل ہے اور حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو اُس وقت تک اپنا خلیفہ نہیں قرار دیا جب تک کہ اُن کی عقل کا امتحان نہیں کر لیا اور حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو اپنا خلیفہ اُس وقت قرار دیا جبکہ اُنکا سن شریف تیرہ برس کا تھا اور وہ اپنی بادشاہت میں چالیس برس ٹھہرے رہے۔ اور ذوالقرنین کو اُنکی بادشاہت حاصل ہوئی تھی جبکہ اُن کا سن مبارک بارہ برس کا تھا اور وہ اپنی بادشاہت میں تیس برس رہے۔

اور تفسیر علی ابن ابراہیم میں حضرت امام ابوالحسن علیہ السلام سے بروایت یاسر منقول ہے۔

ما بعث اللہ نبیاً الا صاحب مرۃ سوداء صافیہ۔	حق تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی قوت عاقلہ کے ساتھ جو خیالات فاسدہ سے منزہ ہو موصوف تھے۔

لہ صاحب مجمع البیان نے قول باریتعالیٰ ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی کی ذیل میں لفظ مرہ کی نسبت لکھا ہے

ای قوۃ فی عقلہ ورائہ ومتانۃ فی دینہ وصحۃ فی جسمہ	وہ اپنی عقل و رائے میں قوت اور اپنے دین میں استحکام اور اپنے جسم میں صحت و تندرستی رکھتے ہیں۔

اور کچھ کلام کے بعد لکھتے ہیں۔

والمرۃ خلط من اخلاط البدن غیر الدم والجمع مرار بالکسر وفیہ الخل بکسر المرۃ	اور مرہ منجملہ اخلاط بدن ایک خلط کا نام ہے جو خون کے علاوہ ہے اور اُسکی جمع مرار آتی ہے اور حدیث میں ہے کہ مرہ کو سرکہ توڑتا ہے۔

اس حدیث کے نقل کے بعد علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ۔

لما كان صاحب هذه المرة في غاية الحذق والفطانة والحفظ الكثير يجامعها الخيالات الفاسدة والجبن والغضب والطيش فلذا وصفها بالصافية اي صافية من هذه الامور التي تكون في غالب من استولى عليه هذه المرة من الاخلاق الردية

ازبسکہ جس شخص میں یہ مرّہ سودا موجود ہوتی ہے وہ حد درجہ کی حذاقت اور فطانت اور حافظہ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے لیکن باوجود اس کے کبھی اُس (مرّہ سودا) کے ساتھ خیالات فاسدہ اور بزدلی اور غیظ و غضب بھی اکٹھا ہو جاتا ہے اسلئے حضرت نے اُس (مرّہ سودا) کی صفت میں لفظ صافیہ کا بھی اضافہ فرما دیا جس سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے اخلاق رذیلہ سے پاک اور صاف ہو جو ایسے شخص پر باعتبار عادت غالب آجایا کرتے ہیں

اور محقق طوسی علیہ الرحمہ نے تجرید الاعتقاد میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

ویجب فی النبی کمال العقل والذکاء والفطنة وقوة الرأی

نبی میں کمال عقل اور شدت ذہانت اور قوت رائے اور تدبیر کا موجود ہونا واجب ہے۔

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اسکی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ نبی میں کمال عقل واجب ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اور اسی طرح لازم ہے کہ نبی غایت ذکاوت و فطنت اور قوت رائے کے ساتھ موصوف ہو تاکہ ضعیف الرائے اور اپنے امور میں متردّد نہ ہو اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو اعلم منفرات میں داخل ہیں اسی طرح واجب ہے کہ نبی پر سہو و نسیان بھی جائز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٣٢٢)

اسکے بعد صاحب مجمع البیان نے حدیث مذکور کو وارد کیا ہے اور محصل کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس نبی کو مبعوث کرتا تھا اسمیں قوت عقل و رائے اور متانت دین و مذہب اور صحت جسمانی حاصل ہوتی تھی اور اُسمیں کوئی خیال اتفاقیہ خلط اگر باعتبار عادت لازم قرار پاتا ہو نہیں ہوتا تھا۔ اور سودا بھی ایک خلط کا نام ہے جسکے لئے قوت عقل وغیرہ کے ساتھ خیال فاسد غالباً جمع ہوتا ہے لیکن ازبسکہ نبی میں کوئی خیال فاسد نہیں ہوتا تھا اور تنہا اوصاف مذکورہ ہی کے ساتھ موصوف ہوتا تھا اسلئے حدیث میں لفظ صافیہ اُسکے ساتھ زائد کر دیا گیا ۱۲

نہ ہوتا کہ بعض احکام آیتہ میں جنکی تبلیغ پر وہ مامور ہے سہو کرے۔
اور علامہ قوشجی تحریر فرماتے ہیں کہ اوصاف مذکورہ کا نبی میں موجود ہونا اسلئے ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اُن صفات کے ساتھ موصوف نہ ہوگا تو اسکی پیروی میں رغبت نہ ہوگی اور اُسکے اوامر ونواہی کا انقیاد حاصل نہوگا اور بعثت کا فائدہ منتفی ہوگا۔
کلام مذکور کے بعد محقق علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

وعدم ماینتفر عنہ من دناءۃ الآباء وعہر الامہات والفظاظۃ والغلظۃ وشبہہا والاکل علی الطریق وشبہہ۔

(اسی طرح) نبی کا اُن چیزوں سے منزہ ہونا بھی لازم ہے جنسے کہ نفرت اور کراہت کیجاتی ہے جیسے کہ اُس کے آباء واجداد کا دنی اور ذلیل ہونا اور اُس کے امہات کا مرتکب قبیح ہونا یا اس (نبی) کا سخت کلامی اور تند خوئی وغیرہ کے ساتھ موصوف ہونا اور اُس کا راستہ گلی میں کھانا پینا وغیرہ۔

واجب ہے کہ جو اُمور مکروہ طبع ہوتے ہیں وہ بھی نبی سے صادر نہوں تاکہ بعثت کا فائدہ حاصل ہو اور لوگ اُنکے کہنے پر عمل کریں اور نظر مردم میں صاحب عزت وتمکین ہوں۔
اور علامہ حلی علیہ الرحمہ اس قول کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کا آباء واجداد کی دناءت ورذالت اور امہات کے فسق وفجور سے بھی منزہ ہونا لازم ہے اس لئے کہ یہ اُمور بھی باعث نفرت ہوتے ہیں۔
اسی طرح واجب ہے کہ نبی ترش روئی اور سخت کلامی سے بھی منزہ اور مبرا ہو تاکہ اُنسے نفرت حاصل نہ ہونے پائے۔ اسیطرح نبی کا اُن امراض سے بھی منزہ ہونا لازم ہے جو موجب نفرت وکراہت ہوتے ہیں جیسے اُبنہ۔ سلس الریح۔ جذام۔ برص۔ اور اسیطرح نبی کا بہت سے ایسی مباح چیزوں سے بھی منزہ ہونا واجب ہے جو اُسکی باتوں کے قبول کرنے سے مانع اور

اُسکی تعظیم میں قادح ہوتی ہیں جیسے راستہ پر کھانا وغیرہ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں موجب نفرت ہوتی ہیں اور غرض بعثت کی منافی ہیں۔

در عبارت مذکورہ کے ترجمہ میں شارح بدخشی نے لکھا ہے کہ نبی میں کسی ایسی چیز کا نہ ہونا واجب ہے جس سے لوگوں کی طبیعت نفرت وکراہت کرتی ہو جیسے اُس کے آباء واجداد کا دنی اور رذیل ہونا جیسے حجام اور جولاہہ۔ اسیطرح نبی کا ایسے پیشوں سے پاک ہونا جو خسّت پر دلالت کرتے ہوں۔ اسیطرح نبی کی امہات کا پاکدامن اور صاحب عصمت وعفّت ہونا اور کسی پشت کا زنا سے متولد نہ ہونا اور اُنکو جملہ آباؤ امہات کا حضرت آدمؑ سے لیکر اُن تک جسقدر لوگ کہ پیدا ہوئے ہوں وہ سب مؤمنین ومؤمنات ہوں۔ اور اسی طرح نبی کے لئے لازم ہے کہ وہ درشت خوئی اور تند طبعی اور غضبناکی اور قساوت قلبی اور بدخلقی اور کینہ وحسد کے ساتھ موصوف نہ ہو اور اسی طرح خلقتی عیوب بھی نہ رکھتا ہو جیسے اندھا ہونا۔ بہرہ ہونا۔ اور اسیطرح مرض ابنہ اور برص اور جذام اور ریح صادر ہونیکی شکایت سے بھی معرا ہو۔

تنزیہ انبیاء کا ضابطہ

اور تنزیہ انبیاء میں اصلی ضابطہ یہ ہے کہ جو چیزیں باعث نفرت ہوں اُن کے ساتھ وہ موصوف نہ ہوں اور جو چیزیں کہ از قبیل کرم وشرف ہوں اُن کے ساتھ آراستہ ہوں تاکہ بعثت کا فائدہ بروجہ اکمل واتم جلوہ گر ہو جسطرح کہ عصمت میں جملہ گناہان کبیرہ وصغیرہ سے محفوظ رہنے کی بنا قائم ہوئی ہے خواہ وہ عمداً صادر ہوں سہواً قبل نبوت ہوں یا بعد نبوت۔ اور اسی طرح ایسے اُمور سے نبی کا پاک و پاکیزہ ہونا بھی ضروری ہے جو باعث نفرت اور موجب نقضِ غرض ہوں۔ اور اخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے حق الیقین میں تحریر فرمایا ہے کہ پیغمبر کو اپنی اُمت سے افضل اور اعلم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ مفضول کا ترجیح دینا از راہِ عقل قبیح ہے

اور چاہئے کہ نبی اُن تمام علوم کو جانتا ہو جنکی طرف اُمت کو حاجت ہے۔ اور چاہئے کہ صفات کمال کے ساتھ آراستہ ہو جیسے کمال عقل۔ زیرکی فطانت۔ قوت رائے عفت۔ شجاعت۔ کرم۔ سخاوت۔ ایثار۔ غیرت دینی رافت۔ رحم۔ مروت۔ تواضع نرمی۔ مدارا۔ ترک دنیا۔ رعایت علماء و صلحاء و اہل دین اور چاہئے کہ جملہ صفات ذمیمہ سے منزہ ہو جیسے کینہ۔ بخل۔ حسد۔ حرص محبت دنیا۔ محبت مال و جاہ و کج خلقی جبن۔ اور چاہئے کہ ایسے امراض سے بھی منزہ ہو جو موجب نفرت خلق ہوں جیسے برص ہونا۔ مجذوم ہونا۔ اندھا ہونا۔ بہرہ ہونا۔ گونگا ہونا۔ اور مثل اس کے اور چاہئے کہ اسکے نسب میں کسی قسم کی قدح نہ ہو جیسے ولد الزنا وغیرہ ہونا۔ اور اُسکے آبا و اجداد دنی نہوں۔ بلکہ رذیل پیشے بھی نہ رکھتے ہوں جیسے جولاہا ہونا۔ حجام ہونا۔ حمامی ہونا۔ اور بیطار ہونا۔ اور اسی طرح چاہئے کہ نبی سے ایسے اُمور بھی صادر نہوں جو منافی مروت ہوں جیسے کسی چیز کا بازاروں میں چلنے کے وقت کھانا یا مثل اسکے۔ اور ان اُمور کو بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے جنمیں سے بعض میں کلام ہو سکتا ہے۔ اور وہ جملہ حضرات جو ہمارے حضرتؐ کے آبا و اجداد میں داخل ہیں ہمیشہ مسلمان رہے انتہیٰ ما اردنا ایراده۔

علماء امامیہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی کے آباء و اجداد کا مومن و موحد ہونا ضروری ہے۔ اور اس باب میں کسی عالم نے اختلاف نہیں کیا۔ اور قول باریتعالے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ {پارہ ۷ سورہ انعام} اور (اُس وقت کو یاد کرو) جس وقت ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو کہا۔ کی نسبت کہتے ہیں کہ آزر درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ نہ تھے۔ بلکہ اُن کے باپ تارخ تھے اور آزر اُن کے چچا تھے۔ اور کلام عرب میں لفظ اَب کا چچا پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ امر علماء فریقین کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ فریق مخالف کے علماء اس امر کے قائل ہیں کہ معاذ اللہ حضرت عبد المطلب اور حضرت ابو طالب کافر تھے

پس ان لوگوں کا اس مطلب کو تسلیم کرلینا اُس تاویل کے قوی ہونیکی دلیل ہو جسکو
کہ ہمارے علمار نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔

اور امام فخر الدین رازی نے زجاج سے نقل کیا ہو کہ۔

لاخلاف بین الناس ان اسم ابیہ تارخ ومن الملاحدۃ من جعل ذلک طعنا فی القرآن۔	لوگوں نے اس باب میں اختلاف نہیں کیا کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ تھا اور بعض ملاحدہ اسکو قرآن مجید میں وجہ طعن قرار دیتے ہیں۔

اور اسکی توجیہ میں کئی وجہیں ذکر کی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک وجہ یہ ہو کہ اب کا لفظ چچا کے لئے بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے حکایت کی ہے۔

نعبد الٰھک واِلٰہ اٰبائک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق۔	ہم آپ کے معبود اور آپ کے آبار ابراہیم واسمٰعیل واسحاق کے معبود کی عبادت کیا کرینگے۔ (پارہ ۱ سورہ بقر)

اور اس میں شک نہیں ہو کہ حضرت اسماعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ اور اسی مطلب کی فاضل نسفی نے مدارک میں بھی تصریح کی ہے۔ اور اسی پر باری تعالےٰ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے۔

الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین ہ	جو اُس وقت بھی تمکو دیکھتا رہا جب تم نبوت پر قائم ہوئی اور سجدہ کرنیوالوں کے صلب و رحم میں تم منتقل ہونیکو بھی دیکھتا رہا۔ (پارہ ۱۹ سورہ شعرا)

چنانچہ بعض مفسرین نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا تھا۔ اس تقدیر پر حضرت کے جملہ آبار واجداد مسلمان ہونگے۔ پس چونکہ حضرت ابراہیمؑ بھی آپ کے اجداد میں منسلک ہیں لہذا اُنکا مسلمان ہونا بھی معین ہوگا۔ اور جو کچھ کہ ہمنے ذکر کیا ہے اُسی کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جسکو

علمائے اہلِ سنت والجماعت نے حضرت رسول خداؐ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔

لم یزل ینقلنی اللہ من اصلاب الطاھرین الی ارحام المطہرات حتے اخرجنی فی عالمکم ھذا — حق تعالیٰ ہمیشہ مجھ کو پاک اور طاہر لوگوں کی پشت سے پاک وصاف وپاکیزہ عورتوں کے رحم کی طرف نقل کرتا رہا تاآنکہ مجھ کو تمہارے اس عالم میں ظاہر کیا

رہا یہ امر کہ باقی انبیاء کے آباء واجداد کا بری ہونا تو ہر چند کہ علامہ طبرسیؒ نے آیۂ شریفہ

یٰاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا — چچا جان مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کو خدا کی طرف سے عذاب پہونچے۔ پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ (پارہ ۱۶ سورۂ مریم)

کے ذیل میں فرمایا ہے کہ اس مقام پر باپ سے آذر مراد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے نانا یا چچا تھے اور انسے اس مقام پر تارخ مراد نہیں ہیں جو درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے اس لئے کہ ہمارے علماء نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ انبیاء کے آباء واجداد حضرت آدمؑ تک سب کے سب مسلمان موحد تھے۔ مگر جناب غفران مآب علی اللہ مقامہ نے عماد الاسلام میں فرمایا ہے کہ انکا یہ قول ان اخبار سے منقوض ہے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض پیغمبروں کے آباء واجداد کافر تھے۔ اور یہی وجہ ہے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حکم میں توقف فرمایا ہے لیکن اگر اجماع مذکور کا ثابت ہونا فرض کرلیا جائے تو آیات مرقومہ بالا کی طرح روایات مشارٌ الیہ کی بھی تاویل کیجاویگی یا انکا طرح کرنا معین ہوگا۔

بہرحال چونکہ انبیاء وا وصیاء کا جملہ عیوب سے منزہ اور پاک ہونا بداہتًہ ثابت ہوسکتا ہے اس لئے کہ خدا نے ان بزرگواروں کو اپنی وحی واسرار

امین اور اُمت تک جملہ احکام کے پہونچانے کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور لوگوں پر انکی اطاعت و فرمانبرداری اور غایت انقیاد کو لازم کیا ہے لہذا اگر انبیاء میں کسی ایسے امر کا موجود ہونا فرض کیا جائے گا جو لوگوں کی نفرت اور کراہت کا سبب قرار پائے گا تو خود حقتعالے کا ناقض غرض ہونا لازم آئے گا جس کا حقتعالی سے صادر ہونا محال ہے لیکن باوجود اسکے حضرات معصومینؑ نے بھی ان مطالب کو احکام عقلیہ کی تائید کے لئے بیان فرمایا ہے۔ اس مقام پر من باب التیمن بعض احادیث کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلی حدیث وہ ہے جو عیون اخبار رضاءؑ میں مذکور ہے۔ حضرت نے امام کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے کہ

هو معصوم مؤيد موفق مسدد قد امن من الخطايا والزلل والعثار يخصه الله بذلك ليكون حجته على عباده وشاهده على خلقه وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

وہ معصوم مؤید من اللہ توفیق یافتہ صاحب صلاح وسداد ہوتے ہیں جملہ خطاؤں اور لغزشوں سے مامون ہوتے ہیں حقتعالی انکو ان امور کے ساتھ اس لئے مخصوص کرتا ہے کہ وہ اُسکے بندوں کی حجت اور اُسکی مخلوقات پر شاہد قرار پائیں اور یہ فضل خدا ہے جسکو وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور خدا صاحب فضل عظیم ہے۔

اس حدیث شریف سے حجت خدا کا محاسن عادات اور مکارم اخلاق اور دیگر صفات حمیدہ کے ساتھ موصوف ہونا اور جملہ منفرات عیوب سے پاک و پاکیزہ ہونا مستفاد ہوا جسکا مؤید مطلوب ہونا واضح ہے۔

دوسری حدیث وہ ہے جو کتاب مذکور میں حضرت سے دربارہ امام منقول ہے

الامام المطہر من الذنوب والمبرء من العیوب کہ امام تمام گناہوں سے پاک و پاکیزہ اور جملہ عیوب سے منزہ و مبرا ہوتا ہے۔

تیسری حدیث وہ ہے جسے جناب امیرالمومنین ع نے خطبۂ قاصعہ میں حضرت رسول خدا ؐ کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔

ولقد قرن اللہ بہ من لدن ان کان فطیما اعظم ملک من ملائکتہ یسلک بہ طریق المکارم و محاسن اخلاق العالم لیلہ و نہارہ الحدیث	اور خدا تعالیٰ نے اُنکی بچپنے ہی کی زمانہ سے ایک بہت بڑے فرشتہ کو اُنکے ہمراہ رہنے پر مامور فرمایا تھا جو اُنکو مکارم اخلاق اور محاسن صفات کے طریقوں پر رات دن لیے چلتا تھا۔

چوتھی حدیث وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق ع سے منقول ہے۔

نحن قوم معصومون امر اللہ تبارک و تعالیٰ بطاعتنا و نہی عن معصیتنا الحدیث	ہم لوگ معصوم ہیں حق تعالیٰ نے ہماری طاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خداوند عالم نے لوگوں کو ان بزرگوار ونکی اطاعت و فرمانبرداری پر مامور کیا ہے اور نافرمانی سے ممانعت فرمائی ہے۔

اب اگر انبیاء اور ائمہ ع میں کسی خصلت مذمومہ یا کسی عیب کا موجود ہونا فرض کیا جائیگا تو لوگ ان حضرات کی نافرمانی میں معذور سمجھے جائینگے۔ اور ان حضرات کے مبعوث اور مقرر کرنیکی غرض و غایت حاصل نہوگی۔ لیکن چونکہ حقتعالیٰ کا ان بزرگوں کو بغرض ہدایت معین کرنا مفروض ہے لہٰذا ایسے اُمور سے انکا محفوظ رکھنا لازم ہوگا۔ جو اس غرض کے حاصل ہونے میں قادح فرض کیے جائیں۔

اور مجالس شیخ مفید علیہ الرحمہ میں مذکور ہے کہ وہ شریف ابو عبداللہ کے یہان تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جو ورثانی کے لقب سے پکارے جاتے اور اہل سنت و جماعت کے فقہا میں شمار کیے جاتے تھے وارد ہوئے اور کہنے لگے کہ آیا آپکا یہ مذہب نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا ؐ ہر ایک خطا سے بری اور ہر ایک قسم کی لغزش سے پاک تھے۔ اُن پر سہو و غلط جاری نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ہر ایک

امر میں اپنی رعیت سے مستغنی تھے جناب شیخ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ ورثانی نے کہا کہ پھر آپ قول باریتعالےٰ۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط (پارہ ۴ سورہ آل عمران) } اور اُنسے معاملات میں مشورہ کرلیا کرو اور جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کرلو تو اُسوقت اللہ پر بھروسہ کرو

کی نسبت کیا فرمائینگے آیا اس آیۂ شریفہ میں حقتعالےٰ نے حضرتؐ کو اس امر پر مامور نہیں فرمایا کہ وہ رائے میں لوگوں سے استعانت کریں۔ اور یہ کہ حضرتؐ کو اُن کے مشورہ کی حاجت ہو۔ پھر آپ کا دعوےٰ کیونکر صحیح ہوگا۔ حالانکہ ظاہر قرآن اور خود حضرتؐ کا اُن لوگوں سے اپنے اُمور میں مشورہ کرنا آپ کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتا ہے۔ یہ سنکر جناب شیخ مفید نے ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے اس لئے مشورہ نہیں فرمایا کہ حضرتؐ کو اُن کی رائے کی احتیاج اور اُن کے مشورہ کی ضرورت تھی۔ اور حضرتؐ جو اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے وہ اس غرض سے نہ ہوتا تھا جسکا تمکو خیال ہے بلکہ حضرتؐ کے مشورہ کرنے کا سبب اور تھا جسکو میں تمسے بیان کرونگا۔ ہمکو حضرتؐ کا گناہان کبیرہ سے معصوم ہونا معلوم ہوچکا ہے اگرچہ گناہان صغیرہ سے حضرتؐ کے معصوم ہونے میں تم لوگ مخالفت کرتے ہو۔ اور اس امر پر تمام اہل اسلام نے اتفاق کیا ہے کہ حضرتؐ تمام لوگوں میں باعتبار رائے کے بہتر اور باعتبار عقل وفہم کے زائد اور باعتبار تدبیر کے سب سے افضل تھے اور حقتعالےٰ کے فیوض حضرتؐ سے ہر وقت متصل رہتے تھے اور اُسکے مقرب فرشتے حضرتؐ پر ایسے اخبار لیکر متواتر آیا کرتے تھے جنسے تہذیب کے طریقے معلوم ہوتے اور مصالح واقعیہ پر متنبہ کرنے کی خبر دیتے تھے اور جبکہ حضرتؐ کا ایسے اوصاف کے ساتھ موصوف ہونا فرض کرلیا گیا تو اب حضرتؐ کے لئے اپنی رعیت سے رائے لینے اور وجہ صواب دریافت کرنے کا

کوئی داعی فرض کرنا صحیح نہیں ہوسکتا اس لیے کہ حضرتؑ کی رعیت میں جتنے لوگ تھے وہ تمام اوصاف حمیدہ میں حضرتؑ سے پست مرتبہ رکھتے تھے۔ اور شخص حکیم کسی دوسرے شخص سے بطور استفادہ و اعانت اسی وقت مشورہ کرسکتا ہے جبکہ اسکو اس امر کا یقین یا کم از کم ظن حاصل ہو کہ کوئی دوسرا شخص اُس سے رائے میں بہتر اور تدبیر میں زائد ہوشیار اور باعتبار عقل کامل تر ہے پس جبکہ حضرتؑ کو یہ معلوم ہوگیا کہ جملہ اوصاف و مکارم میں اُنکی رعیت پست مرتبہ رکھتی ہے تو حضرتؑ کا کسی شخص کی اپنی تدبیر میں استعانت کرنا بے معنی ہوگا۔ انتہی ملخصا۔

اور اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے نزدیک حضرتؑ کا معصوم ہونا اور سہو و خطا کا حضرتؑ پر جائز نہ ہونا موالف و مخالف دونوں کی نظر میں معروف تھا۔

فائدہ

انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا اہل علم نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ ملائکہ سے انبیاءؑ افضل ہیں یا انبیاءؑ سے ملائکہ افضل ہیں اور اسمیں کئی قول ہیں۔

پہلا قول نوع ملائکہ کا نوع بشر سے افضل ہونا۔ اور ملائکہ مقربین کا انبیاءؑ و اوصیاءؑ سے۔ اور انبیاء کا باقی ملائکہ (غیر مقربین) سے افضل ہونا۔ اس قول کو ابن ابی الحدید معتزلی نے معتزلہ کی طرف منسوب کیا ہے اور علامہ قوشجی وغیرہ سے منقول ہوا ہے کہ حکماء اور قاضی ابوبکر اور ابوعبداللہ حلبی نے بھی معتزلہ کی موافقت کی ہے۔

دوسرا قول انبیاء کا مطلق ملائکہ سے افضل ہونا۔ اور اس قول کو اشاعرہ نے اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول۔ انبیاء اور اوصیاء کا مطلق ملائکہ سے افضل ہونا۔ اور اس قول کو فرقہ امامیہ

اختیار کیا ہے۔ صاحب مواقف تحریر فرماتے ہیں کہ

لا نزاع ان الجسیم افضل من الملائکۃ السفلیۃ الارضیۃ انما النزاع فی الملائکۃ العلویۃ السماویۃ

اسمیں کوئی نزاع نہیں ہے کہ سفلی ملائکہ جو زمین پر رہنے والے ہیں اُن سے انبیاء افضل ہیں۔ لیکن جو نزاع واقع ہوئی ہو وہ اُن علوی ملائکہ میں ہے جو آسمان پر رہتے ہیں۔

اور ان اقوال میں تیسرا قول حق ہے جس پر کئی امروں کے ساتھ استدلال ہو سکتا ہے۔

پہلا امر۔ اجماع ہے اور ہمارے علماء اعلام کا اس مطلب پر اتفاق ہے کہ فرشتوں سے انبیاء علیہم السلام اور اوصیاء افضل ہوتے ہیں اس مقام پر بعض حضرات کے کلمات کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

(۱) صدوق ابن بابویہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

ان اعتقادنا فی باب الانبیاء والرسل انہم حجج اللہ وانہم افضل من الملائکۃ

انبیاء و رسل کے باب میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ حجت خدا ہیں اور یہ کہ وہ ملائکہ سے افضل ہیں۔

اور ابن ابی الحدید سے مذہب امامیہ کی نسبت منقول ہوا ہے کہ

ان مذھب الامامیۃ ان الانبیاء والاوصیاء کلہم افضل من الملائکۃ

امامیہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ سے انبیاء و اوصیاء افضل ہیں۔

(۲) محقق طوسی علیہ الرحمہ تجرید میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وھو افضل من الملائکۃ وکذا غیرہ من الانبیاء لوجود المضاد للقوۃ العقلیۃ وقھرہ علی الانقیاد علیھا۔

ملائکہ سے ہمارے نبی اور باقی انبیاء افضل ہیں اس لئے کہ جو چیزیں قوت عقلیہ کی ضد ہیں وہ انبیاء میں موجود ہیں اور انکو قوت عقلیہ کی اطاعت و انقیاد پر انہوں نے مغلوب کیا ہے۔

(۳) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔

وقد اختلف المسلمون فيه فذهب اكثر الاشاعرة الى ان الانبياء ع افضل من الملائكة وصرح بعضهم بان عوام البشر من المؤمنين افضل من عوام الملائكة وخواص الملائكة افضل من عوام البشر اى غير الانبياء وذهب اكثر المعتزلة الى ان الملائكة افضل من جميع البشر ولا خلاف بين الامامية فى ان الانبياء والائمة افضل من جميع الملائكة وادعى الاجماع عليه جماعة منهم السيد مرتضى رضى الله عنه فى الغرر والدرر والمفيد قدس سره فى كتاب المقالات والصدوق طيب الله تربته فى رسالة العقائد والعلامة فى بعض كتبه والاخبار فى ذلك مستفيضة اوردتها فى الكتاب الكبير مع تاويل ما يوهم خلافه واما سائر المؤمنين ففى فضل كلهم او بعضهم على جميع الملائكة او بعضهم فلا يظهر شيء من الآيات والاخبار ظهورا بينا يمكن الحكم فيه باحد الشقوق المذكورة

مسلمانوں نے اس مقام پر اختلاف کیا ہے پس اکثر اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ ملائکہ سے انبیاء ع افضل ہیں اور بعض اشاعرہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ عام فرشتوں سے مومنین کے عام لوگ افضل ہیں اور عام آدمیوں (غیر انبیاء) سے خواص ملائکہ افضل ہیں۔ اور اکثر معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام آدمیوں سے فرشتے افضل ہیں اور مابین امامیہ اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ تمام ملائکہ سے انبیاء اور ائمہ ع افضل ہیں اور اس مطلب پر ایک جماعت نے اجماع کا دعوے کیا ہے منجملہ اُنکے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے غرر و درر میں اور جناب شیخ مفید نے کتاب مقالات میں اور جناب صدوق علیہ نے رسالہ عقائد میں اور علامہ علیہ الرحمہ نے اپنی بعض کتب میں اسکی تصریح کی ہے اور اس باب میں جو اخبار منقول ہوئے ہیں وہ مستفیض ہیں میں نے اُن کو کتاب کبیر میں وارد کیا ہے اور جو امور کہ موہم خلاف تھے اُن کی تاویل بھی ذکر کیا ہے۔ رہے باقی مومنین پس آیا وہ سب یا اُن میں سے بعض تمام ملائکہ پر یا بعض ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں یا نہیں تو اس بارہ میں آیات و اخبار سے کوئی ایسا واضح امر ظاہر نہیں ہوتا جس کی بنا پر مذکورہ بالا شقوں میں سے کسی ایک کا حکم کرنا صحیح ہو۔

وفیہا فنحن فیہا من المتوقفین { بس اس بارہ میں ہم توقف کرتے ہیں انتہی مخلصاً

(۴) جناب غفران مآب نے اس کلام کی تفصیل میں ارشاد فرمایا ہے کہ بشر میں بہت سے ایسے امور موجود ہیں جو قوت عقلیہ کی ضد ہیں اور اُس (بشر) کو طاعات عملیہ سے روکتی ہیں جیسے شہوت وغضب اسی طرح بشر میں باقی حوائج ایسے موجود ہیں جو اسکو عبادات سے مانع ہوتے ہیں اور کمالات کا اضداد قوت عاقلہ کو مغلوب کرکے حاصل کرنا استحقاق ثواب میں داخل ہوتا ہے۔

اور افضلیت سے استحقاق ثواب کا زائد ہونا ہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ انسان نے ایسی ترکیب پائی ہے جو فرشتوں اور بہائم کے درمیان ہے۔
پس انسان کو اپنی عقل کے سبب سے حظ ملائکہ اور طبیعت کے سبب سے حظ بہائم حاصل ہے پس اگر اُسکی عقل پر اُسکی طبیعت غالب آگئی تو وہ بہائم سے بھی بدتر ہو جاتا ہے چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اولئک کالانعام بل ہم اضل۔
اور اگر اُسکی طبیعت پر اُسکی عقل غالب آجائے تو وہ ملائکہ سے بہتر ہوگا۔
اور تفسیر حضرت امام حسن عسکری ؑ میں خیار بنی آدم کے ملائکہ سے افضل ہونیکی جو وجوہ عقلیہ مذکور ہوئے ہیں اُنہیں سے بعض وجوہ کا بطور تیمن اس مقام پر وارد کرنا مناسب ہے حضرت ایک حدیث طویل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ثم اخرج من صلب آدم ذریتہ منہم الانبیاء والرسل والخیار من عباد اللہ افضلہم محمد ثم آل محمد ومن الخیار الفاضلین منہم اصحاب محمد وخیار امۃ محمد وعرف الملائکۃ بذلک انہم افضل

بعد ازاں حقتعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے اُنکی ذریت کو پیدا کیا جنمیں انبیاء اور رسل اور بہت سے نیکوکار اور برگزیدہ بندے داخل تھے اور اُن سب میں حضرت محمد مصطفیٰ اور اُنکی آل پاک کو بعد ازاں اُنکے اصحاب و اُمت کے دیگر نیک بندوں کو سب سے افضل قرار دیا۔

من الملائكة اذا احتملوا ما حملوه من الاثقال
وقاسوا ما هم فيه من تعرض اعوان الشياطين
ومجاهدة النفوس احتمال ذي ثقل العيال
والاجتهاد في طلب الحلال ومعاناة مخاوف
الخوف من الاعداء من لصوص مخوفين
ومن سلاطين جورة قاهرين وصعوبة
في المسالك في المضائق والمخاوف
والاجزاع والجبال والتلال
لتحصيل اقوات الانفس
والعيال من الطيب الحلال عرفهم الله
عز وجل ان خيار المؤمنين يحتملون هذه البلايا
ويتخلصون منها ويحاربون الشياطين
ويهزمونهم ويجاهدون انفسهم بدفعها عن
شهواتها ويغلبونها مع ما ركب فيهم من شهوة
الفحولة وحب اللباس والطعام والعز والرياسة
والفخر والخيلاء ومقاساة العناء والبلاء
من ابليس لعنه الله وعفاريته خواطرهم
اغوائهم استهوائهم دفع ما يكيدونه
من الم الصبر على سماع الطعن من اعداء الله
وسماع الملاهي الشتم لاولياء الله مع
ما يقاسونه في اسفارهم لطلب اقواتهم۔

اور ملائکہ کو بتلا دیا کہ یہ لوگ اُنسے افضل ہیں
جبکہ وہ شدائد پر تحمل کریں اور شیطانوں کے مددگاروں
کے وسوسوں اور نفوس کے مجاہدہ اور عیال کی گرانباری
اور رزق حلال کی تلاش میں زحمتوں پر صبر کریں۔
اور دشمنوں کے خوف سے طرح طرح کے خطروں کی مشقتوں پر
تحمل کریں جیسے خوفناک چور اور ظالم بادشاہ مراد ہیں اسی طرح
وہ ملائکہ پر اُسوقت فوقیت لیجا سکتے ہیں جبکہ وہ تنگ و
تاریک رستوں اور ہولناک مقامات اور پہاڑوں اور
ٹیلوں کی آمد و رفت کی صعوبتوں کو برداشت کریں تاکہ
اپنے اور اپنے عیال کے لئے قوت حاصل کریں۔ پس حقتعالے
نے فرشتوں کو اس امر سے آگاہ کر دیا کہ اُسکے نیک بندے اور دیندار
ان بلاؤں کا تحمل کرینگے اور اُنسے رہائی حاصل کرینگے اور شیطان
سے مقابلہ کرینگے اور اُنکو شکست دینگے۔ اور مجاہدہ نفس میں مشغول
ہونگے اور اُنکی شہوات کو دفع کر کے غالب آئینگے حالانکہ اُن میں قوت
شہوت اور لباس و کھانے اور عزت اور ریاست اور فخر و تکبر کی [illegible]
پیدا کی گئی ہے۔ اور اسیطرح [illegible] نفسوں پر غالب آئینگے شیطان اور اسکے
لشکروں اور اُن کے وسوسوں اور اُنکے مکر و فریب اور اُنکے
کی مزاحمت کرینگے اور دشمنوں کے طعن و تشنیع اور لہو و لعب کی
آوازیں اور اولیاء خدا کی سب و شتم کو سننے پر صبر کرینگے
اسی طرح وہ اپنے اُن سفروں میں اپنے کھانے
اور پینے کی چیزوں کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں

والهرب من اعداء دينهم
او الهاء بالمؤن من مخالفيهم
في دينهم قال الله تعالى عز وجل
يا ملائكتي وانتم من جميع ذلك
بمعزل لا شهوات الفحولة
تزعجكم ولا شهوة الطعام تحفزكم
ولا الخوف من اعداء دينكم ودنياكم تنخب
في قلوبكم ولا لابليس في ملكوت
سماواتي وارضي شغل على اغواء
ملائكتي الذين قد عصمتهم منه
يا ملائكتي فمن اطاعني منهم وسلم دينه
من هذه الآفات والنكبات
فقد احتمل في جنب محبتي ما لم
تحتملوه واكتسب من القربات الي
ما لم تكتسبوا فلما عرف الله الملائكة
فضل خيار امة محمد وشيعة علي
وخلفائه عليهم السلام واحتمالهم
في جنب محبة ربهم ما لا يحتمله
الملائكة ابان بني ادم الخيار المتقين
بالفضل عليهم۔ (الحديث)

اور اعداء دین سے بھاگتے ہیں اور اُن لوگوں سے
جو دین میں اُنکے مخالف ہیں اذیتیں اُٹھاتے ہیں۔
حق تعالیٰ نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ تم اُن سب
باتوں سے الگ ہو۔ نہ قوت شہوانی تمکو زچ کرتی ہے
اور نہ کھانیکی خواہش تمکو آمدرفت پر مجبور کرتی ہے
اور نہ تمکو دین و دنیا میں دشمنوں کا خوف ہے کہ تمہارے
دلوں میں بزدلی پیدا کرے اور نہ میرے آسمان و زمین
میں شیطان کے لئے میرے اُن ملائکہ کے بہکانیکا
کوئی شغل ہے جنکو میں نے اُس سے محفوظ رکھا ہے۔
اے فرشتو جو شخص کہ بنی آدم میں سے میری اطاعت
کریگا اور اپنے دین کو ان آفتوں اور سختیوں سے
سالم رکھیگا تو وہ میری محبت میں ایسی شدتوں کا
تحمل کریگا جنکا تم نے تحمل نہیں کیا اور میری قرب
و منزلت کے اُن درجوں کو حاصل کریگا جنکو تمنے
حاصل نہیں کیا۔ پس جبکہ حق تعالیٰ نے اپنے ملائکہ
کو امت محمد کے نیک بندوں اور شیعیان علی اور
اُن کے خلفاء کی فضیلت کو بتلایا اور یہ کہ وہ
اپنے پروردگار کی محبت میں اُن چیزوں کا تحمل کرتے ہیں
جنکا کہ ملائکہ تحمل نہیں کر سکتے تو بنی آدم میں سے نیکوکار اور
پرہیزگار بندوں کی فضیلت کو اُنپر ظاہر فرمایا۔ (انتہیٰ ملخصاً)

دوسرا امر دلیل عقلی جسکا محقق طوسی اور جناب غفران مآب علیہما الرحمہ کے کلام میں تذکرہ ہو چکا ہے

تیسرا امر دلیل نقل اور اس مطلب پر جن وجوہ نقلیہ کے ساتھ تمسک کیا جاتا ہے انکا حصر دشوار ہے اس مقام پر بعض وجوہ کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

(۱) یہ کہ حقتعالی نے ملائکہ کو سجدہ آدم پر مامور کیا تھا۔ اور حکیم کسی افضل کو ادنی کے لئے مامور نہیں کرسکتا۔ اور شیطان نے جو سجدہ آدمؑ سے انکار کیا تھا اُسکا سبب یہ بیان کیا تھا کہ میں اُنسے بہتر ہوں اس لئے کہ تو نے مجھکو آگ سے اور انکو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

چنانچہ حقتعالی نے شیطان کی زبانی بیان فرمایا ہے۔

أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ - (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل) بھلا دیکھ تو یہ وہی ہے جسکو تو نے مجھپر فضیلت دی ہے

اور دوسرے مقام پر اُس کے قول کی اس طرح حکایت فرماتا ہے۔

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (پارہ) میں اُن (آدم) سے بہتر ہوں مجھکو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور انکو مٹی سے

شیطان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سجدہ پر حقتعالی نے ملائکہ کو مامور کیا تھا وہ سجدہ اکرام و تعظیمی تھا اور سجدہ تحیۃ و زیارت نہ تھا۔

اور اسی مطلب کو جناب امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ کے ایک خطبہ طویلہ میں ذکر فرمایا ہے جسکے بعض فقرات یہ ہیں۔

واستادی الله سبحانه وتعالی الملئكة وديعته لديهم وعهد وصيته اليهم في الاذعان بالسجود لهم والخشوع لتكرمته وقال سبحانه وتعالی اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس وقبيله اعترتهم الحمية وغلبت عليهم الشقوة وتعززوا بخلقة النار

اور حق تعالی نے فرشتوں سے اپنی اس ودیعت کو طلب فرمایا جس کو اُن کے پاس امانت رکھا تھا اور اُسکی اُنکی طرف وصیت کی تھی جس سے غرض آدم کے لئے سجدہ کرنیکا اذعان اور انکی تعظیم و تکریم کے لئے فروتنی کرنا مراد ہے پس حقتعالی نے ارشاد فرمایا تم آدم کے لئے سجدہ کرو پس سوائے ابلیس اور اُس کے قبیلہ کے سب نے سجدہ کیا اُنکو حمیت عارض ہوئی شقاوت اُنپر غالب ہوئی اور اُنہوں نے آگ کی

واستوهنوا خلق الصلصال۔

پیدائش کے سبب سے اپنے آپ کو معزز قرار دیا۔ اور مٹی کی پیدائش کو ذلیل سمجھا الخ۔

اور احتجاج طبرسی میں مذکور ہے کہ حضرت امام موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے آباء طاہرینؑ سے نقل کیا ہے کہ۔

ان یھودیا سئل امیر المؤمنین من معجزات النبی فی مقابلۃ معجزات الانبیاء فقال ھذا آدم قد اسجد اللہ لہ ملائکتہ فھل فعل لمحمد شیئا من ھذا فقال علی لقد کان ذالک ولکن اسجد اللہ لآدم ملائکتہ فان سجود ھم لم یکن سجود طاعۃ انھم عبد و آدم من دون اللہ عزوجل ولکن اعترافا لآدم بالفضیلۃ و رحمۃ من اللہ لہ و محمد اعطی ما ھو افضل من ھذا ان اللہ جل و علا صلی علیہ فی جبروتہ و الملائکۃ

ایک یہودی نے حضرت امیر المؤمنینؑ سے ہمارے نبی اور باقی انبیاءؑ کے معجزوں میں باہم مقابلہ کرنے کی غرض سے سوال کیا کہ حق تعالےٰ نے ملائکہ کو حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ کرنیکا حکم دیا تھا پس آیا اس قسم کا کوئی امر حضرت محمدؐ کے ساتھ بھی کیا ہے یا نہیں۔

پس حضرت نے ارشاد فرمایا! کہ ایسا ضرور ہوا ہے۔ لیکن حقتعالےٰ نے ملائکہ کو جو حضرت آدمؑ کے سجدہ کرنے پر مامور کیا تھا وہ سجدۂ طاعت نہ تھا کہ انہوں نے حضرت آدمؑ کی عبادت کی ہو مگر اس سجدہ سے حضرت آدمؑ کی فضیلت کا اعتراف مقصود تھا اور رحمت خدا تھی اور حضرت محمد مصطفےٰ کو حقتعالیٰ نے ایسی چیز عطا فرمائی کہ وہ اس سے افضل ہے اس لئے کہ حقتعالیٰ نے اپنے جبروت میں اور تمام ملائکہ نے

باجمعها وتعبد المؤمنون بالصلوٰة علیه

حضرت پر درود بھیجا ہے اور حضرت پر درود بھیجنے کو مؤمنین کے لئے عبادت مقرر فرمایا۔

اور عیون اخبار رضا میں ابوالصلت ہروی سے مذکور ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے آبار طاہرینؑ سے نقل فرمایا ہے کہ۔

قال رسول اللهؐ ان الله فضل انبیائه المرسلین علی ملائکته المقربین وفضلنی علی جمیع النبیین والمرسلین (الی ان قال) ثم ان الله تبارك وتعالی خلق آدم فاودعنا صلبه وامر الملائکة بالسجود له تعظیما لنا واکراما وکان سجودهم لله عز وجل عبودیة ولآدم اکراما وطاعة لکوننا فی صلبه فکیف لانکون افضل من الملائکة وقد سجدوا لآدم کلهم اجمعون (الحدیث)

رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ نے اپنے انبیار مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین پر اور مجھکو جملہ انبیار و مرسلین پر فضیلت دی ہے تا اینکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور ہمکو اُن کی پشت میں جگہ دی اور ملائکہ کو اُن کے لئے سجدہ کرنیکا ہماری تعظیم و اکرام کے لئے حکم دیا اور انکا سجدہ خدا کے لئے ازراہ عبودیت تھا اور حضرت آدم کے لئے ازراہ اکرام و طاعت تھا اس لئے کہ ہم انکی پشت میں موجود تھے۔ پس ہم ملائکہ سے کیونکر افضل نہونگے حالانکہ جملہ ملائکہ نے حضرت آدم کے لئے سجدہ کیا تھا۔ الخ

اور ابوالبصیر نے حضرت امام جعفر صادق عؑ سے نقل کیا ہے وہ (ابوالبصیر) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ۔

سجدت الملائکة لآدم ووضعوا جباههم علی الارض۔

آیا فرشتوں نے حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ کیا تھا اور اپنی پیشانیوں کو زمین پر رکھا تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

نعم تکرمة من الله تعالیٰ

ہاں ایسا ہی ہوا تھا ہمیں حضرت آدمؑ کی تعظیم و تکریم مقصود

پس قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہوا کہ ملائکہ نے جو حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا
وہ سجدہ تعظیم و تکریم تھا اور یہ کہ وہ حضرت آدمؑ کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے۔
پس اس مقام سے ابن ابی الحدید کا یہ قول ساقط ہو جاتا ہے کہ سجدہ کرنا مسجود
کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ
کے لئے سجدہ کیا تھا حالانکہ حضرت یوسف کا اُن (حضرت یعقوب) سے افضل
ہونا ثابت نہیں ہے۔ اور وجہ سقوط ظاہر ہے۔ اس لئے کہ سجدہ ملائکہ
کا سجدہ تعظیمی و تکریمی ہونا معلوم ہوا اور حضرت یعقوب کا سجدہ محض سجدہ تحیت تھا
پس ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔ اور ابن ابی الحدید کے
خیال مذکورہ کے دفعیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن (ابن ابی الحدید) کے اس
قول سے کہ "سجدہ کرنا مسجود کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا" اگر یہ مراد لیجائے
کہ ہر ایک سجدہ مسجود کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا تو اُسکے تسلیم کرنے میں
کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ سجدہ تحیہ و زیارت اُس (مسجود) کی افضلیت پر
دلالت نہیں کرتا لیکن اس مقام پر مفید نہ ہوگا اس لئے کہ ہم نے اس کلیہ کا
دعوے نہیں کیا بلکہ خصوص سجدہ حضرت آدم میں تنازع ہے کہ وہ سجدہ
کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے یا نہیں بایں معنی کہ اگر وہ سجدہ زیارت و
تحیہ ہے تو افضلیت پر دلالت نہ کریگا اور اگر سجدہ تکرمہ و تعظیم ہے تو افضلیت پر
دلالت کریگا لیکن اُسکا سجدہ تکریمی و تعظیمی ہونا ثابت ہو چکا ہے لہذا اسکا افضلیت
پر دلالت کرنا بھی لازم ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک سجدہ کے موجب افضلیت
نہ ہونے سے کسی سجدہ کا موجب افضلیت کا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا
اس لئے کہ کذب موجبۂ کلیہ اور صدق موجبہ جزئیہ میں
تناقض نہیں ہے۔ اور اگر اُن کے قول مذکور سے یہ مراد لی جائے

کہ کوئی سجدہ اُس (مسجود) کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا تو اُسکا باطل ہونا بہت واضح ہے اس لئے کہ بعض سجود کا اُس (افضلیت) پر دلالت کرنا ثابت ہوچکا ہے۔ پس ہر ایک سجدہ سے اُس افضلیت) کی نفی درست نہ ہوگی اس لئے کہ موجبہ جزئیہ اور سالبہ کلیہ میں تنافی ہے۔ اور اگر قول مذکور سے بعض سجود کا افضلیت پر دلالت نکرنا مراد ہے تو یہ بھی قابل تسلیم ہے لیکن موجبہ جزئیہ اور سالبہ جزئیہ میں منافات نہیں ہے۔ پس ممکن ہے کہ بعض سجود کا حکم بعض آخر کے منافی ہو۔

(۲) حضرت آدم ؑ نے ملائکہ کو اسماء کی تعلیم دی تھی اور متعلم سے معلم کا افضل ہونا ظاہر ہے جیسا واجب تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (پارہ ۲۳ سورہ زمر) کیا وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہوجائینگے۔

اور آیہ شریف کے سیاق سے مفہوم ہوتا ہے کہ خدا کو حضرت آدم ؑ کی اُس فضیلت کا ظاہر کرنا مقصود تھا جو ملائکہ پر مخفی تھی اس سے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (پارہ ۱ سورہ بقر) جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

اور ارشاد فرمایا۔

إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (پارہ ۱ سورہ بقر) میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہوں

پس اس مقام پر بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ملائکہ کے لئے بھی بہت سے علم حاصل تھے جو حضرت آدم ؑ کے علم سے کہیں زائد تھے کیونکہ اُنہوں نے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا تھا اور مدتہائے دراز تک تجربہ اور نظر کے ذریعہ سے مجہولات کثیرہ اُنپر منکشف ہوئی تھے خارج از بحث ہوگا اس سے کہ ملائکہ کو علوم کثیرہ کا حاصل ہونا اس امر کو مقتضی نہیں ہے کہ اُنپر فضیلت حضرت آدم ؑ کی جملہ وجوہ بھی منکشف ہوں۔

تا اینکہ حضرت آدمؑ کی فضیلتِ مخفی کا اُن (ملائکہ) پر ظاہر کرنا مقصود ہو۔
اسکے علاوہ یہ ہے کہ ملائکہ کے لئے اسقدر علوم کا حاصل ہونا کہ حضرت آدمؑ کے علوم سے زائد ہوں قابلِ تسلیم نہیں ہے پس ممکن ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اسقدر علوم و اسرار تعلیم فرمائے ہوں کہ ملائکہ کے لئے باوجود طول زمان کے بھی حاصل نہ ہوسکے ہوں اس لئے کہ افاضۂ علوم میں قوت استعداد اور شدت قابلیت کی حاجت ہوتی ہے پس ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ کی قابلیت استعداد اُن (ملائکہ) کی قابلیت استعداد سے کہیں زائد رہی ہو اور قول واجب تعالےٰ۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پارہ ۱ سورۂ بقر) اور آدم (علیہ السلام) کو کل نام تعلیم کئے۔
میں لفظ اسماء سے محض الفاظ بدون معانی مراد لینا بے وجہ ہے۔ پس ممکن ہو کہ اسماء کے تحت میں ایسے رموز و اسرار مندرج ہوں جو ملائکہ کے لئے حاصل نہوں۔

(۳) قول واجب تعالیٰ۔
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پارہ ۳ سورۂ آل عمران) یقیناً خدا نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالموں سے برگزیدہ کیا۔
اس آیۂ شریفہ کے عموم میں اگرچہ آل ابراہیم اور آل عمران کے وہ لوگ بھی داخل ہیں جو انبیاء نہیں ہیں لیکن انکا اصطفاء سے خارج ہونا بالاجماع ثابت ہے۔
اس تقدیر پر حضرت آدم اور حضرت نوحؑ اور باقی جملہ انبیاء کا جنکو حقتعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں برگزیدہ فرمایا ہے تمام عالم کے لوگوں پر جنمیں ملائکہ بھی داخل ہیں افضل ہونا ثابت ہوگا اس لئے کہ لفظ عالمین کے عموم میں ملائکہ بھی داخل ہیں اور اُن (ملائکہ) کے مستثنےٰ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
(۴) ملائکہ کا زمین کی اُس خلافت کے لئے آرزو مند ہونا جو حضرت آدمؑ کو عطا کیگئی تھی جسپر قول باریتعالےٰ۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (پارہ ۱ سورہ البقرہ) — اور اے رسولؐ، تمہارے پروردگار نے جس وقت کل فرشتوں سے یہ فرمایا کہ زمین پر خلیفہ (ہمیشہ) میں مقرر کرونگا۔

اور قول واجب تعالیٰ جسمیں قول ملائکہ کی حکایت کی گئی ہے۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (پارہ ۱ سورہ البقرہ) — حالانکہ ہم تیری تسبیح تقدیس کیا کرتے ہیں۔

دلالت کرتا ہے۔ اور خلافت زمین کی آرزو اُسیوقت متصور ہے جبکہ اُس (خلافت) کا مرتبہ ملائکہ سے بالاتر ہونا فرض کیا جائے۔

(۵) وہ روایت ہے جو عیون اخبار رضاؑ میں مذکور ہے کہ حضرت امام رضاؑ نے اپنے آباء طاہرینؑ کے ذریعہ سے حضرت رسول خداؐ کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ

ما خلق الله خلقا افضل منی ولا اکرم علیه منی قال علیؑ فقلت یا رسول الله فانت افضل وجبرئیل فقال صلی الله علیه وآله وسلم یا علی ان الله تبارک وتعالی فضل انبیائه المرسلین علی ملآئکته المقربین وفضلنی علی جمیع النبیین والمرسلین والفضل بعدی لك یا علیؑ وللائمة من بعدك وان الملائكة لخدامنا وخدام محبینا یا علیؑ الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم

خداوند عالم نے کوئی ایسی شے پیدا نہیں کی جو مجھ سے افضل ہو اور بیش خدا بہ نسبت میرے گرامی تر ہو۔ جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ افضل ہیں یا حضرت جبرئیلؑ پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر اور مجھکو جملہ انبیاء و مرسلین پر فضیلت دی ہے اور میرے بعد اے علیؑ تمہارے لئے اور اُن اماموں کے لئے فضیلت حاصل ہے جو تمہارے بعد ہونگے۔ اور فرشتے ہمارے اور ہمارے دوستوں کے خادم ہیں اے علیؑ جو فرشتے کہ حامل عرش ہیں اور جو فرشتے کہ اُس (عرش) کے گرد رہتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے شکریہ میں اُس کی تسبیح کرتے ہیں

ويستغفرون للذين آمنوا بولايتنا
يا علي لولا نحن ما خلق الله آدم
ولا حوا ولا الجنة والنار
ولا السماء ولا الارض فكيف
لا تكون افضل من الملائكة و
قد سبقناهم الى معرفة
ربنا وتسبيحه وتهليله وتقديسه
لان اول ما خلق الله عز وجل
ارواحنا فانطقها بتوحيده و
تمجيده ثم خلق الملائكة
فلما شاهدوا ارواحنا نوراً واحداً
استعظمت امرنا فسبحنا
لتعلم الملائكة انا خلق
مخلوقون وانه منزه
عن صفاتنا فسبحت الملائكة
تسبيحنا ونزهته
عن صفاتنا فلما شاهدوا
عظم شاننا هللنا لتعلم
الملائكة ان لا اله الا الله
وانا عبيد ولسنا
بالهة۔

اور اُن لوگوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جو
ہماری ولایت پر ایمان لائے ہیں اے علی اگر
ہم نہوتے تو حقتعالی آدمؑ اور حوّا اور بہشت
اور دوزخ اور آسمان اور زمین کو پیدا نکرتا۔
اور ہم ملائکہ سے کیونکر افضل نہ قرار پائینگے۔
حالانکہ ہمنے خدا کی معرفت اور اُسکی تسبیح و تہلیل
اور اُسکی تقدیس کی طرف اُن (ملائکہ) سے
سبقت کی ہے اس لئے کہ حقتعالی نے پہلی
پہل جس چیز کو پیدا کیا ہے وہ ہماری ارواح
ہیں اُنکو خدا نے اپنی توحید اور تمجید کے ساتھ
گویا کیا بعد ازاں اُسنے فرشتوں کو پیدا کیا۔
پس جبکہ فرشتوں نے ہماری ارواح کو مشاہدہ
کیا کہ وہ نور واحد ہیں تو ہمارے امر کو عظیم
سمجھا۔ یہ دیکھکر ہمنے حقتعالے کی تسبیح کی
تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم مخلوق
ہیں اور حقتعالی ہمارے صفات سے منزہ ہے
پس فرشتوں نے بھی حقتعالی کی اُسیطرح تسبیح
کی جس طرح کہ ہم تسبیح کرتے تھے اور حقتعالے
کو ہمارے صفات سے اُنہوں نے منزہ سمجھا
اور جبکہ ملائکہ نے ہماری شان کی عظمت کو مشاہدہ
کیا تو ہمنے کلمہ لا الہ الا اللہ کی قراءت کی۔

يجب ان لا تعبد صمدا ودونه
فقالوا لا اله الا الله فلما شاهدوا
كبر محلنا كبرنا لتعلم الملائكة
ان الله اكبر من ان لاينال عظيم
المحل الا به فلما شاهدوا
ما جعله الله لنا من العز
والقوة قلنا لا حول ولا
قوة الا بالله لتعلم الملائكة
ان لا حول لنا ولا قوة الا
بالله فلما شاهدوا ما انعم الله
به علينا واوجبه لنا من فرض
الطاعة قلنا الحمد لله
لتعلم الملائكة ما يحق لله
تعالى ذكره علينا من الحمد
على نعمه فقالت الملائكة
الحمد لله فبنا اهتدوا
الى معرفة توحيد الله
وتسبيحه وتهليله وتحميده
وتمجيده ثم ان الله تبارك
وتعالى خلق آدم فاودعنا
صلبه وامر الملائكة بالسجود له

تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ حقتعالےٰ کے سوا
کوئی چیز معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ ہم بندے ہیں
اور معبود نہیں ہیں لازم ہو کہ ہمارے اُس کے ساتھ
یا بغیر اُس کے کسی طرح بھی عبادت نہ کیجائے
پس فرشتوں نے بھی لا الہ الا اللہ کہا اور جبکہ فرشتوں نے
ہمارے محل کی بزرگی اور رفعت کو مشاہدہ کیا تو ہم نے
تکبیر کہی تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ حقتعالیٰ
اس امر سے بزرگ و برتر ہے کہ کسیکو بغیر اُس کے
کسی قسم کی عظمت و بزرگی حاصل ہو۔ اور جبکہ ملائکہ
نے ہماری اُس عزت و قوت کو مشاہدہ کیا جو ہمکو
حقتعالیٰ نے مرحمت فرمائی تھی تو ہم نے لاحول
ولا قوۃ الا باللہ کہا تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے
کہ ہمکو جو حول و قوت حاصل ہے وہ خدا ہی کی
عنایت کی ہوئی ہے اور جبکہ ملائکہ نے اُن نعمتوں کو مشاہدہ کیا
جو حقتعالیٰ نے ہمکو عطا فرمائی تھیں اور ہماری اطاعت و فرمانبرداری
لازم کیا تھا تو ہم نے الحمد للہ کہا تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ
حقتعالیٰ کی ہی اُن نعمتوں کے مقابلہ میں جو ہمکو عطا کی ہیں
حمد و شکر کا استحقاق ہے اُسوقت فرشتوں نے بھی الحمد للہ کہا پس
ہماری وجہ سے فرشتوں نے خدا کی معرفت اور اُسکی توحید
اور اُسکی تسبیح و تہلیل و تحمید کیطرف ہدایت پائی اور بعد ازاں
حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ہمکو اُنکی پشت میں امانت رکھا اور

تعظیما لنا واکراما وکان سجودھم للہ
عز وجل عبودیة ولآدم
اکراما وطاعة لکوننا فی صلبه
فکیف لا نکون افضل من
الملائکة وقد سجدوا
لآدم کلھم اجمعون۔
وانه لما عرج بی الی السماء اذن جبرئیل
واقام مثنی مثنی ثم قال
لی تقدم یا محمد فقلت له یا جبرئیل
اتقدم علیك فقال نعم لان الله
تبارك وتعالی فضل انبیائه علی
ملائکته اجمعین وفضلك
خاصة فتقدمت وصلیت
بهم ولا فخر فلما انتهیت
الی حجب النور
قال لی جبرئیل تقدم
یا محمد وتخلف عنی فقلت
یا جبرئیل فی مثل هذا
الموضع تفارقنی فقال یا محمد

ہماری تعظیم وتکریم کی غرض سے حضرت آدمؑ کے لئے
سجدہ کرنے پر مامور کیا اور فرشتوں کا یہ سجدہ
حقتعالیٰ کے لئے عبودیت تھا اور حضرت آدمؑ کے لئے
اکرام اور طاعت تھا اس لئے کہ ہم انکی پشت میں
موجود تھے۔ پس ہم فرشتوں سے کیونکر افضل نہ قرار
پائینگے حالانکہ جملہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کے
لئے سجدہ کیا تھا اور جبکہ میرے لئے آسمان تک
معراج ہوئی تو حضرت جبرئیل نے دو دو مرتبہ
اذان اور دو دو مرتبہ اقامت کہی بعد ازاں مجھسے کہا
کہ اے محمد آپ سبقت کیجئے میں نے کہا کہ اے جبرئیل
آیا میں تم پر سبقت کروں پس انہوں نے کہا کہ ہاں
(ضرور سبقت کیجئے) اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے
انبیاء کو عموماً اور آپ کو خصوصاً اپنے تمام فرشتوں پر
فضیلت دی ہے پس میں نے سبقت کی اور انکو
نماز پڑھائی اور کوئی فخر نہیں ہے۵ پس جبکہ میں حجابہائے
نور کی طرف منتہی ہوا تو حضرت جبرئیل نے مجھسے کہا
کہ اے محمد سبقت کیجئے اور خود مجھسے پیچھے رہ گئے
پس میں نے کہا کہ اے جبرئیل تم مجھ سے ایسے مقام پر علیحدہ
ہوتے ہو پس انہوں نے کہا کہ اے محمد میرے لئے

۵ مطلب یہ کہ میں نے اپنے یہ فضائل جو بیان کئے ہیں اس سے مجھکو اپنے شرف و بزرگی پر فخر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ نعمائے الٰہی کا بیان کرنا مقصود ہے ۱۲

ان انتهاء حدی الذی وضعنی الله
عزوجل فیه الی هذا
المکان فان تجاوزته
احترقت اجنحتی
بتعدی حدود ربی جل جلاله
فزخ بی فی النور
زخة حتی انتهیت الی
ما شاء الله من علو مکانه
فنودیت یا محمد فقلت لبیك
ربی وسعدیك تبارکت وتعالیت
فنودیت یا محمد انت عبدی و
انا ربك فایای فاعبد وعلی
فتوکل فانك نوری فی عبادی
ورسولی الی خلقی وحجتی
علی بریتی لك ولمن
تبعك خلقت جنتی
ولمن خالفك
خلقت ناری
ولاوصیائك

حق تعالیٰ نے جو حد مقرر کر دی ہے وہ اسی مقام تک
منتہی ہوتی ہے پس اگر میں اس مقام سے تجاوز کروں
تو میرے بال و پر جلجائیں اسلئے کہ اس صورت میں
اُس حد سے تعدی لازم آئیگی جسکو کہ حقتعالیٰ نے
میرے لئے معین کر دیا ہے۔
بعد ازاں میں دریائے نور میں پھینکدیا گیا تا اینکہ میں
اُس مقام بلند تک منتہی ہو جہانتک کہ حق
تعالیٰ کو میرا پہونچا دینا مقصود تھا۔
پھر مجھکو ندا آئی کہ اسے محمدؐ مینے عرض کیا لبیك[له]
ربّی وسعدیك تبارکت وتعالیت بعد ازاں
مجھکو ندا دی گئی کہ اے محمدؐ تم میرے بندۂ خاص
ہو اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری عبادت
کرو اور مجھی پر بھروسہ کرو تم میرے بندوں میں
میرے نور ہو اور میری مخلوق کی طرف
پیغمبر اور تم پر میری حجت ہو۔
تمہارے اور تمہارے اتباع کے لئے
مینے اپنی جنت کو پیدا کیا ہے اور اُس شخص
کے لئے جو تمہاری مخالفت کرے مینے دوزخ
کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اوصیاء کے لئے اپنی

له یعنے اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں اور تو مبارک اور بلند مرتبہ ہے ۱۲

اوجبت كرامتك ولشيعتهم
اوجبت ثوابي فقلت يارب
ومن اوصيائي فنوديت
يامحمد اوصياؤك المكتوبون
على ساق العرش فنظرت وانا
بين يدي ربي جلاله الى ساق
العرش فرأيت اثني عشر نورا في كل
نور سطر اخضر عليه اسم وصي
من اوصيائي اولهم علي ابن ابيطالب عليه السلام
واخرهم مهدي
امتي فقلت يارب هؤلاء
اوصيائي بعدي
فنوديت يا محمد
هؤلاء اوليائي واحبائي
واصفيائي وحججي بعدك
على بريتي وهم
اوصياؤك وخلفائك
وخير خلقي بعدك وعزتي وجلالي
لاظهرن بهم ديني ولاعلين بهم
كلمتي ولاطهرن
الارض باخرهم

کرامت اور اُن کے شیعوں کے سئے اپنے
ثواب کو واجب کیا ہے پس میںنے عرض کیا کہ
اے میرے پروردگار میرے اوصیار کون ہیں
پس مجھکو ندا دی گئی کہ اے محمدؐ تمہاری اوصیار
وہ ہیں جو ساق عرش پر لکھے ہوئے ہیں پس
میںنے جبکہ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر تھا
ساق عرش کی طرف نظر کی ہیں پس میںنے بارہ نور
دیکھے کہ ہر ایک نور میں ایک سطر سبز موجود تھی
جسپر میرے ایک ایک وصی کا نام مرقوم تھا
اُن سب کے اول علی بن ابیطالبؑ تھے اور
اُن سب کے آخر میری اُمت کے مہدی تھے۔
میںنے عرض کی کہ اے میرے پروردگار آیا میرے بعد
یہی اوصیار ہونگے۔ پس ندا دیگئی کہ اے محمد یہ لوگ
میرے اولیار اور میرے احبار اور میرے اصفیار
ہیں۔ اور تمہارے بعد میری مخلوق پر میری حجتیں ہیں
اور یہی تمہارے اوصیار اور تمہارے خلفار ہیں
اور بعد تمہارے میری مخلوقات میں سب کے
بہتر ہیں اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں
اُن کی وجہ سے اپنے دین کو ظاہر کرونگا اور
انکی وجہ سے اپنے کلمہ کو بلند کرونگا اور ان میں
جو میری آخری حجت ہے اُس کے ہاتھوں زمین کو

من اعدائی ولا مکننہ مشارق الارض ومغاربہا ولا سخرن لہ الریاح ولا ذللن لہ السحاب الصعاب ولارقینہ فی الاسباب ولا نصرنہ بجندی ولا مدنہ بملائکتی حتے یعلن دعوتے ویجمع الخلق علے توحیدی ثم لادیمن ملکہ ولاداولن الایام بین اولیائی الی یوم القیامۃ	اپنے دشمنوں سے پاک کرونگا اور انکو زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا مالک کرونگا اور اُسکے لئے ہواؤں کو مسخر اور ابر سخت کو نرم کرونگا۔ اور اُنکو ہر ایک مقام مطلوب تک پہونچنے کے اسباب عطا کرونگا اور اپنے لشکر کے ساتھ اُس کی نصرت اور اپنے فرشتوں کے ساتھ اُس کی مدد کرونگا تاکہ وہ میری دعوت کا اعلان اور مخلوق کو میری توحید پر جمع کرے۔ بعد ازاں اُس کے ملک کو باقی اور اپنے اولیاء کی دولت کو تا قیامت جاری رکھونگا۔

اور اس حدیث کے بعض فقرات قبل ازیں سجدہ حضرت آدمؑ کے تعظیمی و تکریمی ہونے کے بیان میں گذر چکے ہیں۔

(۶) وہ حدیث ہے جو کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

لما اراد اللہ ان یخلق الخلق نشرہم بین یدیہ فقال لہم من ربک فاول من نطق رسول اللہ وامیر المؤمنین والائمۃ علیہم السلام فقالوا انت ربنا فحملہم العلم والدین ثم قال للملائکۃ	جب حق تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو انکو اپنے سامنے منتشر کیا اور اُنسے پوچھا کہ تمہارا پروردگار کون ہے پس پہلی پہل جو لوگ کہ گویا ہوئے وہ حضرت رسول خدا اور حضرت امیر المؤمنینؑ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام تھے۔ پس اُنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار تو ہی ہے پس حق تعالیٰ نے اُنکو علم و دین کا حامل قرار دیا بعد ازاں فرشتوں

هؤلاء حملة دینی وعلمی وامنائی فی خلقی وهم المسئولون۔ ثم قال لبنی آدم اقروا لله بالربوبیة ولهؤلاء النفر بالولایة والطاعة فقالوا نعم ربنا اقررنا فقال الله للملائکة اشهدوا فقال الملائکة شهدنا قال علی ان لا تقولوا غداً انا کنا عن هذا غافلین او تقولوا انما اشرك اٰباؤنا من قبل وکنا ذریة من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلون۔ یا داؤد ولایتنا مؤکدة علیهم فی المیثاق

ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے علم و دین کے حامل ہیں اور میری مخلوق میں میرے امین ہیں بعد ازان بنی آدم سے فرمایا کہ تم خدا کے لئے اسکی ربوبیت کا اور ان اشخاص کے لئے ولایت طاعت کا اقرار کرو پس سب نے کہا کہ ہاں ہم نے اقرار کیا بعد از آن حقتعالی نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ تم شاہد رہو پس فرشتوں نے کہا کہ ہم شاہد ہیں۔ حقتعالے نے بنی آدم سے فرمایا کہ تم اس امر پر شاہد رہو کہ تم کل کو یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل تھے یا کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے آباء و اجداد نے کیا تھا اور ہم انکے بعد ذریت تھے آیا تو ہمکو ان افعال کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جنکو کہ اہل باطل نے کیا ہے

اے داؤد ہماری ولایت کی اُنپر میثاق میں تاکید کیگئی ہے

(۷) وہ حدیث ہے جو عیون اخبار رضا میں مذکور ہے کہ

ان اٰدم لما اکرم الله تعالیٰ ذکرہ باسجاد ملائکته له وبادخاله الجنة قال فی نفسه هل خلق الله بشرا افضل منی فعلم الله تعالیٰ ما وقع فی نفسه فناداه ارفع راسك یا اٰدم فانظر الی ساق عرشی فرفع اٰدم راسه

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرشتوں کو سجدہ کرانے اور بہشت میں داخل کرنے کے ساتھ مشرف کیا تو اپنے دل میں کہنے لگے کہ آیا حقتعالے کسی ایسے بشر کو بھی پیدا کریگا جو ہم سے افضل ہو پس حقتعالی کو وہ امر معلوم ہوا جو انکے دل میں خطور کیا تھا پس انکو ندا کی کہ اے آدم اپنے سر کو بلند کرو۔ اور ساق عرش کی طرف نظر کرو۔ حضرت آدم نے اپنا سر بلند کیا۔

فنظر الی ساق العرش فوجد علیه
مکتوبا لا اله الا الله محمد رسول
الله علی بن ابی طالب امیر المؤمنین
و زوجته فاطمة سیدة النساء
العالمین والحسن والحسین
سیدا شباب اهل الجنة
فقال آدم یا رب من هؤلاء فقال
عزوجل هؤلاء من ذریتك
وهم خیر منك ومن جمیع خلقك
لولاهم ما خلقتك ولا خلقت
الجنة والنار ولا السماء والارض فایاك
ان تنظر الیهم بعین الحسد فاخرجك
من جواری فنظر الیهم بعین الحسد
وتمنی منزلتهم فتسلط علیه
الشیطان حتی اکل من شجرة التی
نهی عنها وتسلط علی حوا
لنظرها الی فاطمة علیها السلام
بعین الحسد حتی اکلت من
الشجرة کما اکل
آدم فاخرجهما الله عزوجل
جنته واهبطهما من جواره الی الارض

اور ساق عرش کی طرف نظر کی تو اُسپر لکھا ہوا
پایا کہ کوئی خدا کے سوا معبود برحق نہیں ہے
محمد رسول خدا ہیں علی بن ابیطالب امیرالمومنین
ہیں اور اُنکی زوجہ فاطمہؑ سیدہ نساء العالمین ہیں
اور حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں
پس حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار
یہ کون لوگ ہیں حقتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ
لوگ تمہاری ذریت میں ہونگے اور وہ تم سے
اور میری تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور اگر یہ لوگ
نہ ہوتے تو میں تمکو اور بہشت و دوزخ کو اور آسمان
و زمین کو پیدا نکرتا پس تم اُن کی طرف چشم حسد
نظر کرنے سے پرہیز کرو ورنہ میں تمکو اپنے ہمسایہ
سے نکال دونگا۔ پس حضرت آدمؑ نے اُن کیطرف
حسد کی آنکھ سے نظر کی اور اُنکی منزلت کے مانند آرزو مند
ہوئے۔ پس حقتعالیٰ نے اُنپر شیطان کو مسلط
کردیا تاکہ اُنہوں نے اُس درخت سے تناول کرلیا جسکی ممانعت
تھی اور اسی طرح حقتعالیٰ نے حوا پر بھی شیطان کو مسلط کردیا اسلئے کہ
اُنہوں نے حضرت فاطمہؑ کی طرف حسد کی آنکھ سے نظر کی تھی تا اینکہ
اُنہوں نے بھی حضرت آدمؑ کی طرح درخت مذکور سے
تناول کرلیا۔ پس حقتعالیٰ نے اُن دونوں کو اپنی بہشت سے
خارج کردیا اور اپنے جوار سے زمین کی طرف اُتار دیا۔

(۸) قطب الدین کے قصص الانبیاء میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لما خلق الله آدم ونفخ فيه من روحه التفت آدم يمنة العرش فاذا خمسة اشباح فقال يا رب هل خلقت قبلي من البشر احدا قال لا قال فمن هؤلاء الذين ارى اسمائهم فقال هؤلاء خمسة من ولدك ولولاهم ما خلقتك ولا خلقت الجنة ولا النار ولا العرش ولا الكرسي ولا السماء ولا الارض ولا الملائكة ولا الجن ولا الانس هؤلاء خمسة اشتققت لهم اسما من اسمائي فانا المحمود وهذا محمد وانا الاعلى وهذا علي وانا الفاطر وهذه فاطمة وانا ذو الاحسان وهذا الحسن وانا المحسن وهذا الحسين آليت على نفسي انه لا ياتيني احد وفي قلبه مثقال حبة من خردل من محبة احدهم الا ادخلته جنتي وآليت بعزتي انه

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور انہیں اپنی روح[۵] کو پھونک دیا تو حضرت آدمؑ نے یمین عرش کی طرف التفات کیا اور ناگاہ اشباح پنجگانہ پر انکی نظر پڑی کہنے لگے کہ اے پروردگار آیا تو نے کسی بشر کو مجھ سے پہلے پیدا کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ پھر یہ کون لوگ ہیں جنکے اسمار کو میں دیکھتا ہوں ارشاد ہوا کہ یہ پانچ شخص ہیں جو تمہاری اولاد میں ہونگے اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو تمکو اور بہشت و دوزخ کو اور عرش و کرسی کو اور آسمان و زمین کو اور فرشتوں اور جن و انسان کو پیدا نکرتا یہ وہ پانچ شخص ہیں جنکے نام کو میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس میں محمود ہوں اور یہ محمدؐ ہیں اور میں اعلیٰ ہوں اور یہ علیؑ ہیں اور میں فاطر ہوں اور یہ فاطمہؑ ہیں اور میں ذوالاحسان ہوں اور یہ حسنؑ ہیں اور میں محسن ہوں اور یہ حسینؑ ہیں میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میرے پاس جو ایسا شخص آئیگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی انمیں سے کسی ایک کی محبت ہوگی تو اسکو اپنی بہشت میں ضرور داخل کرونگا اور میں نے اپنی عزت کی

۵ روح کو پھونکنے سے جسم کی تدبیر و تصرف کا اُس (روح) سے متعلق کردینا مراد ہے ۱۲

لا یأتینی احد وفی قلبه مثقال حبة من خردل من بغض احدهم الا ادخلته ناری یا آدم هؤلاء صفوتی من خلقی بهم انجی من انجی وبهم اهلك من اهلك۔

قسم کھائی ہے کہ جسکو دل میں رائی کے دانہ کی برابر بھی ان میں کسی ایک کی عداوت ہوگی تو اسکو دوزخ میں ضرور داخل کرونگا اے آدم یہ لوگ میری مخلوقات میں برگزیدہ ہیں جن لوگوں کو کہ میں نجات دونگا انہیں کے سبب سے نجات دونگا اور جن لوگوں کو کہ میں ہلاک کرونگا انہیں کے سبب سے ہلاک کرونگا۔

(۹) کتاب کور میں یونس بن ظبیان سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ۔

اجتمع ولد آدم فی بیت فتشاجروا فقال بعضهم خیر خلق الله ابونا آدم وقال بعضهم الملائكة المقربون وقال بعضهم حملة العرش اذ دخل علیهم هبة الله فقال بعضهم لقد جاءكم من یفرج عنكم فسلم ثم جلس فقال فی ای شیء كنتم فقالوا كنا نفكر فی خیر خلق الله

حضرت آدم کی اولاد ایک مکان میں مجتمع ہوئی اور آپس میں جھگڑا کرنے لگی بعض کہتے تھے کہ تمام مخلوقات الٰہی میں ہمارے پدر بزرگوار حضرت آدم افضل ہیں اور بعض کہنے لگے کہ مقرب فرشتے افضل مخلوقات ہیں اور بعضوں نے کہا کہ حاملان عرش سب سے افضل ہیں اسی اثناء میں ان کے پاس ہبۃ اللہ یعنی حضرت شیث تشریف لائے پس انہیں سے بعض لوگ کہنے لگے کہ تمہارے پاس وہ بزرگوار آگئے ہیں جو تمہارے اس نزاع کو برطرف کرینگے پس انہوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس امر میں غور کر رہے تھے کہ افضل مخلوقات کون

فاخبروه فقال اصبروا
قليلا حتى ارجع اليكم فاتا
اباه فقال يا ابت انى دخلت
على اخوتى وهم يتشاجرون
فى خير خلق الله فسألونى
فلم يكن عندى ما اخبرهم
فقلت اصبروا حتى ارجع
اليكم فقال آدمؑ يا بنى
وقفت بين يدى الله
جل جلاله فنظرت الى
سطر على وجه العرش
مكتوب بسم الله
الرحمن الرحيم محمد
وآل محمد
خير من
برأ الله

شخص ہے اس کے بعد اُن لوگوں نے
اپنے خیالات کو اُن پر ظاہر کیا اُنہوں (ہبۃ اللہ)
نے فرمایا کہ تھوڑا سا صبر کرو کہ جا کر میں تمہارے
پاس واپس آؤں پس وہ (ہبۃ اللہ) اپنے پدر
بزرگوار حضرت آدمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کی کہ اے پدر بزرگوار میں اپنے بھائیوں
کے پاس گیا تھا وہ اس امر میں جھگڑا کر رہے
ہیں کہ افضل مخلوقات الٰہی کون شخص ہے
اُنہوں نے مجھ سے سوال کیا لیکن میرے پاس
اس باب میں کوئی معقول جواب نہ تھا کہ
میں اُنسے بیان کرتا پس میں نے کہا کہ تم لوگ صبر
کرو تا اینکہ میں تمہارے پاس واپس آؤں۔
پس حضرت آدمؑ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرزند
میں پیش خدا کھڑا ہوا تھا پس میں نے عرش پر
ایک سطر کی طرف نظر کی جس میں بسم اللہ کے بعد
لکھا تھا محمد وآل محمد اُن تمام لوگوں سے
افضل ہیں جنکو کہ حقتعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

(۱۰) کتاب شکور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث کے یہ جملے مذکور ہیں۔

ان جبرئيل عليه السلام امر
الملائكة ان يصطفوا قياما خلف شيث

حضرت جبرئیل نے فرشتوں کو ایک امر کا حکم دیا
کہ وہ حضرت شیث کے پیچھے صف باندھکر

كما يصطف اليوم خلف المصلى على الميت فقال شيث يا جبرئيل ويستقيم هذا لي وانت من الله بالمكان الذي انت ومعك عظماء الملائكة فقال جبرئيل يا شيث الم تعلم ان الله تعالى لما خلق اباك آدم اوقفه بين الملائكة وامرنا بالسجود له فكان امامنا ليكون ذلك سنة في ذريته وقد قبضه اليوم وانت وصيه ووارث علمه وانت تقوم مقامه فكيف نتقدمك وانت امامنا فصلى بهم عليه كما امره

کھڑے ہوں جسطرح کہ اس زمانہ میں میت پر نماز پڑھنے والے کے پیچھے صف باندھی جاتی ہے پس حضرت شیثؑ نے کہا کہ ای جبرئیلؑ آیا میرے لئے یہ امر مناسب ہے حالانکہ تمہارے لئے پیش خدا جو منزلت حاصل ہے وہ معلوم ہے اور تمہارے ساتھ بڑے بڑے فرشتے بھی ہیں حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اے شیثؑ آیا آپکو یہ امر معلوم نہیں ہے کہ حقتعالی نے جب آپکے پدر بزرگوار حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تھا تو انکو فرشتوں کے درمیان کھڑا کیا تھا اور ہمکو انکے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ ہمارے امام بنائے گئے تھے تاکہ یہی طریقہ انکی ذریت میں بھی جاری رہے اور آج کے دن حقتعالی نے انکی قبض روح کی ہے اور آپ ان کے وصی اور ان کے وارث علم اور انکے قایم مقام ہیں پس ہم آپ پر کیونکر تقدم کر سکتے ہیں حالانکہ آپ ہمارے امام ہیں پس انہوں نے حضرت آدمؑ پر فرشتوں کو نماز پڑھائی جسطرح کہ حضرت جبرئیلؑ نے انکو حکم دیا تھا۔

اور اسی مضمون کو شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ نے تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت عبداللہ بن سنان اس طرح نقل فرمایا ہے۔

لما مات آدم فبلغ الى الصلوٰة عليه قال هبة الله لجبرئيل تقدم يا رسول الله فصل على نبي الله فقال جبرئيل ان الله امرنا بالسجود لابيك فلنا نتقدم ابرار ولده وانت من ابرهم فتقدم فكبر عليه خمسا عدة الصلوٰة التي فرض الله على امة محمد وهي السنة الجارية في ولده الى يوم القيامة۔

جب حضرت آدمؑ نے انتقال فرمایا اور اُنپر نماز پڑھنے کا وقت پہونچا تو حضرت شیثؑ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اے پیغمبر خدا تم نبی خدا پر نماز پڑھو پس حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ ہمکو حقتعالیٰ نے آپ کے پدر بزرگوار کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لہٰذا ہم اُن کی نیکوکار اولاد پر تقدم نہیں کر سکتے اور آپ تو اُن کی سب اولاد میں زائد نیک ہیں پس حضرت شیثؑ نے تقدم کیا اور اُنپر پانچ تکبیریں کہیں جو اُن نمازوں کے ہم عدد ہیں جنکو حقتعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰؐ کی اُمت پر لازم کیا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جو تا قیامت اُن کی اُمت میں جاری رہیگا۔ انتہی ملخصًا

اور خصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت سفیان بن سمت منقول ہے کہ۔

ان آدم اشتكى فاشتهى فاكهة فانطلق هبة الله يطلب له فاكهة فاستقبله جبرئيل فقال له اين تذهب يا هبة الله فقال ان آدم يشتكي وانه يشتهي فاكهة فلماله فارجع

حضرت آدمؑ بیمار ہوئے اور آپنے میوہ کی خواہش کی پس حضرت شیثؑ اُس (میوہ) کی جستجو میں تشریف لے گئے سامنے سے حضرت جبرئیل ملے اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدم بیمار ہوگئے ہیں اور اُنہوں نے میوے کی خواہش کی ہے حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آپ واپس جائیے

فانّ الله عزّ وجل قد قبض
روحه قال فرجع فوجده
قد قبضه الله وغسلته
الملائکة ثم وضع وامر هبة
الله ان یتقدم ویصلی علیه
فتقدم فصلی علیه والملائکة
خلفه واوحی الله عز وجل
ان یکبر علیه خمسا وان
یسلّه وان یسوی قبره ثم قال
هکذا فاصنعوا بموتاکم

اس لئے کہ حقتعالیٰ نے اُنکی روح قبض کر لی ہے پس
حضرت شیث واپس آئے اور دیکھا کہ حضرت آدمؑ
کی روح قبض ہو چکی ہے اور فرشتوں نے اُنکو غسل
دیا ہے اور اُنکا جنازہ رکھا گیا۔ اور حضرت شیثؑ کو
حضرت جبرئیلؑ نے حکم دیا کہ وہ اُنپر نماز پڑھیں پس
حضرت شیثؑ نے اُنپر نماز پڑہی اور فرشتے اُنکے
پیچھے کھڑے ہوے اور حقتعالیٰ نے اُنکی طرف
وحی کی کہ وہ اُنپر پانچ تکبیریں کہیں اور اُنکو جنازہ
سے قبر میں اُتار دیں بعد ازاں فرمایا کہ تم اپنے
مردوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا کرو۔ انتہیٰ ملخصاً

اور حسن بن سعبان کی کتاب مختصر میں کتاب الشفاء والجلاء سے ایک حدیث طولانی
منقول ہے جسمیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ مضمون بھی مذکور ہوا ہے کہ

اذ دعا آدم شیثا وقال یا بنی اخرج وتعرض
لجبرئیل او لمن لقیت من الملائکة و
اخبره بوجعی واسئله ان
یهدی الی من فاکهة الجنة قبل ان
اموت فقد کان سبق فی علم الله تعالی
ان لا یاکل آدم من ثمار الجنة
حتی یعود الیها وخرج
شیث فلقی جماعة من الملائکة
فابلغهم ما قال آدم فقال جبرئیل یا شیث

پس حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو بلایا اور فرمایا کہ اے
فرزند جاؤ اور جبرئیلؑ یا جس کسی فرشتہ سے ملاقات ہو
اور میرے درد کی خبر دو اور اُن سے سوال کرو کہ وہ میرے واسطے
مرنے سے پہلے بہشتی میوہ بھیجدیں اور علم واجب تعالےٰ
میں یہ امر گذر چکا تھا کہ حضرت آدمؑ اُس وقت تک کوئی
بہشتی میوہ نکھائیں جب تک کہ بہشت کی طرف عود نکریں
اور شیثؑ تشریف لے گئے اور فرشتوں کی ایک جماعت سے
اُنہوں نے ملاقات کی اور اُنکو حضرت آدمؑ کا پیام پہونچایا
پس حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اے شیثؑ خدا تمکو تمہارے پدر بزرگوار

اجرك الله فی ابيك وقد قضى نحبه فاهبطنا الخضر الصلوٰة عليه فانصرف مع الملائكة فوجد اباه قدمات وغسله شيث مع جبرئيل فلما فرغ شيث من غسله قال لجبرئيل تقدم فصل على آدم فقال له جبرئيل ان معشر الملائكة امرنا بالسجود لابيك وليس لاحدنا ان يتقدم بين يدی الاوصياء من ذريته قال فتقدم شيث فصلى على آدم فكبر عليه ثلاثين تكبيرة بامر جبرئيل الخ

کے بارہ میں اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے انتقال کیا اور ہم انپر نماز پڑھنے کے لئے اُتارے گئے ہیں یہ سنکر مع ملائکہ واپس آئے اور اپنے پدر بزرگوار کو پایا کہ وہ انتقال فرما چکے ہیں اور حضرت شیثؑ نے مع حضرت جبرئیل انکو غسل دیا اور جبکہ حضرت شیث نے اُن کے غسل سے فراغت پائی تو حضرت جبرئیل سے کہا کہ بڑھیے اور حضرت آدمؑ پر نماز پڑھیے پس حضرت جبرئیل نے کہا کہ ہم گروہ ملائکہ تمہارے باپ کے لئے سجدہ کرنے پر مامور ہو چکے ہیں اور ہم میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اُنکی ذریت میں سے کسی وصی پر تقدم کرے پس حضرت شیثؑ بڑھے اور حضرت آدمؑ پر نماز پڑھی اور بحکم جبرئیل اُنپر تیس تکبیریں کہیں الخ۔

(۱۱) اور بصائر الدرجات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

ان الله عرض ولاية امير المؤمنين فقبلها الملائكة وابا ها ملك يقال لها فطرس فكسر الله جناحه فلما ولد الحسينؑ بن علی بعث الله جبرئيل فی سبعين الف ملك الى محمد يهنئهم بولادته فمر بفطرس فقال له فطرس يا جبرئيل

حق تعالیٰ نے ولایت حضرت امیر المؤمنینؑ کو ملائکہ وغیرہ پر پیش کیا تو اُسکو جملہ فرشتوں نے قبول کر لیا لیکن ایک فرشتہ نے جسکا نام فطرس تھا اُسکا انکار کیا۔ پس حقتعالیٰ نے اُس کے بازو کو توڑ دیا پس جبکہ حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے تو حقتعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ حضرت رسول خداؐ کے پاس مبعوث کیا تاکہ وہ حضرت کو مولود ہونیکی تہنیت دیں پس حضرت جبرئیل کا فطرس کیطرف سے گذر ہوا فطرس نے پوچھا کہ اے جبرئیل

الی این تذهب قال
بعثنی الله الی محمد اهنئه
بمولود ولد فی هذه اللیلة
فقال له فطرس احملنی معك
وسل محمداً یدعو لی
فقال له جبرئیل ارکب جناحی
فرکب جناحه فاتی محمداً فدخل
علیه وهناه فقال له یا رسول الله
ان فطرس بینی وبینه اخوة
وسألنی ان اسألك ان
تدعو الله له ان یرد علیه
جناحه فقال رسول الله
لفطرس اتفعل قال
نعم فعرض علیه
رسول الله ولایة
امیر المؤمنین فقبلها
فقال رسول الله شأنك
بالمهد فتمسح به وتمرغ
فیه قال فمضی فطرس
فمشی الی مهد الحسین
بن علی ورسول الله یدعو له

کہاں جاتی ہو اُنہوں نے فرمایا کہ مجھکو حقتعالیٰ
نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں مبعوث کیا ہے
تاکہ اُس مولود کی تہنیت ادا کروں جو اس شب میں
پیدا ہوا ہے یہ سنکر فطرس نے کہا کہ مجھکو
بھی اپنے ہمراہ اُٹھا کر لیجاؤ اور محمدؐ سے سوال
کرو کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں پس
حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ تم میرے بازو پر
سوار ہو جاؤ وہ اُن کے بازو پر سوار ہوگئے
پس وہ حضرتؐ کے پاس آئے اور تہنیت
ادا کی بعد اُسکے آنحضرتؐ سے کہنے لگے کہ اے رسول خداؐ
میرے اور فطرس کے درمیان اخوت
ہے اُنہوں نے مجھسے فرمائش کی ہے کہ
میں آپ سے اس امر کا سوال کروں
کہ حقتعالیٰ سے اس امر کی دعا کیجیے
کہ حقتعالیٰ اُنپر اُن کے بازو کو واپس کرے
پس حضرت رسول خداؐ نے فطرس سے پوچھا
کہ آیا تم قبول کروگے اُسنے کہا کہ ہاں
پس حضرتؐ نے (فطرس) پر ولایت حضرت امیر المومنینؑ
کو پیش کیا اور اُنہوں نے اُس کو قبول کرلیا اسکے بعد حضرتؐ نے
فرمایا کہ تم اپنے بدن کو گہوارہ پر مس کرو اور اُسمیں لوٹو پس فطرسؑ
امام حسینؑ کے گہوارہ کی طرف چلے اور حضرت رسول خداؐ اُنکے لئے دعا فرماتے تھے

قال قال رسول الله فنظرت الی ریشه و انه لیطلع و یجری منه الدم و یطول حتی لحق بجناح الاخر و خرج مع جبرئیل الی السماء و صار الی موضعه

پس حضرت فرماتے ہیں کہ سینے اُسکے پروں کیطرف نظر کی کہ وہ نکلتے تھے اور اُس سے خون جاری تھا اور وہ یہانتک دراز ہوگئے کہ اُسکے دوسرے بازو سے ملحق ہوگئے۔ اور وہ (فطرس) حضرت جبرئیل کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اپنے مقام معین پر پہونچ گئے۔ انتہی ملخصاً۔

(۱۲۱) تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

ان الله تبارك و تعالی غضب علی ملك من الملائكة فقطع جناحه والقاه فی جزیرة من جزائر البحر فبقی ما شاء الله فی ذلك البحر فلما بعث الله ادریس جاء ذلك الملك الیه فقال یا نبی الله ادع الله ان یرضی عنی و یرد علی جناحی قال نعم فدعا ادریس ربه فرد الله علیه جناحه و رضی عنه

حق تعالیٰ ایک فرشتہ پر غضبناک ہوا اور اُسکا بازو کو قطع کر دیا اور اُسکو ایک جزیرہ میں ڈال دیا۔ وہ مدت تک اُس جزیرہ میں باقی رہا اور جبکہ حقتعالیٰ نے حضرت ادریس ع کو مبعوث فرمایا تو وہ فرشتہ حضرت کے پاس آکر کہنے لگا کہ اے نبی خدا حقتعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے راضی ہوجائے اور مجھپر میرے بازو کو واپس کرے۔ پس حضرت ادریس ع نے اقرار فرمایا۔ اور خدا سے دُعا کی حقتعالیٰ نے اُسپر اُس کے بازو کو واپس کیا اور اُس سے راضی ہوگیا۔ انتہی ملخصاً

(۱۳۱) قصص الانبیاء میں حضرت امام محمد باقر ع سے منقول ہے کہ حضرت رسولخدا نے ارشاد فرمایا کہ۔

ان ملكا من الملائكة كانت له منزلة فاهبطه الله من السماء الی الارض

ایک فرشتہ کے لئے پیش خدا منزلت تھی اُس کو حقتعالیٰ نے آسمان سے زمین پر اُتار دیا پس وہ فرشتہ

فاتی ادریس النبی فقال له
اشفع لی عند ربک فصلی ثلث
لیال لا یفصل وصام ایامها لا یفطر
ثم طلب الی الله فی السحر
للملک فاذن له
فی الصعود
الی السماء الخ

حضرت ادریس نبی کی خدمت میں حاضر ہوا اور
کہنے لگا کہ آپ اپنے پروردگار سے میرے لئے شفاعت
فرمائیے پس حضرت ادریسؑ نے تین شب متصل نماز
پڑھی اور تینوں دن روزہ رکھا کہ افطار نہ کرتے تھے
بعد ازاں وقت سحر آپ نے حقتعالیٰ سے اُس فرشتہ
کے لئے دُعا فرمائی پس خدا نے اُسکو آسمان کی
طرف صعود کرنے کی اجازت دی الخ۔ انتہی ملخصاً۔

(۱۴۳) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام اور احتجاج طبرسی سے خبر طویل کے ضمن میں مذکور ہے کہ

ان المنافقین قالوا لرسول الله اخبرنا
عن علی اهو افضل ام ملائکة الله المقربون
فقال رسول الله وهل شرفت ملائکة الله
الا بحبها لمحمد وعلی وقبولها لولایتهما انه
لا احد من محبی علی نظف قلبه
من قذر الغش والدغل والغل
ونجاسة الذنوب الا کان افضل
واطهر من الملائکة وهل امر الله الملائکة
بالسجود لآدم الا لما کانوا قد وضعوه
فی نفوسهم انه لا یصیر فی الدنیا خلق بعدهم
اذا رفعوا عنها الا وهم یعنون انفسهم انهم
افضل منهم فی الدین فضلا واعلم بالله وبدینه
علما واراد الله ان یعرفهم انهم قد اخطأوا فی ظنونهم واعتقادهم فخلق آدم

منافقوں نے حضرت رسول خداؐ سے عرض کی
آیا علی افضل ہیں یا خدا کے مقرب فرشتے افضل ہیں
حضرتؐ نے جواب دیا کہ فرشتوں کو اسی لئے شرف
ملا ہے کہ وہ محمد و علی کی محبت رکھتے ہیں اور اُنکی
ولایت کو قبول کر چکے ہیں دوستان علی میں سے
جو شخص اپنے دل کو آمیزش اور مکر اور گناہوں کی
نجاست سے صاف کریگا وہی فرشتوں سے افضل اور
پاکیزہ تر ہوگا اور حقتعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدمؑ کے
سجدہ پر اسی لئے مامور کیا تھا کہ وہ خیال کرتے تھے
کہ ہمارے بعد کوئی شخص ایسا نہ ہوگا کہ جو ہم سے
علم اور معرفت میں اُن سے افضل ہو۔ اور حقتعالیٰ نے
ارادہ کیا کہ اُن (ملائکہ) کو بتلا دے کہ اُنہوں نے
اپنے گمان و اعتقاد میں خطا کی ہے پس اُنکو حضرت آدم

وعلمه الاسماء كلها ثم عرضها عليهم فعجزوا عن معرفتها وامر ادم ان ينبئهم بها وعرفهم فضله في العلم عليهم ثم اخرج من صلب ادم ذريته منهم الانبياء والرسل والخيار من عباد الله افضلهم محمد ثم ال محمد ومن الخيار الفاضلين منهم اصحاب محمد وخيار امة محمد وعرف الملائكة بذلك انهم افضل من الملائكة	پیدا کیا اور تمام اسمار اُنکو تعلیم کر دیے بعد ازآن اُنکو فرشتوں پر پیش کیا اور وہ اُنکی معرفت سے عاجز آگئے اور حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ وہ اُنکو اسمار مشارالیہا پر آگاہ کردیں اور حقتعالی نے فرشتوں کو بتلا دیا کہ وہ اُنسے علم و معرفت میں افضل ہیں ح بعد ازآن اُنکی پشت سے اُن کی ذریت کو پیدا کیا جنمیں انبیار و رسل اور بہت سے نیکوکار اور برگزیدہ بندے داخل ہیں اور اُن سب میں حضرت محمدؐ اور اُنکی آل پاک کو سب سے افضل قرار دیا۔ اور نیکوکار بندوں میں اُن کے اصحاب اور اُمت کے دیگر برگزیدہ لوگوں کو افضل قرار دیا بعد ازآن ملائکہ کو بتلا دیا کہ یہ لوگ اُنسے افضل ہیں۔

(اس حدیث شریف کا کافی حصہ قبل ازیں دلیل عقلی کے ذیل میں بھی مذکور ہو چکا ہے) اخبار مذکورہ کے علاوہ بھی بہت سے اخبار ہیں جو انبیاء اور اوصیاءؑ کے عموماً اور ہمارے نبیؐ اور دیگر خلفاء راشدینؑ اور جناب سیدہؑ کے خصوصاً بلکہ دیگر اولیاء خدا کے ملائکہ مقربین سے افضل ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن مقدار مذکور پر اقتصار کرنا کافی ہے انشاء اللہ تعالے۔

اور جن لوگوں نے کہ پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ مقرب فرشتوں کو انبیاء و اوصیاءؑ سے افضل جانتے ہیں اُنہوں نے بھی اپنے مختار پر کئی امروں کے ساتھ استدلال کیا ہے جنکا اس مقام پر ذکر کرنا اور بروجہ اجمال اُنسے تعرض کرنا مناسب ہے۔

پہلا امر فرشتے ارواح مجردہ ہیں جنکی جملہ کمالات بالفعل ہوتے ہیں بخلاف سفلیات کہ اُنکے کمالات بالقوہ ہوتے ہیں اور جو چیز کہ بالفعل ہوتی ہے وہ اُس چیز سے افضل ہوتی ہے جو بالقوہ ہو۔

جواب ملائکہ کا ارواح مجردہ اور جملہ کمالات کا اُن کے لئے بالفعل ہونا صحیح نہیں ہے اور جو شخص اس مطلب کا قائل ہو وہ دین اسلام سے خارج ہے اور جن لوگوں نے کہ اُسکو اختیار کیا ہے اُنہوں نے کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی اور شریعت اسلام میں فرشتوں کا جسمانی ہونا اور حرکت و سکون وغیرہ پر قادر ہونا بالبداہت ثابت ہو۔ اگر فرشتوں کا ارواح مجردہ ہونا اور اُنکے کمالات کا فعلی ہونا اختیار کیا جائے جو فلاسفہ اور ملاحدہ کا خیال ہے تو جملہ شریعتوں کا باطل ہونا لازم آئیگا اور اس قول کے محل اور غیر مستقیم ہونے میں اسی قدر کافی ہے۔

دوسرا امر۔ روحانیات کا ہیاکل علویہ سے تعلق ہوتا ہے جو فاسد نہیں ہوتے اور نفوس انسانیہ کا اجسام سفلیہ سے تعلق ہوتا ہے جنپر کون و فساد طاری ہوتا ہے اور جو نسبت کہ جسم کو ہیکل سے ہوتی ہے وہی نسبت نفوس کو ارواح سے ہوتی ہے۔

جواب ارواح مجردہ کا ہیاکل سے متعلق فرض کرنا اُنکے مجرد ہونیکے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اس تقدیر پر دوسرے استدلال اور پہلے استدلال میں منافات ہوگی۔ اور تناقض کی وجہ سے دونوں کا ساقط از اعتبار ہونا لازم ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ نفوس انسانیہ سے ہیاکل علویہ کو بہرحال افضل قرار دینا معقول نہیں ہے جسکی وجہ ہمارے بیانات سابقہ میں مذکور ہوچکی ہے۔ رہا ہیاکل علویہ اور اجسام سفلیہ کے فاسد ہونے نہ ہونے کا مسئلہ تو اسباب میں صحیح یہ ہے کہ نفس انسانی بھی انقطاع بدن کے بعد باقی رہتا ہے لہذا نفوس و ارواح میں اُسی نسبت کا قرار دینا جو اجسام کو ہیاکل کے ساتھ ہو محض بے معنی ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ ہیاکل علویہ اور اجسام سفلیہ کا

باقی رہنا یا فاسد ہو جانا مشیت الٰہیہ اور ارادۂ ازلیہ پر موقوف ہے جنکو افعال اختیاریہ سے کوئی ربط نہیں ہے لہذا بقاء وفساد کو معیار افضلیت قرار دینا فاسد ہو گا۔

تیسرا امر روحانیت کا شہوت اور غضب سے مبرا ہونا معلوم ہے اور یہی دونوں جملہ شرور کے لئے مبدء قرار پاتے ہیں بخلاف سفلیات کے کہ اُنمیں ان دونوں چیزوں کا موجود ہونا قابل انکار نہیں ہے لہذا روحانیت کا سفلیات سے افضل ہونا بھی محل اشتباہ نہ ہو گا۔

جواب۔ وجود شہوت وغضب کی صورت میں آثار قوت عاقلہ کا صادر ہونا نسبت اسکے کہیں دشوار ہوتا ہے کہ وہ (آثار) بدون ان دونوں چیزوں کے مزاحمت کے صادر ہوں لہذا شہوت وغضب کو مطلقاً مبدء شرور قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس مقام پر ان انسانوں کا تذکرہ نہیں ہے جو شہوت وغضب کا اتباع کرتے اور قوت عاقلہ کے احکام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

چوتھا امر روحانیات نورانی ہوتے ہیں اور جسمانیات ظلمانی ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ (جسمانیات) مادہ اور صورت سے مرکب ہوتے ہیں جنکا ظلمانی ہونا معلوم ہے۔

جواب۔ اسکا جواب ہماری مذکورۂ بالا تقریروں سے واضح ہو جاتا ہے لہذا اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔

پانچواں امر۔ روحانیات کے لئے افعال شاقہ پر قوت حاصل ہوتی ہے جیسے زلزلے اور باوجود اس کے اُنکو کسی قسم کی سستی عارض نہیں ہوتی بخلاف جسمانیات کے کہ اُن کو اس قسم کی قوت نہیں ہوتی اور باوجود اس کے کسی مشقت کے کام سے اُنمیں بہت جلد سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

جواب فرق مذکور کو معیار فضیلت قرار دینا حد درجہ کی لغویت پر مبنی ہے۔

چھٹا امر۔ روحانیات بہ نسبت جسمانیات کے زیادہ صاحب علم ہوتے ہیں اس لئے کہ انکو اُن سب خبروں پر اطلاع ہوتی ہے جو زمانہ گذشتہ میں واقع ہوتے ہیں۔ اور اسیطرح انکو اُن سب چیزوں پر بھی اطلاع ہوتی ہے جو زمانہ آئندہ سے تعلق رکھتی ہیں بخلاف سفلیات کے کہ اُنکے علم کا دائرہ نہایت ہی محدود ہوتا ہے۔ اسی طرح روحانیات کے علوم کلی فعلی اور فطری ہوتے ہیں جنمیں غلطی کا واقع ہونا محال ہوتا ہے بخلاف جسمانیات کے کہ انکے علوم میں اکثر غلطی اور خطا واقع ہوتی ہے۔

جواب۔ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے لئے اُمور گذشتہ و آئندہ کا بتعلیم الٰہی جو انکشاف ہوتا ہے وہ بھی ہر طرح غلطی سے مبرّا ہوتا ہے پس ہر ایک جسمانی چیز کو ہر ایک روحانی چیز سے باعتبار علم ناقص فرض کرنا درست نہیں ہے۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان امور شش گانہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ فلسفہ کے اُن قواعد پر مبنی ہے جنکے بطلان پر ادلہ قطعیہ قایم ہو چکے ہیں اور اہل اسلام کے نزدیک وہ کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہیں لہذا اُنکے ساتھ استدلال کرنا غیر صحیح اور مصادرہ پر مشتمل ہوگا۔

ساتواں امر۔ حق تعالے نے اپنے پیغمبر سے نقل فرمایا ہے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ { پارہ ۷ سورۂ انعام } اور نہ میں تمسے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

پس اگر فرشتہ کا افضل ہونا مسلم نہ ہوتا تو پیغمبر کا معرض تواضع میں ایسا کہنا صحیح نہ ہوتا۔

جواب اس قول کا معرض تواضع میں صادر ہونا مسلم نہیں ہے بلکہ قول مذکور اُسوقت صادر ہوا ہے جبکہ آیۂ شریفہ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ { پارہ ۷ سورۂ انعام } اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو بوجہ اسکے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے عذاب اُن کو پہنچ جائیگا۔

نازل ہوا تھا - اور کفار قریش نے نزول عذاب کی حضرتؐ سے ازراہ تمسخر و استہزا تعجیل کی فرمائش کی تھی اُسوقت یہ آیۂ شریفہ

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ - پارہ ۷ سورۂ انعام

میں تمسے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب داں ہوں - اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں -

نازل ہوا تھا اور حضرتؐ کی غرض یہ تھی کہ میں عذاب کے نازل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے کہ میرے پاس خزائن الٰہی موجود نہیں ہیں جہاں سے عذاب نازل ہوتا ہے اور نہ میں غیب کے امر کو جانتا ہوں تا اینکہ اُس کے موافق بہ تعجیل اُنپر عذاب نازل ہوا اور نہ میں فرشتہ ہوں جو عذاب کے نازل کرنے پر قدرت رکھتا ہو جیسا کہ حضرت جبرئیل سے حکایت کی گئی ہے کہ اُنہوں نے مؤتفکات[۱] کو اپنے ایک بازو پر اُٹھا لیا تھا - پس آیۂ شریفہ سے اسیقدر ثابت ہوگا کہ فرشتہ بہ نسبت بشر کے قادر اور قوی تر ہوتا ہے لیکن اس مطلب کو افضل ہونے نہ ہونے سے کوئی ربط نہیں ہے

آٹھواں امر خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے -

مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ۝ پارہ ۸ سورۂ اعراف

تمہارے پروردگار نے تمکو اس درخت سے روکا نہیں ہے - مگر (صرف) اس لئے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ کو رہنے والے نہو جاؤ -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ و حوا ازبسکہ فرشتوں کے درجہ سے پست مرتبہ تھے

[۱] مؤتفکات سے وہ گاؤں مراد ہیں جہاں حضرت لوطؑ کی قوم آباد تھی جب اُن لوگوں پر عذاب آسمانی نازل ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے سب قریوں کو اپنے بازو پر اُٹھا کر جانب آسمان بلند کیا اور جب حکم خدا ہوا تو انکو منقلب کر دیا - اور لفظ ائتفاک کے معنی ہیں انقلاب - چونکہ وہ گاؤں مع اپنے باشندوں کے وقت عذاب منقلب ہوگئے تھے اس لئے اُن کو مؤتفکات کہا گیا ۱۲

اس لئے شیطان نے اُن سے بیان کیا تھا کہ خدا نے تمکو اس درخت سے تناول کرنے کی اسی لئے ممانعت کی ہے کہ تمکو فرشتوں کی بزرگی اور شرف حاصل نہ ہونے پائے۔

جواب حضرت آدم و حوا نے فرشتوں کو نیک صورت اور عجیب الخلقت اور کامل القوۃ مشاہدہ کیا تھا۔ پس شیطان نے اُنکے خیال میں اس امر کو جا گزیں کر دیا کہ فرشتوں کی یہ صورت خلقت اور قوت اُن کے افضل و اکمل ہونے کی دلیل ہے۔ اور از انجملہ اس قول میں حقتعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ اور اُس کی غلط بیانی کو نقل فرمایا ہے لہذا اُسکے ساتھ افضلیت ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہو گا۔

نواں امر حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ پارہ ۶ سورۃ النساء	مسیح کو یہ بات ہرگز ناگوار نہ ہوگی کہ وہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتوں کو۔

جو ملائکہ مقربین کے حضرت عیسیٰ سے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ ایسے مقام پر ضعیف کے بعد قوی کا تذکرہ کرنا مناسب ہوتا ہے اور اُسکا عکس مناسب نہیں ہوتا اسی لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ لا انا اقدر علی هذا ولا من هو فوقی فی القوۃ[۱] اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ لا انا اقدر علی هذا ولا من هو دونی فی القوۃ[۲] اور جبکہ ملائکہ مقربین کا حضرت عیسیٰ سے افضل ہونا ثابت ہوا تو اُن (ملائکہ مقربین) کا باقی جملہ انبیاء سے بھی افضل ہونا ثابت ہو گا۔ اس لئے کہ کسی شخص نے افضل ہونے نہ ہونے میں مابین انبیاء علیہم السلام کے تفرقہ نہیں کیا۔

جواب۔ اس آیت سے افضلیت ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ

ف۱ یعنی میں نہ اسپر قادر ہوں نہ وہ لوگ جو مجھسے قوت میں زائد ہیں ۱۲

ف۲ یعنی نہ میں اسپر قادر ہوں نہ وہ لوگ مجھ سے قوت میں کم ہیں ۱۲

آیۂ شریفہ کی شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ نے دو وجہ سے حضرت مسیحؑ کی عبادت گذاروں میں داخل ہونیکا انکار کیا تھا۔

اوّل اس لیئے کہ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور جو شخص کہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہوگا اُسکی شان عبادت خدا سے برتر ہوگی کیونکہ کسی عبادت گذار میں اس قسم کی قدرت نہیں ہوسکتی۔

دوم اس لیئے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور جو شخص کہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا وہ کسی کا عبادت گذار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو شخص کسیکی عبادت کرتا ہی وہ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوسکتا۔

پس آیۂ شریفہ میں اُن کے اس قول کا رد کرنا مقصود ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ ملائکہ مقربین ان دونوں باتوں میں حضرت عیسیٰؑ سے فوقیت رکھتے ہیں اس لیئے کہ وہ (ملائکہ) ایسے اُمور پر قدرت رکھتے ہیں جنپر حضرت عیسےٰ قادر نہیں ہیں اور اسیطرح وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوتے ہیں باوجود اسکے وہ اپنے کو عبادت گذاروں میں داخل ہونے سے انکار نہیں کرتے۔ پس اگر حضرت عیسےٰؑ کے یہ دونوں امر اُن کے معبود ہونے اور عبادت گذاروں میں داخل نہونیکا سبب ہوسکتے تو ملائکہ مقربین بدرجۂ اولی اُس کے مستحق ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ملائکہ مقربین اس امر میں اپنا فخر جانتے ہیں کہ وہ بندۂ خدا اور عبادت گزار قرار پائیں لہذا حضرت عیسیٰؑ بدرجۂ اولی بندۂ خدا اور اُسکے عبادت گذار قرار پائینگے اور ظاہر ہے کہ اس مطلب کو افضلیت سے کوئی ربط نہیں ہے۔

دسواں امر حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ (پارہ ۹ سورۃ الانفال)	جو لوگ کہ تمہارے پروردگار سے قربت رکھتے ہیں وہ اسکی عبادت کرنے سے اکڑتے نہیں۔

جو دو وجہ سے ملائکہ کے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
اول اس لئے کہ اُنکو عند اللہ ہونے سے قرب مکانی مراد نہیں ہے بلکہ قرب شرف و رتبہ مراد ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو قرب و منزلت کہ ملائکہ کو پیش پروردگار حاصل ہو وہ کسی انسان کو حاصل نہیں ہے۔
دوم اس لئے کہ آیہ شریفہ سے ملائکہ کا انسان سے بدرجہ اولیٰ استکبار نکرنا ثابت ہوتا ہے جو اُنکے افضل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ آیہ شریفہ کے مطلب کا حاصل یہ ہے کہ جب ملائکہ اُسکے عبادت کرنے سے استکبار نہیں کرتے تو غیر ملائکہ کو بدرجہ اولیٰ استکبار کرنا مناسب نہیں ہے جس سے ملائکہ کا افضل ہونا بالبداہتہ ثابت ہوتا ہے۔

جواب - واجب تعالیٰ کا یہ قول

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍۙ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ؏ { پرہیز گار لوگ یقیناً جنتوں میں اور نہروں میں قدرت والے بادشاہ کے پاس خوشنودی کی جگہ میں ہوں گے۔ (پارہ ۲۷ سورہ قمر)

تقریر مذکور کی معارض ہے اس لئے کہ اس آیہ شریفہ سے انسان کا عند اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور چونکہ عند اللہ ہونے سے قرب مکانی مراد نہیں ہو سکتا لہذا قرب شرف و رتبہ مراد ہوگا اسکے علاوہ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں حقتعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا منقول ہوا ہے۔

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ { ہم اُن لوگوں کے پاس ہیں جنکے قلوب منکسر ہیں

جس سے حقتعالیٰ کا اُن لوگوں کے قریب ہونا ثابت ہوتا ہے جنکے قلوب منکسر ہیں اور ان دونوں شخصوں میں کسقدر فرق ہے کہ ایک شخص تو خدا کے قریب ہو اور دوسرے شخص کے قریب خود حقتعالیٰ ہو - اور ملائکہ کے استکبار نکرنے کے ساتھ اُنکی افضلیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اُن کے استکبار نکرنیکی وجہ کمال معرفت اور اظہار عبودیت اور فروتنی ہے جو جملہ مخلص بندوں میں مشترک ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہو سکتا جو عبادت خدا سے استکبار کرتا ہو۔

گیارھواں امر - حقتعالیٰ نے ملائکہ کو معلم انبیاء قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ (پارہ ۲۷ سورۃ النجم) } اُسکو بڑی قوتوں والے نے تعلیم کیا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ (پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء) } روح الامین نے اُسکو تمہارے قلب پر اُتارا ہے۔

اور معلم کا متعلم سے افضل ہونا معلوم ہے۔

جواب - ان دونوں آیتوں میں تعلیم اور تنزیل سے اُنکا علوم الٰہیہ کو انبیاء تک پہونچانا مراد ہے اور معلم حقیقی حقتعالیٰ ہے اس صورت میں فرشتوں کا مبلغ احکام ہونا ثابت ہوگا جس کو فضیلت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ مانع کے لئے محض انکار کر دینا کافی ہے۔ اس صورت میں فرشتوں کے معلم حقیقی ہونے کا ثابت کرنا مستدل کے ذمہ قرار پائیگا۔ اور انکا استدلال ناتمام رہے گا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ کا معلم حقیقی ہونا تسلیم کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ صاحب شریعت بھی ملائکہ ہی قرار پائیں اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کے صاحب شریعت ہونیکا کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا لہٰذا قدر یقینی اسیقدر ہے کہ فرشتوں سے صرف تبلیغ احکام کی خدمت متعلق تھی۔

بارھواں امر - حقتعالیٰ ملائکہ کو اپنے انبیاء کی طرف بھیجتا ہے اور بھیجنے والے سے بہ نسبت اُس شخص کے جسکے پاس وہ بھیجا جاتا ہے رسول اقرب ہوتا ہے جس طرح سے کہ نبی بہ نسبت اپنی امت کے خدا سے قریب تر ہوتا ہے۔

جواب - اگر اس استدلال کا صحیح ہونا تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ جو معمولی آدمی کسی ایک بادشاہ کی طرف سے کسی دوسرے بادشاہ کے پاس ایلچی یا قاصد بنا کر بھیجا جائے وہ بادشاہ مرسل الیہ سے افضل ہو حالانکہ کوئی عاقل اس مطلب کا التزام نہیں کر سکتا۔

تیرھواں امر حقتعالیٰ نے جہاں کہیں کہ ملائکہ اور انبیاء کا ذکر کیا ہے وہاں پر ذکر ملائکہ کو ذکر انبیاء پر مقدم کیا ہے پس اگر ملائکہ افضل نہوتے تو ہر جگہ انکا ذکر انبیاء کے ذکر پر مقدم کرنا بے وجہ ہوتا

جواب۔ تقدیم ذکری کو فضیلت بھی لازم نہیں ہے پس اُسکو افضلیت بدرجۂ اولیٰ لازم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ افضلیت سے تقدیم ذکری عام ہے اور عام کا کسی خاص پر دلالت نکرنا مسلمہ عقلا ہے پس ممکن ہے کہ حقتعالیٰ نے ذکر ملائکہ کو اس لئے مقدم کیا ہو کہ اُنکا وجود مقدم تھا یا اس لئے مقدم کیا ہو کہ اُنکا جسم لطیف ہے یا اس لئے مقدم کیا ہو کہ اُنکی معرفت مقدم ہو اور ظاہر ہے کہ ان احتمالوں کے بعد خصوص افضلیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ اشاعرہ نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے جس سے انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا مراد ہے از انجملہ افضلیت انبیاء کے جو دلائل مذکور ہوئے اُنہیں کے ساتھ اشاعرہ نے اپنے قول پر بھی استدلال کیا ہے لہذا اُن کے مختار کے لئے علیحدہ سے کسی دلیل کے وارد کرنے کی حاجت نہیں ہے البتہ اس مقام پر ایک امر کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جمہور اشاعرہ کے نزدیک ملائکہ سے انبیاء افضل ہیں اور مواقف میں لکھا ہے کہ قاضی ابو بکر باقلانی اور ابو عبد اللہ حلیمی نے اسکے خلاف کو اختیار کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشاعرہ میں ان دو شخصوں کے علاوہ کل اشاعرہ کے نزدیک انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا مسلّم ہے اور اُن کی عین عبارت یہ ہے۔

قال اکثر اصحابنا الانبیاء افضل وعلیہ الشیعۃ واکثر اھل الملل وقالت المعتزلۃ وابو عبد اللہ الحلیمی والقاضی ابو بکر منا الملائکۃ افضل وعلیہ الفلاسفۃ۔

ہمارے اکثر اصحاب نے کہا ہے کہ ملائکہ سے انبیاء افضل ہیں اور اسی قول کو شیعہ و اکثر اہل ملت نے اختیار کیا ہے۔ اور معتزلہ اور ہم میں سے ابو عبد اللہ حلیمی اور قاضی ابو بکر نے کہا ہے کہ ملائکہ افضل ہیں اور اسی کو فلاسفہ نے اختیار کیا ہے

اور افضلیت انبیاء کے ادلہ و شواہد کا اوپر کی عبارتوں میں تذکرہ ہو چکا ہے اور خصوص ملائکہ کے مثل انبیاء معصوم ہونے کو اکثر مخالفین نے بھی اختیار کیا ہے اور یہ کہ وہ جملہ

گناہان کبیرہ اور صغیرہ سے محفوظ ہیں چنانچہ عیون اخبار رضا میں حضرت کا یہ قول مذکور ہے

ان ملائکۃ اللہ معصومون محفوظون من الکفر والقبائح بالطاف اللہ تعالیٰ قال اللہ عز وجل فیہم لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یؤمرون وقال عز وجل ولہ من فی السموات ومن فی الارض ومن عندہ یعنی الملائکۃ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنہار لا یفترون وقال عز وجل فی الملائکۃ ایضا بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون۔ یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم ولا یشفعون الا لمن ارتضی وہم من خشیتہ مشفقون۔

خدا کے فرشتے معصوم اور کفر اور دیگر قبائح سے بلطف الٰہی محفوظ ہیں حقتعالیٰ نے اُنکے حق میں فرمایا ہے کہ "وہ احکام خدا میں اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام پر وہ مامور ہوتے ہیں اُسکو بجا لاتے ہیں" اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ "جو لوگ آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں وہ اُسکے بندے ہیں اور جو لوگ اُسکے پاس ہیں (فرشتے) وہ اُسکی عبادت میں تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں شب و روز خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے" اور تیسرے مقام پر فرشتوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے "بلکہ وہ معزز بندے ہیں جو کسی بات میں اُس پر سبقت نہیں کرتے اور اُسکے حکم پر عمل کرتے ہیں حقتعالیٰ اُنکے آگے اور پیچھے کے امور کو جانتا ہے۔ اور وہ اُسی شخص کی سفارش کرتے ہیں جسکو کہ خدا پسند کرتا ہے اور وہ اُسکے خوف سے ڈرتے ہیں"

اور صدوق علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ۔

اعتقادنا فی الانبیاء والرسل والائمۃ والملائکۃ انہم معصومون مطہرون من کل دنس وانہم لا یذنبون ذنبا صغیرا ولا کبیرا ولا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما

انبیاء اور رسل اور اماموں اور فرشتوں کے بارہ میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ہر ایک کثافت سے معصوم اور پاک ہیں اور وہ کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوتے اور حقتعالیٰ اُنکو جس چیز کا حکم دیتا ہے وہ

بما یؤمنون ومن نفی عنهم العصمة فی شیء من احوالهم فقد جهلهم واعتقادنا فیهم انهم موصوفون بالکمال والتمام والعلو من اوائل امورهم الی اواخرها لا یوصفون فی شیء من احوالهم بنقص ولا جهل۔

اُسمیں اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام پر کہ وہ مامور ہوتے ہیں اُسکو بجالاتے ہیں اور جو شخص کسی حال میں انکے معصوم ہونے کا انکار کرے وہ انکی بھی حالت سے جاہل و بے خبر ہے اور انکی بارہ میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ابتدا سے انتہا تک کمال اور علو کے ساتھ موصوف ہیں اور کسی حال میں انکا ناقص یا جاہل ہونے کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں۔

وجملة القول فی ذلک انه لما ثبت بالنصوص واجماع الفرقة المحقة عصمة الملائکة لابد من تاویل ما یوهم صدور المعصیة منهم علی نحو ما مر فی عصمة الانبیاء۔

اور اس مقام پر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب آیات کے نصوص اور فرقۂ حقہ کے اجماع سے فرشتوں کا معصوم ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اُن اُمور کا تاویل کرنا ضروری ہوگا جنمیں فرشتوں سے معصیت کے صادر ہونیکا توہم ہوتا ہے جیسا کہ عصمتِ انبیا میں گذر چکا ہے۔

بہر حال محققین فریقین کے نزدیک ملائکہ کا مثل انبیاء معصوم ہونا محل نزاع نہیں ہے بلکہ معتزلہ کے نزدیک انکا انبیاء سے افضل ہونا ثابت ہے جیسا کہ اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا۔

اس مقام پر ابن فورک (جنکا منجملہ علماء اشاعرہ ہونا معلوم ہے) اسی طرح امام غزالی قاضی ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں کہ خداوند عالم کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کافر کو نبی بنا کر ہدایت کے لئے مبعوث کرے چنانچہ امام غزالی کی کتاب منخول سے منقول ہوا ہے۔

والمختار ما ذکره القاضی وهو انه لا یجب عقلا

اور ہمارا اختیار وہی ہے کہ جس کو قاضی ابوبکر نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عقل کے نزدیک اُن ا[illegible]

عصمتهم اذ لا يستبان استحالة وقوعه بضرورة العقل ولا بنظره وليس هو مناقضاً لمدلول المعجزة فان مدلوله صدق اللهجة فيما يخبر عن الله تعالى لا عمداً ولا سهواً ومعنى التنفير باطل فانا نجوز ان يبعث الله تعالى كافراً ويؤيده بالمعجزات انتهى بالفاظه

معصوم ہونا واجب نہیں ہے اس لئے کہ عقل کی بداہت یا نظر سے وقوع کذب کا محال ہونا ظاہر نہیں ہوتا اور وہ مدلول معجزہ کے بھی منافی ہو اس لئے کہ اُسکا مدلول اسی قدر ہو کہ وہ (نبی) جس چیز کی کہ منجانب اللہ خبر دیتے ہیں اُسمیں راست گو ہیں خواہ وہ دیدہ و دانستہ صادر ہو یا سہو و نسیان سے اور معنی تنفیر باطل ہیں، اس لئے کہ ہم اس امر کو تجویز کرتے ہیں کہ حقتعالیٰ کسی کافر کو نبی بنا کر مبعوث کرے اور معجزات کے ساتھ اُسکی تائید فرمائے۔ انتہی ملخصاً۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کافر کا مبعوث برسالت ہونا صحیح ہو۔ اب چونکہ انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا اشاعرہ کے نزدیک مسلم ہو تو غور کرنے کی قابل ہے کہ اُن کے نزدیک ملائکہ مقربین کا کیا درجہ قرار پاتا ہے۔

بحث انبیاء کی تعداد اور صاحبان شریعت و اولوالعزم کا بیان

جو انبیاء علیہم السلام کہ ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہوے ہیں اُنکی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ حضرات جو محض نبی ہیں اور صاحب شریعت اور رسول نہیں ہیں۔

(۲) وہ حضرات جو نبی مرسل ہیں اور صاحب شریعت نہیں ہیں۔

(۳) وہ حضرات جو نبی مرسل بھی ہیں اور صاحب شریعت بھی ہیں۔

لہذا ہر ایک قسم کے عدد اور اُنکے صاحب شریعت ہونے نہ ہونے سے بحث کرنا ضرور ہی ہوا۔

انبیاء کی تعداد کی انبیاء کے عدد میں اگرچہ مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ مجموع انبیاء

کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جنمیں انبیاء مرسلین تین سو تیرہ یا تین سو پندرہ[۱] اور انبیاء اولوالعزم پانچ ہیں چنانچہ حضرت ابوذر کی روایت میں منقول ہے کہ۔

قلت یا رسول اللہ کم النبیون قال مائة الف و اربعة وعشرون الف نبی قلت کم المرسلون منہم قال ثلثمائة وثلثة عشر جما غفیرا قلت من کان اول الانبیاء قال ادم قلت وکان من الانبیاء مرسلا قال نعم خلقه الله بیده ونفخ فیه من روحه ثم قال یا اباذر اربعة من الانبیاء سریانیون آدم وشیث واخنوخ وهو ادریس وهو اول من خط بالقلم ونوح واربعة من العرب هود وصالح وشعیب ونبیك محمد و اول نبی من بنی اسرائیل موسیٰؑ

میں نے عرض کی کہ اے رسول خدا کل انبیاء کس قدر تھے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کی انمیں رسول کس قدر ہیں آپ نے ارشاد فرمایا تین سو تیرہ میں نے عرض کی کہ سب سے پہلے نبی کون تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدمؑ میں نے عرض کی کہ آیا حضرت آدم نبی مرسل تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں حقتعالیٰ نے اُن کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور اُنمیں اپنی روح کو پھونکا تھا۔ بعد ازاں آن حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر چار نبی ایسے تھے کہ جو سریانی تھے حضرت آدمؑ حضرت شیث حضرت اخنوخ جنسے حضرت ادریسؑ مراد ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ قلم سے لکھا تھا اور حضرت نوحؑ اور چار نبی ایسے ہیں جو عربی تھے حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت شعیب اور تمہارا نبی محمدؐ۔ اور بنی اسرائیل میں پہلے نبی حضرت موسیٰؑ

[۱] بعض حضرات نے حضرت ابوذر سے انبیاء مرسلین کا عدد تین سو پندرہ نقل کیا ہے اور اس مقام پر تردید کی گئی۔ لیکن اُن کی روایت میں انبیاء مرسلین کے عدد کا تین سو تیرہ ہونا اقرب الی الصحۃ جسکی دیگر روایات سے بھی تائید ہوتی ہے ۱۲

واخرھم عیسے وستمائة نبی قلت یارسول اللہ کما انزل اللہ تعالیٰ من کتاب قال مائة کتاب واربعة کتب انزل اللہ تعالیٰ علی شیث خمسین صحیفة وعلی ادریس ثلثین صحیفة	اور آخری حضرت عیسےؑ اور چھ سو نبی[1] جو انکے بعد ہوئے میں نے عرض کی کہ اے رسول خدا حقتعالیٰ نے کسقدر کتابیں نازل فرمائی ہیں ارشاد فرمایا کہ سو صحیفے اور چار کتابیں جنمیں سے حضرت شیث پر پچاس صحیفے اور حضرت ادریس پر تیس صحیفے اور

[1] اس مقام پر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ لفظ ستمائة نبی میں احتمال ہے کہ وہ عیسے پر معطوف ہو اور مراد یہ ہو کہ چھ سو نبی جو حضرت عیسٰیؑ کے بعد مبعوث ہوئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے علاوہ چھ سو نبی تھے اس تقدیر پر چھ سو نبی سے بنی اسرائیل کے عظماء انبیاء مراد ہونگے تاکہ خبر سابق کے منافی نہ ہو اور علامہ موصوف کی خبر سابق کی وہ خبر مراد ہے کہ جسکو انس بن مالک نے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ

بعثت علے اثر ثمانیة آلاف نبی منھم اربعة آلاف من بنی اسرائیل	میں آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث ہوا ہوں جنمیں بنی اسرائیل کے چار ہزار نبی تھے۔

اور علامہ موصوف کے مراد کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حدیث حضرت ابوذر میں چھ سو نبی سے جملہ انبیاء بنی اسرائیل کا اس عدد میں محصور ہونا فرض کیا جائے گا تو انس کی خبر سے منافات لازم آئیگی۔ اس لئے کہ اسمیں انبیاء بنی اسرائیل کا چار ہزار ہونا مرقوم ہے اور ترجمہ میں علامہ مجلسی کے پہلے احتمال پر بنا کی گئی ہے جس سے انبیاء بنی اسرائیل سے چھ سو نبی کا حضرت عیسےؑ کے بعد مبعوث ہونا مراد ہے۔ البتہ اس مقام پر انس بن مالک کی روایت میں یہ اشکال رہتا ہے کہ حدیث ابوذر میں مجموع انبیاء کا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہونا مذکور ہے۔ حالانکہ انس بن مالک کی روایت میں ہمارے حضرت کا آٹھ ہی ہزار انبیاء کے بعد مبعوث ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس اشکال کے دفعیہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

لعل المراد ھنا عظماء الانبیاء لئلا ینافی الخبر السابق واللاحق۔	شاید کہ اس مقام پر عظماء انبیاء مراد ہیں تاکہ خبر سابق ولاحق کے منافی نہ ہو۔

اور اس کلام میں سابق سے خصال وامالی کی وہ روایت مراد ہے جو متن میں مذکور ہے جسمیں عدد انبیاء کا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہونا مذکور ہے ۱۲

وعلى ابراهيم عشرين صحيفة وانزل التوراة والانجيل والزبور والفرقان الخ

حضرت ابراہیم پر بیس صحیفے نازل فرمائے اور اسکے علاوہ حقتعالیٰ نے توراۃ اور انجیل و زبور اور فرقان کو نازل فرمایا الخ۔

اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے بروایت ابو حمزہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت ابو بصیر منقول ہے

من احب ان يصافحه مائة الف نبي واربعة وعشرون الف نبي فليزر قبر ابي عبد الله الحسين بن علي في النصف من شعبان فان ارواح النبيين يستأذنون الله في زيارته فيؤذن لهم منهم خمسة اولو العزم من الرسل قلنا من هم قال نوح وابراهيم وموسى وعيسى ومحمد صلى الله عليهم قلنا له ما معنى اولي العزم قال بعثوا الى شرق الارض وغربها جنها وانسها۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اس سے مصافحہ کریں اسکو چاہئیے کہ پندرھویں شعبان کو ابوعبداللہ حضرت حسین بن علی علیہ السلام کی زیارت کرے اسلئے کہ حقتعالیٰ سے ارواح انبیاء اُنکی زیارت کی اجازت لیتے ہیں اور اُنکو اجازت دیجاتی ہے اور اُنمیں پانچ بزرگوار رسولوں میں اولوالعزم ہیں ہم نے عرض کی کہ وہ کون بزرگوار ہیں فرمایا کہ حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ہیں ہم نے عرض کی کہ اولوالعزم سے کیا مراد ہے فرمایا کہ یہ بزرگوار زمین کی مشرق و مغرب کی جن وانس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

اور صدوق علیہ الرحمہ نے خصال و امالی میں حضرت امام رضا ع سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے آباء طاہرین سے حضرت رسولخدا سے نقل کیا ہے۔

خلق الله عز وجل مائة الف نبي واربعة وعشرين الف نبي انا اكرمهم على الله ولا فخر وخلق الله عز وجل مائة الف وصي

حقتعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو پیدا کیا ہے اور میں سب پر خدا کے نزدیک سب سے بزرگتر ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے۔ اور حقتعالیٰ نے ایک لاکھ

واربعة وعشرون الف وصي فعلي اكرمهم
على الله وافضلهم۔

اور اختصاص میں ابن عباس سے منقول ہے

ان اول المرسلين ادم واخرهم محمد ؐ وكانت
الانبياء مائة الف واربعة وعشرين الف
نبي الرسل منهم ثلثمائة وخمسة منهم
اولوالعزم نوح وابراهيم وموسى وعيسى
ومحمد وخمسة من العرب هود
وصالح وشعيب واسمعيل ومحمد
وخمسة سريانيون ادم وشيث
وادريس ونوح وابراهيم
واول انبياء بني اسرائيل
موسى واخرهم عيسى
والكتب التي انزلت على
الانبياء مائة كتاب واربعة
كتب منها على ادم خمسون
صحيفة وعلى ادريس ثلثون وعلى ابراهيم
عشرون وعلى موسى التورية وعلى داود الزبور
وعلى عيسى الانجيل وعلى محمد الفرقان

چوبیس ہزار اوصیا کو پیدا کیا ہے اور علی اُن سب سے
بیش پروردگار بزرگتر اور افضل ہیں۔

اول مرسلین حضرت آدم ہیں اور آخر مرسلین حضرت
محمد مصطفےٰ ہیں کل انبیا ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے
جنمیں تین سو پانچ رسول تھے اور انمیں سے پانچ اولوالعزم
ہیں حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ
اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ اور پانچ نبی
عربی تھے حضرت ہود حضرت صالح حضرت شعیب
وحضرت اسمعیل اور حضرت محمد مصطفےٰ اور پانچ نبی
سریانی تھے حضرت آدم اور حضرت شیث
اور حضرت ادریس اور حضرت نوح اور حضرت
ابراہیم اور بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ
اور آخری نبی حضرت عیسیٰ تھے اور جو کتابیں کہ
انبیاء پر نازل کی گئیں وہ سو صحیفے اور چار کتابیں
تھیں منجملہ اُن کے حضرت آدم پر پچاس صحیفے اور
حضرت ادریس پر تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم
پر بیس صحیفے اور حضرت موسیٰ پر توراۃ اور حضرت داؤد پر
زبور اور حضرت عیسیٰ پر انجیل اور حضرت محمد مصطفےٰ پر قرآن نازل ہوا

۵ل اس روایت میں ۵۰ صحیفوں کا حضرت آدم پر نازل ہونا اور حضرت ابوذر کی روایت میں پچاس صحیفوں کا حضرت شیث پر
نازل ہونا مذکور ہے۔ بظاہر اسمیں راوی کو اشتباہ ہوا ہے ۱۲

اور بصائر الدرجات میں حضرت امام محمد باقر ع سے بروایت عبدالرحمن بن بکیر الہجری منقول ہے

قال الله ان اول وصی کان علی وجه الارض هبة الله بن آدم وما من نبی مضی الا وله وصی کان عدد جمیع الانبیاء مائة الف نبی واربعة وعشرین الف نبی خمسة منهم اولوالعزم نوح وابراهیم وموسی وعیسی ومحمد وان علی بن ابیطالب کان هبة الله لمحمد ورث علم الاوصیاء وعلم من کان قبله اما ان محمداً ورث علم من کان قبله من الانبیاء والمرسلین

پہلی دفعہ جو وصی کہ روئے زمین پر ہوئے ہیں وہ ہبتہ اللہ بن آدم تھے اور کوئی نبی ایسے نہیں گذرے جنکے لئے وصی نہ ہو۔ جملہ انبیاء کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھا اور انمیں پانچ نبی اولوالعزم ہیں حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت محمد اور یہ کہ علی بن ابیطالب محمد کے لئے ہبتہ اللہ ہیں جنکو اوصیاء اور جملہ اُن بزرگواروں کا علم میراث میں پہونچا ہے جو اُنکے قبل تھے۔ اور محمد کو اُن تمام انبیاء و مرسلین کا علم وراثت میں پہونچا ہے جو آپ کے قبل گذرے ہیں۔

اور قصص الانبیاء میں شاہزادہ عبدالعظیم حسنی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ۔

کتبت الی ابی جعفر الثانی اسأله عن ذی الکفل ما اسمه وهل کان من المرسلین فکتب بعث الله تعالی جل ذکره مائة الف نبی واربعة وعشرین الف نبیاً المرسلون منهم ثلثمائة وثلثة عشر رجلاً وان ذا الکفل منهم کان بعد سلیمان بن داؤد وکان یقضی بین الناس کما کان یقضی داؤد ولم یغضب الا لله عز وجل و

مینے حضرت امام محمد تقی ع کی خدمت میں عریضہ لکھا جسمیں سوال کیا تھا کہ ذوالکفل کا نام کیا تھا اور آیا وہ نبی مرسل تھے پس حضرت نے تحریر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ جنمیں تین سو تیرہ بزرگوار نبی مرسل تھے اور انہیں میں ذوالکفل بھی داخل ہیں اور حضرت سلیمان بن داؤد کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں میں اُسی طرح فیصلہ کرتے تھے جس طرح کہ حضرت داؤد فیصلہ کرتے تھے اور اُنہوں نے اپنے لئے کبھی غصہ نہیں کیا البتہ اگر کوئی شخص حکم خدا کے خلاف کرتا تھا تو اُسپر غضبناک ہوتے تھے اور

کان اسمہ عویدیا وھو الذی ذکرہ اللہ تعالے جلت عظمتہ فی کتابہ حیث قال واذکر اسمعیل والیسع وذاالکفل کل من الاخیار

اُن کا نام عویدیا تھا۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جنکا حقتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ "اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ یہ سب نیکو کاروں میں ہیں"

شریعت کی تعریف

لفظ شریعت سے اصل لغت میں پانی کا وہ مقام مراد ہے جسپر لوگ اُسکے لینے کی غرض سے وارد ہوتے ہیں اور اصطلاح میں اُس سے وہ دین و ملت مراد ہے جسکو حقتعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں پر نازل فرمایا ہے۔ اور عامۂ مکلفین کو اُنکی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔

صاحبان شریعت اور اولوالعزم کا بیان

اور جن حضرات پر کہ خداوند عالم نے اُس (شریعت) کو نازل فرمایا ہے وہ شارع کہلاتے ہیں اور جن لوگونکو اُنکی پیروی کا حکم دیا ہے اُنکی متشرعہ کے ساتھ تعبیر کیجاتی ہے پس خداوند عالم نے جن بزرگوں پر شریعت کو نازل فرمایا ہے وہ چھ پیغمبر ہیں جنمیں سے پانچ پیغمبر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ اُن بزرگواروں میں پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں جنکی شریعت ابتدائی ہے اور باقی پانچ بزرگوں کی شریعت ناسخ ہے اور اُنسے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰؐ مراد ہیں چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ

تمہارے لئے دین کی اُسنے وہی باتیں مقرر کیں جنکی بابت اُس نے نوحؑ کو وصیت کی تھی اور (اے رسول) جسکی بابت ہمنے تمہاری طرف وحی کی ہے اور جسکی بابت ہمنے ابراہیم اور موسیٰ عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو

وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ
مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي
إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ
مَنْ يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا
إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ
بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ
مُسَمًّى لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ
وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا
الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ
لَفِي شَكٍّ مِنْهُ
مُرِيبٍ ۝ پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ

قائم رکھو۔ اور اُسکے بارہ میں فرقے فرقے نہ بن جاؤ۔ مشرکوں پر وہ امر جسکی طرف تم اُنکو بلاتے ہو بہت گراں گزرا۔ اللہ اس امر کے لئے جسکو چاہتا ہے منتخب فرما لیتا ہے اور توفیق ہدایت اُسکو عطا کرتا ہے جو اُسکی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم آچکا تھا وہ محض آپس کے حسد کے باعث فرقہ فرقہ بن گئے اور اگر تمہارے پروردگار کیطرف سے (مہلت) کا حکم ایک مدت معین تک کے لئے نہ ہوچکا ہوتا تو اُنکے مابین (کبھی کا) فیصلہ ہوچکا ہوتا۔ بیشک جن لوگوں کو اُنکے بعد کتاب کا وارث کیا گیا وہ (آجتک) بھی اُسکی طرف سے شک ہی میں پڑے ہیں جو انہیں ڈانواڈول کئے ہوئے ہے۔

اس آیۂ شریفہ سے معلوم ہوا کہ خداوند عالم نے اپنی مخلوق کو اسی شریعت کا پابند کیا ہے جو حضرت نوحؑ اور ہمارے حضرت اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر نازل فرمائی تھی۔ اور یہ کہ وہ شریعت ان سب بزرگواروں میں مشترک تھی بس ہے توحید (خدا کو یکتا ماننا) اور شرک سے بیزاری اور دین کے ساتھ تمسک کرنا اور اُسکے موافق عمل کرنا اور اُسپر ثابت قدم رہنا اور اُس کی طرف دعوت کرنا۔ اور باہم مختلف نہ ہونا مراد ہے۔ اور ان آیات شریفہ کی تفسیر میں جو کچھ کہ علامہ طبری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں سے خطاب کرکے ارشاد فرماتا ہے کہ اُسنے تمہارے لئے دین و توحید کے اختیار کرنے اور شرک سے بیزار رہنے کی اُنہیں چیزوں کو بیان کیا ہے جنکی کہ حضرت نوحؑ کو وصیت کی تھی اور وہ چیزیں وہی ہیں جنکی کہ تیرے تئیں وحی کی ہے اور اُنہیں کی حضرت ابراہیمؑ

اور حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کو بھی وصیت کی تھی۔ اور اُس سے یہ مراد ہے کہ تم دین کے ساتھ تمسک کرو اور اُسکے مقتضا پر عمل کرو اور اُسپر استمرار کرو اور لوگوں کو اُسکی طرف بلاؤ اور آپس میں اتفاق کرو۔ اور تم جو لوگوں کو خدا کی توحید اور اخلاص عبادت کے اختیار کرنے اور بتوں کے چھوڑ دینے اور اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک کرنے کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو وہ مشرکین پر گراں گزرتا ہے اور تعجب کرتے ہیں کہ انھوں نے سب معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود کو اختیار کر لیا ہے اور ان کو یہ امر بہت شاق گزرا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمکو نبوت اور رسالت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور حق تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے انھیں بندوں کو منتخب کرتا ہے جنکو اس مطلب کے قابل سمجھتا ہے جنہیں تم بھی واقف ہو اور اپنے دین کی طرف انھیں لوگوں کو ہدایت کرتا ہے جو اُسکی اطاعت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے تمہارے بارہ میں اختلاف نہیں کیا ہے جبکہ اُن کو تمہاری نبوت کے صحیح ہونے کا علم ہو چکا ہے۔ جسکا سبب ظلم و حسد اور عداوت اور طلب دنیا کی حرص ہے اور اگر حق تعالیٰ نے وقت معین تک اُن کے باقی رکھنے کا وعدہ نہ کر چکا ہوتا اور اُنکے عذاب کے مؤخر کرنے کی خبر نہ دے چکا ہوتا تو اُنپر فوراً عذاب نازل کرتا اور وہ یہود و نصاریٰ جو بعد انبیائے نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی قوم کے بعد کتاب آسمانی (قرآن) کے وارث ہوئے ہیں وہ حق کو پہچاننے کے بعد انکار کرتے یا اُسکی حقیقت میں شک کرتے ہیں۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہوا ہے کہ۔

سادۃ النبیین والمرسلین خمسۃ	انبیاء و مرسلین کے سردار پانچ بزرگ ہیں اور
وھم اولوالعزم من الرسل وعلیھم دارت الرحی	وہی انبیاء اولوالعزم کہلاتے ہیں اور آسیائے دین اسلام

الرحمٰی نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ و محمد صلے اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء[1]	اُنہیں پر دورہ کرتی ہے اور وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ ص ہیں۔

اور حضرت امام جعفر صادق ع سے قول واجب تعالےٰ

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ	اے رسول تم اُسیطرح صبر کرو جس طرح کہ انبیاء اولوالعزم نے کیا

کی تفسیر میں منقول ہوا ہے کہ انبیاء اولوالعزم سے حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ ص مراد ہیں۔ راوی نے عرض کیا کہ یہ انبیاء اولوالعزم کیونکر ہوگئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

لان نوحاً بعث بکتابه و شریعته وکل من جاء بعد نوح اخذ بکتاب نوح و شریعته ومنهاجه[2] حتی جاء ابراهیم بالصحف و بعزیمته ترك كتاب نوح لا كفراً به	حضرت نوح ع اپنی کتاب اور شریعت لیکر مبعوث ہوئے۔ اور حضرت کے بعد جو نبی مبعوث ہوتے گئے وہ اُنہیں کی کتاب اور شریعت و طریقہ[2] پر عمل کرتے رہے یہانتک کہ حضرت ابراہیم آسمانی صحیفے لیکر حضرت نوح ع کی کتاب کے منسوخ کرنے کے ارادے سے مبعوث ہوئے۔ اور حضرت نوح کی شریعت منسوخ کرنے سے انکار مقصود نہ تھا

ل۱ یعنی وہ بمنزلہ قطب ہیں ۱۲

ل۲ اصل حدیث میں لفظ منہاج واقع ہوا ہے جسکے معنی ہیں طریقہ۔ اور اسمیں قول باریتعالیٰ ولکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا } اور تمنے تم میں سے ہر ایک کو نئی گھاٹی اور سیدھا راستہ مقرر کیا ہے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

وكل نبي جاء بعد ابراهيم
اخذ بشريعة ابراهيم و
منهاجه وبالصحف حتى جاء موسى
بالتوراة وشريعته
ومنهاجه وبعزيمة ترك الصحف
وكل نبي جاء بعد موسى اخذ
بالتوراة وشريعته ومنهاجه
حتى جاء المسيح بالانجيل
وبعزيمة ترك شريعة
موسى ومنهاجه
فكل نبي جاء بعد المسيح اخذ بشريعته ومنهاجه
حتى جاء محمد صلى الله عليه وآله
بالقرآن
فحلاله حلال
الى يوم القيامة
وحرامه حرام الى يوم القيامة
فهؤلاء اولوا العزم
من الرسل۔

پس جو نبی کہ حضرت ابراہیم کے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ اُنہیں کی شریعت طریقہ اور صحیفوں پر عمل کرتے رہے یہانتک کہ حضرت موسیٰ توراۃ اور اپنی شریعت وطریقہ لیکر حضرت ابراہیم کے صحیفوں کو منسوخ کرنے کے ارادہ سے مبعوث ہوئے پس جو نبی کہ حضرت موسیٰ کے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ توراۃ اور اُنکی شریعت اور طریقہ پر عمل کرتے رہے یہانتک کہ حضرت مسیح انجیل لیکر حضرت موسیٰ کی شریعت وطریقہ کو منسوخ کرنے کے ارادہ سے مبعوث ہوئے پس جو نبی کہ حضرت مسیح کے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ اُنہیں کی شریعت وطریقہ پر عمل کرتے رہے یہانتک کہ حضرت محمد مصطفیٰ قرآن شریف لیکر حضرت عیسےٰ کی شریعت اور طریقہ کو منسوخ کرنیکے ارادہ سے مبعوث ہوئے۔ پس آپ کی شریعت میں جو چیزیں حلال تھیں وہ روز قیامت تک حلال رہینگی اور جو چیزیں حرام تھیں وہ قیامت تک حرام رہینگی پس یہی وہ بزرگوار ہیں جو رسولان اولوا العزم کہلاتے ہیں۔

اور علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ آیۂ شریفہ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اے محمد تم ان کافروں کی اذیت رسانی اور ایمان نہ لانے پر اُسی طرح صبر کرو جسطرح انبیاء نے صبر کیا ہے۔ لفظ من اس مقام پر بیان جنس کے لئے استعمال

کیا گیا ہے۔ اس تقدیر پر رسل سے جملہ انبیاء مراد ہونگے اس لئے کہ انہوں
کے ادا کرنے اور اُنکی مشقتوں پر تحمل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور بعض علماء
لفظ مِن اس مقام پر تبعیض کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی قول کو اک
اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے علماء کی روایتوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ بعض
اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ انبیاء اولوالعزم سے کون کون انبیاء مراد ہیں۔ بع
فرمایا ہے کہ انبیاء اولوالعزم سے وہ انبیاء مراد ہیں جو ایسی جدید شریعت لیکر مبعو
جس نے پہلی شریعت کو منسوخ کر دیا ہو اور وہ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔
حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰؐ ہیں۔ اور یہ قول عبداللہ بن عباس اور قتادہ۔
اور حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق عہ سے بھی اسی مضمون کی روایت
ان دونوں بزرگواروں نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ انبیاء باقی جملہ انبیاء کے سردار ہ
رسالت کا دارومدار رہا۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ چھ بزرگوار ہیں
نوحؑ جنہوں نے اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کیا۔ دوم حضرت ابراہیمؑ جنہوں
پر صبر کیا۔ سوم حضرت اسحٰقؑ جنہوں نے ذبح ہونے پر صبر کیا۔ چہارم حضرت
جنہوں نے فرزند کے گم ہونے اور بینائی کے زائل ہونے پر صبر کیا۔ پنجم حضرت
کنوئیں (کی تاریکی) اور قید (کی اذیت) پر صبر کیا۔ ششم حضرت ایوبؑ جنہوں
(درد دکھ) پر صبر کیا اور یہ قول مجاہد سے منقول ہوا ہے۔ اور بعض لوگوں نے ب
انبیاء اولوالعزم سے وہ انبیاء مراد ہیں جو جنگ و جہاد پر مامور ہوئے ہیں اور یہ سد
منقول ہوا ہے اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ انبیاء اولوالعزم چار بزرگوار ہیں حضر
ابراہیمؑ حضرت ہودؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور یہ قول ابوالعالیہ سے منقول ہوا ہے
اصل لغت میں وجوب اور حتم مراد ہوتا ہے۔ اور رسولوں میں اولوالعزم وہ انبیا
اپنی شریعتوں پر عمل کرنے اور باقی شریعتوں کے چھوڑ دینے کو لازم کیا۔

اولوالعزم کی وجہ تسمیہ

انبیاء اولوالعزم کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں پس بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اولوالعزم اسلئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ہمارے حضرت کی نبوت اور اُنکے اوصیاء اور حضرت صاحب الامرؑ کی وصایت اور سیرت وغیرہ کا اقرار اور اُنکی جلالت قدر اور بزرگی کے اظہار میں حد درجہ کا اہتمام کیا تھا چنانچہ بروایت جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے قول باریتعالیٰ ولقد عہدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ—

عهد اليه في محمد والائمة من بعده فترك ولم يكن له عزم فيهم انهم هكذا وانما سموا اولوالعزم لانه عهد اليهم في محمد واوصيائه من بعده والقائم وسيرته فاجمع عزمهم ان ذلك كذلك والاقرار به۔

حضرت آدمؑ سے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے بارہ میں عہد لے لیا گیا تھا مگر اُنہوں نے اُسے ترک کر دیا اور اس بارہ میں اہتمام نہیں کیا اور اُنکو اولوالعزم اس لئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اُنکے اوصیاء اور حضرت امام مہدیؑ اور اُنکی سیرت کے بارہ میں عہد کیا تھا اور اُن سب نے اُن کے اقرار پر اجماع فرمایا تھا۔

اور بعض روایات سے اُنکی وجہ تسمیہ میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے خدا اور اُس کے جملہ پیغمبروں کے اقرار کرنے میں سبقت کی تھی اور اپنی اُمتوں کی تکذیب پر صبر کرنے کا عزم (مستحکم ارادہ) کر لیا تھا۔ چنانچہ علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اولوالعزم کے یہ معنی ہیں کہ اُنہوں نے تمام پیغمبروں پر خدا اور اُس کے جملہ پیغمبروں کے ساتھ اقرار کرنے میں سبقت کی خواہ وہ اُن کے قبل گذرے ہوں یا اُن کے بعد آنے والے ہوں۔ اور اس امر کا عزم کیا تھا کہ وہ اپنی اُمتوں کی تکذیب پر صبر کرینگے اور بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولوالعزم سے وہ پیغمبر مراد ہیں جنکی شریعت نے اگلے پیغمبروں کی شریعت کو منسوخ

کہیا ہے اور علماء اعلام میں یہی قول مشہور ہے جسکی تائید امام جعفر صادق کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو سابق میں مذکور ہوئی اور وہ روایت بھی اس مطلب کی مؤید ہے جو جناب امام رضاؑ سے منقول ہے کہ۔

انما سمّی اولوالعزم اولی العزم لانھم کانوا اصحاب العزائم والشرائع وذلک ان کل نبی کان بعد نوح کان علی شریعتہ ومنھاجہ وتابعا لکتابہ الی زمن ابراھیم الخلیل وکل نبی کان فی ایام ابراھیم وبعدہ کان علی شریعۃ ابراھیم ومنھاجہ وتابعا لکتابہ الی زمن موسیٰ وکل نبی کان فی زمن موسیٰ وبعدہ کان علی شریعۃ موسیٰ ومنھاجہ وتابعا لکتابہ الی ایام عیسیٰ وکل نبی کان فی ایام عیسیٰ وبعدہ کان علی منھاج عیسیٰ وشریعتہ وتابعا لکتابہ الی زمن نبینا محمدؐ فھولاء الخمسۃ اولوالعزم وھم افضل الانبیاء والرسل وشریعۃ محمدؐ لاتنسخ الی یوم القیامۃ

اولوالعزم کو اولوالعزم اس سے کہتے ہیں کہ وہ صاحبان عزیمت اور شریعت تھے اس لئے کہ جو پیغمبر حضرت نوحؑ کے بعد تھے وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک اُنہیں کی شریعت اور طریقہ پر عمل اور اُنکی کتاب کی تبعیت کرتے تھے۔ اور جو پیغمبر کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں یا اُنکے بعد مبعوث ہوئے وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک اُنہیں کی شریعت اور طریقہ پر عمل اور اُنکی کتاب کی تبعیت کرتے تھے اور جو پیغمبر کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں یا اُنکے بعد ہوئے وہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک اُنہیں کے طریقہ اور شریعت پر عمل اور اُنکی کتاب کی تبعیت کرتے تھے اور جو پیغمبر کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں اور اُنکے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰؐ کے زمانہ تک اُنہیں کی شریعت یعنی کتاب پر عمل کرتے اور اُنکی کتاب کے تابع رہے پس یہ پانچ بزرگوار اولوالعزم ہیں اور باقی انبیاء ورسل سے افضل اور بہتر ہیں اور ہمارے حضرت محمد مصطفےٰؐ کی شریعت تا قیامت منسوخ نہوگی

ولا نبی بعدہ الی یوم القیمۃ فمن ادعی بعدہ نبوۃ اواتی بعد القرآن بکتاب فدمہ مباح لکل من سمع ذلک منہ۔

اور قیامت تک حضرت کے بعد کوئی پیغمبر نہو گا پس جو شخص کہ حضرت کے بعد اپنے پیغمبر ہونیکا دعوے کریگا یا قرآن کے بعد کسی کتاب کے منجانب اللہ ہونیکا دعوے کریگا اُسکا خون ہر اُس شخص کے لئے مباح ہے جو اُس سے اس دعوے کو سنے۔

اور ایک روایت میں حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے منقول ہوا ہے کہ۔

من احب ان یصافحہ مائۃ الف نبی واربعۃ وعشرون الف نبی فلیزر قبر ابی عبداللہ الحسینؑ بن علیؑ فی النصف من شعبان فان ارواح النبیینؑ یستاذنون اللہ فی زیارتہ فیؤذن لھم منھم خمسۃ اولوالعزم من الرسل قلنا من ھم قال نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ومحمد صلی اللہ علیھم قلنا لہ ما معنی اولی العزم قال بعثوا الی شرق الارض وغربھا جنھا وانسھا۔

جو شخص چاہے کہ اُسکے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی روح معانقہ کرے تو اسکو چاہئے کہ نیمہ شعبان کی شب میں حضرت امام حسینؑ کے روضۂ اطہر کی زیارت کرے اس لئے کہ اُس شب میں پیغمبروں کی روحیں حضرت کی زیارت کیلئے رخصت لیتی ہیں اور اُنمیں پانچ بزرگوار پیغمبران اولوالعزم ہوتے ہیں جیسے حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ مراد ہیں راوی نے سوال کیا کہ اولوالعزم کے کیا معنے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ زمین کی مشرق ومغرب میں تمام جن وانس پر مبعوث ہوے ہیں۔

اس حدیث شریف کو نقل کرنے کے بعد علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تمام خلق پر مبعوث ہوئے تھے

اور دیگر احادیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقط بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئے تھے اور بعض علمائے اعلام نے اس مطلب کی تائید میں کہ یہ پانچوں بزرگوار کافۂ خلائق پر مبعوث ہوئے ہیں اس حدیث مشہور کو پیش کیا ہے کہ۔

یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی } علی تمکو مجھسے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کو تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے جو نسبت تھی نبوت کے سوا وہی نسبت حضرت امیر المومنینؑ کو جناب سرور انام کے ساتھ حاصل ہے اور ازبسکہ ہمارے حضرت کی نبوت کا عام اور حضرت کا کافۂ خلائق پر مبعوث ہونا معلوم ہے لہذا جناب موسیٰؑ کی نبوت کا عام ہونا اور انکا کافۂ خلائق پر مبعوث ہونا بھی ثابت ہوگا۔ اور جس طرح کہ اس حدیث شریف سے حضرت موسیٰؑ کی نبوت کا عام ہونا ثابت ہوتا ہے اسیطرح حضرت ہارون کی خلافت کا بھی ریاست عامہ ہونا ثابت ہوگا۔

اور ظاہر بعض احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت عام نہ تھی بلکہ وہ قوم بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور ازبسکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کا فقط قوم بنی اسرائیل سے مخصوص ہونا ان احادیث کثیرہ کے ساتھ معارض ہوا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اولوالعزم کا شرق و غرب اور جن و انس پر مبعوث ہونا ثابت ہوا ہے لہذا وہ اعتبار سے ساقط ہونگی اسی طرح اگر حضرت موسیٰؑ کی شریعت عام نہ ہوتی تو ان (حضرت موسیٰ) کا فرعون و ہامان اور قبطی لوگوں کو جنکی تعداد [illegible] اکیاسی ہزار تھی ایمان لانے پر مامور کرنا اور صورت مخالفت میں انکو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرنا اور بالآخر ان کو غرق کر دینا کیونکر صحیح ہوتا کیونکہ اس صورت میں حضرت موسیٰؑ کو فرعون کہہ سکتا تھا کہ آپ تو فقط بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئے ہیں لہذا مجھے اور میری قوم کو ایمان لانے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ آپ ہم لوگوں پر مبعوث نہیں ہوئے ہیں۔

اسی طرح اگر حضرت موسیٰؑ کی شریعت کا فقط بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہونا فرض کیا جائے

تو اُن کا عمالقہ کی ہدایت کے لئے تشریف لیجانا کیونکر صحیح ہوگا۔ حالانکہ اثناء راہ میں بنی اسرائیل نے ازراہ نافرمانی کہدیا تھا کہ آپ اور آپکا پروردگار اُن (عمالقہ) سے جہاد کرنیکو تشریف لے جائیں ہم یہیں پر بیٹھے رہینگے جیسپر خداوند عالم کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ پارہ ۶ سورۂ مائدہ } اب تم اور تمہارا پروردگار جاؤ اور دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

پس حضرت موسیٰ کا عمالقہ کی دعوت اور ہدایت کے لئے تشریف لیجانا ابن عمر کی روشن دلیل قرار پاتی ہے کہ وہ عمالقہ پر بھی مبعوث تھے۔ اسیطرح اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ کی شریعت کا عام ہونا اوران دونوں بزرگواروں کا کافہ ناس کی طرف مبعوث ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو زمین کا حجت خدا سے خالی ہونا لازم آئیگا جسکا باطل ہونا عقل ونقل دونوں سے ثابت ہے جیساکہ اوپر کی تقریروں میں مذکور ہو چکا ہے۔

بالجملہ روایات مختلفہ میں جمع و توفیق کا یہ طریقہ ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ کا بھی حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح کافہ خلائق پر مبعوث ہونا تسلیم کیا جائے لیکن حیات حضرت موسیٰؑ میں اُن کی شریعت کی فقط ملک مصر تک منتشر ہونے اور شریعت حضرت عیسےٰؑ کے فقط شام اور بیت المقدس تک منتشر ہونے کی نوبت آئی ہو۔

{ نبی پر تقیہ کا جائز ہونا یا نہ ہونا }

لفظ تقیہ کا اصل لغت میں خوف اور احتراز کرنے پر اطلاق ہوتا ہے اور اصطلاح میں اُس (لفظ تقیہ) کا نفس محترم کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے حق کے پوشیدہ کرنے پر اطلاق کیا جاتا ہے خواہ خلاف حق کا اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے اور خواہ (حق کا پوشیدہ کرنا) بعنوان توریہ واقع ہو یا بدون اس کے۔

اس تعریف کی بنا پر خلاف حق کا ظاہر کرنا اُس (تقیہ) کی حقیقت میں داخل نہ ہوگا اور

اُس کا توریہ پر اطلاق کرنا بدون اشکال درست ہوگا اس لئے کہ توریہ سے لفظ متو
کا از راہ مصلحت استعمال کرنا اور بیان مقصود میں ابہام کر دینا اور معنی غیر ظاہر
کرنا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ توریہ کے اس معنے پر حق کا پوشیدہ کرنا جو تعریف تق
صادق آتا ہے۔

اور بعض علمار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلاف واقع کا ظاہر کرنا اُس
میں داخل ہے اور اُنکی عین عبارت یہ ہے۔

التقیۃ ھی اظہار خلاف الواقع لغرض من الاغراض الصحیحہ } اغراض صحیحہ میں سے کسی غرض کی وجہ خلاف واقع کا اظہار کرنا تقیہ ہے۔

اس صورت میں تقیہ کا توریہ پر صادق آنا خالی از اشکال نہ ہوگا اس لئے کہ تور
میں خلاف واقع کا ظاہر کرنا ماخوذ نہیں ہے۔

اور بعض اعلام نے اشکال مذکور کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر خلاف واقع کے ظاہر کر
تقیہ میں داخل ہونا فرض کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اظہار خلاف بھی اس امر کو
کہ وہ مخالفت میں صریح ہو یا ظاہر یا اُسمیں دونوں وجہیں (مخالفت و موافقت)
ہوں اور جو محذور کہ تقیہ میں متوہم ہو سکتا ہے اور جو ضرورت کہ اُسکے جائز ہونے کا
قرار پا سکتی ہے وہ ان جملہ صورتوں میں جاری ہوتی ہے - بہر حال توریہ کا داخل تق
اقرب الی الصواب ہے اگر ایسا نہ ہو تو کلام میں توریہ کا استعمال کرنا بے وجہ ہوگا
وجہ واضح ہے - فان الابہام فی بیان المرام ینافی الافہام کما لایخفی علی ذوی الافہام

لہ لفظ مد بر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی توریہ سے فہم مخاطب کا اختبار مقصود ہوتا ہے لہذا اُس کا بہر صورت داخل تقیہ کرنا
اور اسکا جواب یہ ہے کہ اس تقدیر پر توریہ اور تقیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی اور مورد تقیہ میں وہ (توریہ) بہر حال اُس کا تقیہ کرا
قرار پائیگی اور ہمارا مقصود حاصل ہوگا اور اُس (توریہ) کا بدون تقیہ بھی موجود ہونا ہمارا مضر نہ ہوگا اور اس مطلب کی عمدت تبع
مسلہ میں شرح ہو چکی ہے جس کا جی چاہے اُس کی طرف رجوع کرے - واللہ یعلم ۱۲

اور فاضل گجراتی سے تقیہ کی تعریف میں یہ عبارت منقول ہوئی ہے۔

هی الحذر عن اظهار ما فی الضمیر من العقیدة ونحوها عند الناس	لوگوں کے سامنے ما فی الضمیر (عقیدہ وغیرہ) کے ظاہر کرنے سے خوف کرنا۔

اور اس عبارت سے اگرچہ پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ما فی الضمیر کے ظاہر نہ کرنے کو حق کا پوشیدہ رکھنا لازم ہو لیکن لفظ ما فی الضمیر اُس (حق) سے عام ہے اور حق و باطل دونوں کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ تقیہ میں ضرر سے محفوظ رہنے کی غرض کا ملحوظ ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے اور عبارت مذکورہ اس مطلب سے عام ہے۔ حالانکہ اگر کسی دوسرے مصلحت سے ما فی الضمیر کا اظہار نہ کیا جائے تو وہ تقیہ میں داخل نہ ہوگا اور بظاہر فاضل مذکور کی غرض بھی یہی معلوم ہوتی ہے اگرچہ تادیہ مطلب میں اُنسے فی الجملہ مسامحہ ہوا ہے اور جناب شیخ مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے تقیہ کی تعریف میں معنی لغوی کے بعد تحریر فرمایا ہے

والمراد هنا التحفظ عن ضرر الغیر بموافقته فی قول او فعل مخالف للحق۔	ضرر غیر سے ایسے فعل میں موافقت کر کے تحفظ کرنا جو مخالف حق ہو۔

اور اس عبارت سے بظاہر دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ مخالف حق کی موافقت کرنے کو خلاف حق کا ظاہر کرنا لازم ہے اور توریہ بھی اُس میں داخل ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ کے معنے ظاہری کی وجہ سے موافقت غیر بھی صادق آ جاتی ہے۔ اگرچہ وہ (معنی ظاہری) مراد متکلم نہیں ہوتے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ ان جملہ عبارتوں میں ایک ہی معنی کا تادیہ مقصود ہے صرف عنوان ادا میں اختلاف ہو گیا ہے اور جملہ عبارتوں میں تقیہ سے ایسے عنوان کا اختیار کرنا مراد لیا گیا ہے جو ضرر سے محفوظ رہنے میں دخیل ہو۔ واللہ یعلم۔

اور علماء امامیہ کے نزدیک عامۂ مکلفین کے لئے خون ریزی کے علاوہ ہر ایک ایسے امر میں تقیہ کرنا جائز ہے جہاں فتنہ و فساد سے محفوظ رہنا اُسپر موقوف ہو اور اس مطلب میں اکابر

اہل سنت وجماعت نے بھی اُن (امامیہ) کی موافقت کی ہے۔ اور جناب شیخ مفید سے نقل کیا گیا ہے کہ۔

انها قد يجب احيانا ويكون فرضا ويجوز احيانا من غير وجوب وتكون في وقت افضل من تركها وقد يكون تركها افضل وان كان فاعلها معذورا ومعفوا عنه متفضلا عليه بترك اللوم عليها

وہ (تقیہ) کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی محض جائز ہوتا ہے اور واجب نہیں ہوتا اور کسی وقت اُسکا اختیار کرنا اُسکے ترک سے بہتر ہوتا ہے اور کبھی اُسکا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے۔ اگرچہ اُسکا فاعل معذور ہوگا اور اُسکی مذمت نکیجائیگی۔ انتہی ملخصًا۔

اور جناب شیخ جعفر طوسی رح سے منقول ہوا ہے کہ۔

ظاهر الروايات تدل على انها واجبة عند الخوف على النفس وقد روي رخصة في جواز الافصاح بالحق عنده

ظاہر احادیث اُس (تقیہ) کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ نفس پر خوف فرض کیا جائے اور کبھی وقت خوف بھی حق کے ظاہر کرنے کی اجازت منقول ہوئی ہے۔

اور شارح کافی ملا صالح مازندرانی لکھتے ہیں کہ۔

والتقية عندنا واجبة والمخالفون قالوا تركها افضل اعزازا للدين۔

اور ہمارے نزدیک تقیہ واجب ہے[1] اور مخالفین نے کہا ہے کہ اُس (تقیہ) کا ترک کرنا بہتر ہے اس لئے کہ اُسمیں اعزاز دین[2] ہے۔

اور حسن بصری سے منقول ہوا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے حضرت رسول خدا کے دو صحابیوں کو گرفتار کیا پس ایک سے کہا کہ

---

[1] عنقریب تقیہ کا احکام خمسہ کی طرف منقسم ہونا مذکور ہوگا لہذا اُسکے واجب ہونیکا مطلقاً حکم کرنا درست نہیں ہے ۱۲

[2] ترک تقیہ کے لئے اعزاز دین لازم نہیں ہے بلکہ بسا اوقات دین کا اعزاز تقیہ ہی میں منحصر ہوتا ہے لہٰذا ترک تقیہ کو ہر صورت افضل قرار دینا بے وجہ ہے ۱۲

اتشهد ان محمد ارسول الله } آیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ محمد رسول خدا ہیں
اسنے جواب دیا کہ ہاں - بعد ازاں اُس نے کہا کہ ۔
اتشهد انی رسول الله } آیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ میں رسول خدا ہوں ۔
اس نے جواب دیا کہ ہاں - پھر دوسرے کو بلایا اور اُس سے بھی کہا کہ اتشهد ان محمد رسول الله اُسنے کہا کہ ہاں میں اسکی شہادت دیتا ہوں بعد ازاں اُس سے کہا کہ اتشهد انی رسول الله اُسنے جواب دیا کہ انی اصم (میں بہرہ ہوں)
سی طرح اُس نے تین مرتبہ کہا اور وہ ہر ایک دفعہ یہی جواب دیتا تھا کہ میں بہرا ہوں
پس مسیلمہ نے اُسکی گردن مار دی - اور جبکہ یہ خبر حضرت رسول خدا کو پہونچی تو آپ نے رشاد فرمایا کہ ۔

اما ذلك المقتول فمضى على صدقه ويقينه واخذ بفضله فهنيا له واما الاخر فقبل رخصة الله فلا تبعة عليه ۔ } یہ شخص جو قتل کیا گیا وہ اپنے راستی اور یقین پر گذر گیا اور اپنی فضیلت کو حاصل کیا ۔ پس اُسکے لئے مبارک و گوارا ہو اور یہ دوسرا شخص پس اُسنے رخصت خدا کو قبول کیا اور اُسپر کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے

پس اس روایت کی بنا پر تقیہ کرنا از قبیل رخصت ہوگا اور حق کا ظاہر کرنا داخل فضیلت ہوگا

جواز تقیہ کے دلائل

} اور تقیہ کے جواز یا اُسکے رجحان پر کئی امروں سے ساتھ استدلال ہو سکتا ہے ۔

پہلا امر نفس محترم کا ضرر سے محفوظ رکھنا تقیہ پر موقوف ہے اور جس امر پر کہ نفس محترم کا محفوظ رکھنا موقوف ہو اُسکا اختیار کرنا لازم ہو لہذا تقیہ کا اختیار کرنا لازم ہے اور یہ دلیل اُسی صورت میں جاری ہوگی جبکہ نفس کا ضرر سے محفوظ رہنا تقیہ پر موقوف ہو لیکن وہ ہر ایک تقیہ میں جاری نہ ہوگی ۔

دوسرا امر حق تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ ۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تَقِيَّةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (پارہ ٣ سورہ آل عمران)

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور خدا سے کوئی واسطہ نہیں ہو رہے مگر اس صورت کے کہ تم ان سے کسی قسم کا خوف رکھتے ہو اور خدا تمکو اپنے ہی سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے۔

وآمرك ان تستعمل التقية في دينك فان الله عز وجل يقول لا يتخذ المؤمنون الخ۔

اور میں تمکو اس امر پر مامور کرتا ہوں کہ تم اپنے دین میں تقیہ کو استعمال کرو اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لا یتخذ المؤمنون الخ۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وفي هذه الآية دلالة على ان التقية جائزة في الدين عند الخوف على النفس

اور اس آیت میں تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت ہے جبکہ نفس پر خوف ہو۔

بعد ازیں تحریر فرماتے ہیں۔

وقال اصحابنا انها جائزة في الاحوال كلها عند الضرورة وربما وجبت فيها لضرب من اللطف والاستصلاح وليس تجوز من الافعال في قتل المؤمن ولا فيما يعلم او يغلب على الظن انه استفساد في الدين

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ تقیہ کرنا وقت ضرورت تمام حالات میں جائز ہے اور بسا اوقات وہ (تقیہ) واجب بھی ہو جاتا ہے بوجہ اس کے کہ اس میں کسی قسم کا لطف و اصلاح مضمر ہوتی ہے اور قتل مومن یا کسی دوسرے فتنہ و فساد کے مقام پر تقیہ کرنا جائز نہیں ہے جبکہ اس کا فساد فی الدین ہونا معلوم یا مظنون ہو۔

اور قاضی ناصر الدین بیضاوی نے آیہ شریفہ (الا ان تتقوا منهم تقاة) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

الا ان تخافوا من جهتهم ما يجب (کفار کی دوستی حرام ہے) مگر جبکہ تم کفار کی کسی ایسے امر سے خوف کرو

اتقاۃ۔ } جہاں کہ اُسمیں تقیہ کرنا واجب ہو۔

بلکہ قاضی صاحب موصوف نے قاری یعقوب سے جو من جملہ قراء سبعہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے لفظ تقاۃ کو تقیہ بھی پڑھا ہے بعد ازاں بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے کفار کی دوستی کو جمیع اوقات میں منع کیا ہے البتہ وقت خوف اُن کی دوستی کے ظاہر کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور امام رازی نے اسی آیہ شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حفظ نفس کیلئے تقیہ کرنا جائز ہے اور آیا حفظ مال کے لئے بھی تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں پس احتمال ہے کہ جائز ہو اس لئے کہ حضرت رسول خدا سے منقول ہے کہ من قتل دون مالہ فہو شہید اور اس لئے کہ مال کی حاجت شدید ہے۔

اور اس کے علاوہ یہ ہے کہ جب پانی کی قیمت کا سونے کی قیمت کے مساوی ہونا فرض کیا جاتا تو فرض وضو ساقط ہو جاتا ہے اور تیمم پر اقتصار کرنا جائز ہو جاتا ہے تاکہ مکلف پر اُسقدر بھی ضرر مالی عود نکرے پس ایسے مقام پر تقیہ کیوں نہ جائز ہوگا۔

تیسرا امر حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ پارہ ۱۴ سورۂ النحل

جو ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرجائے سوائے اُس صورت کے کہ اُسپر جبر کیا گیا ہو درانحالیکہ اُسکا دل ایمان سے مطمئن ہو لیکن جو دل کھولکر کفر کرے پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور اُنہی کیلئے بڑا عذاب ہے۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیہ شریفہ کی شان نزول میں بیان فرمایا ہے کہ قول باریتعالیٰ

---

۱ قاضی صاحب کی عین عبارت یہ ہے ومنع من موالاتہم ظاہرا وباطنا فی الاوقات کلہا الا وقت المخافۃ فان اظہار الموالاۃ حینئذ جائز کما قال عیسیٰ کن وسطا وامش جانبا ۱۲

۲ جو شخص کہ اپنے مال کے سامنے (اسکی حفاظت میں) قتل کر ڈالا جائے وہ شہید ہے ۱۲

الا من اُکرِہَ وَقلبُہٗ مُطمَئِنٌّ بِالاِیمَانِ مسلمانوں کی اُس جماعت کے بارہ میں نازل ہوا ہے. جنکو کفار نے مرتد ہو جانے پر مجبور کیا تھا - اور وہ حضرت عمار اور اُنکے پدر بزرگوار یاسر اور اُنکی مادر گرامی سمیہ اور صہیب اور بلال اور خباب تھے - کفار نے ان لوگوں پر عذاب کیا اور حضرت عمار کے ماں باپ دونوں قتل کر ڈالے گئے - پس حضرت عمار نے اپنی زبان پر اُس کلمہ کو جاری کر لیا جسکے جاری کرنے کو وہ لوگ چاہتے تھے - بعد ازاں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی حضرت رسول خداؐ کو خبر کر دی پس ایک قوم نے کہا کہ عمار کافر ہو گئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ -

کلا ان عمارا ملئ ایمانا من قرنہ الی قدمہ واختلط الایمان بلحمہ ودمہ -	وہ ہرگز کافر نہیں ہوئے - عمار از سر تا پا ایمان سے مملو ہیں - اور ایمان اُنکے گوشت اور خون میں مخلوط ہو گیا ہے -

اور حضرت عمار حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ما ورائک - (تمہاری کیا خبر ہے) انہوں نے عرض کیا -

شر یا رسول اللہ ما ترکت حتی نلت منک و ذکرت الھتھم بخیر -	اے رسول خدا بری خبر ہے میں اسوقت تک نہیں چھوڑا گیا جب تک کہ آپ کی جناب میں کلمہ ناسزا نہیں کہا - اور اُنکے معبودوں کو خیر و خوبی کے ساتھ یاد نہیں کیا -

پس حضرت رسول خداؐ اُنکی دونوں آنکھیں پونچھنے لگے اور فرماتے تھے کہ -

ان عادوا لک فعدلھم بما قلت ﴾ اگر وہ تجھسے دوبارہ کہلائیں تو تم اسی کلمہ کو دوبارہ بھی کہہ دینا -

پس آیۂ شریفہ نازل ہوئی - اور یہ قول ابن عباس اور قتادہ سے منقول ہے - اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیۂ شریفہ اہل مکہ کی ایک جماعت کے بارہ میں نازل ہوا جو ایمان لائے تھے - اور مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکلے تھے - پس اُن کو قریش نے پالیا تھا اور اُن کو فتنہ میں ڈالا تھا اور اُنہوں نے مجبور ہو کر کلمہ کفر کو اپنی زبانوں پر جاری کیا تھا

اور یہ قول مجاہد سے منقول ہے ۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت عمار کے والدین یاسر و سمیہ پہلے دو شخص ہیں جو اسلام میں شہید ہوئے ۔ اور قول باری تعالیٰ من کفر باللہ اور مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مراد ہے، جو عامر بن لوی کی اولاد سے ہے اسکے بعد علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے آیہ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ

من کفر باللہ بأن یرتد عن الاسلام وشرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم الا من اکرہ فتکلم بکلمۃ الکفر علی وجہ التقیۃ مکرھا وقلبہ مطمئن ای ساکن بالایمان ثابت علیہ فلا حرج علیہ فی ذلک وقیل انہ یتصل بما تقدم ذکرنا ہ انما یفتری الکذب من کفر باللہ من بعد ایمانہ ثم استثنی من ذلک من اکرہ علی ذلک وکان مطمئن القلب الی الایمان فی باطنہ ذانہ بخلافہ ولکن من شرح بالکفر صدرا ای من اتسع قلبہ للکفر ثابت نفسہ بہ فعلیہم غضب من اللہ ولہ العذاب الاخرۃ (مجمع البیان ج ۱۴ ص ۲۰)

جو شخص ایمان کے بعد کافر ہو جائے بایں معنے کہ وہ اسلام سے پھر جائے اور کفر کو بخوشی خاطر اختیار کرے تو اُسپر خدا کا غضب ہوگا ۔ مگر جو شخص کہ مجبور کیا جائے اور وہ مجبور ہو کر کلمۂ کفر کو بر وجہ تقیہ اپنی زبان پر جاری کرے اور اُسکا دل ایمان پر ثابت ہو تو اُسپر اس بارہ میں کوئی حرج نہو گا ۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیہ شریفہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کا قول باری تعالیٰ انما یفتری الکذب الخ سے تعلق ہے اور معنے یہ ہیں کہ کذب و دروغ کا وہی شخص افترا کرتا ہے جو ایمان کے بعد کافر ہو جائے اور اس حکم سے وہ شخص مستثنےٰ ہے جو کفر پر مجبور کیا جائے اور اُسکا دل باعتبار باطن ایمان پر ثابت ہو تو اُسکا یہ حکم نہ ہوگا لیکن جس شخص کا دل اُسکے ساتھ خوش ہو گا تو اُن لوگوں پر غضب خدا اور اُنہیں پر آخرت میں عذاب نازل ہوگا ۔ انتہیٰ ملخصاً ۔

اور علامۂ زمخشری نے قول باری تعالیٰ ۔

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون { سوائے اسکے نہیں کہ جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۝ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ پارہ ۱۴ سورہ النحل

آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں جو بعد ایمان لانے کے خدا کا انکار کر جائے سوائے اُس صورت کے کہ اس پر جبر کیا گیا ہو در انحالیکہ اُسکا دل ایمان سے مطمئن ہو لیکن جو دل کھول کر کفر کرے پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بڑا عذاب (تیار) ہے۔

کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ کذب و دروغ کے مفتری وہی لوگ ہیں جو بعد ایمان کافر ہو جاتے ہیں اور اس کلیہ سے اُس شخص کو مستثنے فرمایا ہے جو اظہار کفر پر مجبور کیا جائے کہ ایسا شخص حکم افتراء سے خارج ہوگا۔

اس کے بعد خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی خوشی اور طیب خاطر سے کلمۂ کفر کو زبان سے جاری کرتے ہیں وہ غضب پروردگار کے ساتھ مخصوص ہیں یعنی جو لوگ بطیب خاطر اعتقاد باطل سے کلمۂ کفر کے ساتھ تکلم کرتے ہیں وہی غضب الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

اور اس مقام پر قاضی ناصر الدین بیضاوی اور دیگر مفسرین اہل سنت و جماعت نے اس آیۂ شریفہ کی شان نزول میں روایت کی ہے کہ کفار قریش نے حضرت عمار اور اُن کے پدر بزرگوار یاسر اور اُنکی مادر گرامی سمیہ کو اسلام سے برگشتہ اور مرتد ہو جانے پر مجبور کیا تھا اور سمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور ایک حربہ کو انکی مقام پیشاب گاہ میں داخل کر دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ تم نے مردوں کی محبت میں اسلام کو قبول کیا ہے پس اُنہوں نے سمیہ اور یاسر کو ہلاک کر دیا اور یہ دونوں بزرگوار پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام میں قتل کئے گئے ہیں۔ اور حضرت عمار نے اُسی کلمۂ کفر کو اُن لوگوں کے جبر و اکراہ سے اپنی زبان پر جاری کر دیا تھا جس کو کہ وہ چاہتے تھے۔ پس حضرت رسول خدا کی خدمت مبارک میں

کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ عمار کافر ہو گئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا وہ (عمار) ایمان سے سرتا پا مملو ہیں اور ایمان اُنکے گوشت اور خون میں سرایت کر چکا ہے۔ بعد ازآں حضرت عمار گریہ کرتے ہوئے حضرت سولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس حضرت نے اُن کی آنکھوں کے آنسو پونچھے اور ارشاد فرمایا کہ تم کو کیا خوف و خطر ہے۔ اگر وہ لوگ دوبارہ تم سے وہی کلمہ کہلانا چاہیں جسکو کہ تم اپنی زبانپر جاری کر چکے ہو تو تم پھر اُسی کلمہ کو اپنی زبانپر جاری کر دینا۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ حضرتؐ کا یہ ارشاد اس امر کی دلیل ہے کہ وقت اکراہ کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کر دینا جائز ہے اور قاضی صاحب موصوف نے قول باریتعالےٰ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَىٰ أَنَّ الْإِيمَانَ هُوَ التَّصْدِيقُ بِالْقَلْبِ } خداوند عالم کے اِس قول میں اس امر پر دلیل ہے کہ ایمان سے فقط تصدیق قلبی مراد ہے۔

اور اسیطرح مقام مذکور میں کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا داخل افترا بھی نہیں ہے جیسا کہ علامۂ زمخشری کا یہ قول۔

واستثنى منه المكره } اور مفتری کذب دروغ سے وہ شخص مستثنےٰ ہے جسپر جبر و اکراہ کیا گیا ہو۔ دلالت کرتا ہے۔ پس وہ حکم افترا میں داخل نہوگا۔ اور علامۂ مذکور نے قول باریتعالےٰ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ای طاب به نفسا واعتقده } یعنی کفر سے اُسکا دل خوش ہو اور اُسکا اعتقاد رکھتا ہو۔

کلمات مذکورۂ بالا پر نظر کرنے کے بعد ہر ایک شخص اِس نتیجہ تک ضرور ہو پہنچیگا کہ شریعت اسلام میں تا وقتیکہ کفر کا اعتقاد نہ ہوگا اُسوقت تک درحقیقت کفر صادق نہ آئیگا۔ اور وہ کفر دروغ جس کا وقت ضرورت ارتکاب فرض کیا جائے کفر و دروغ کے حکم سے مستثنےٰ اور ہر ایک قسم کی بُرائی سے معرا ہوگا۔

چوتھا امر حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ (پارہ ۲۴ سورۂ مؤمن) } اور فرعون کے کنبہ میں سے ایک مرد[1] مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کہا۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ مؤمن آل فرعون اپنے ایمان کو اپنے سینہ میں ازراہ تقیہ پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔

التقية من دينى و دين ابائى و لا دين لمن لا تقية له والتقية ترس الله فى الارض۔ } تقیہ میرے اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا اُس کا دین کامل نہیں ہے اور تقیہ زمین میں خدا کی سپر ہے۔

کیونکہ اگر مؤمن آل فرعون اسلام کو ظاہر کرتے تو قتل کر ڈالے جاتے۔

---

[1] ابن عباس سے منقول ہے کہ وہاں پر تین شخصوں کے سوا کوئی مؤمن نہ تھا۔ (۱) مؤمن آل فرعون جنکا جبرئیل یا حبیب نام ہے۔ (۲) زن فرعون۔ (۳) وہ مومن جس نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے اس قول سے ڈرایا تھا۔

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (پارہ ۲۰ سورۂ القصص) } اشراف قوم تمہارے قتل کے لئے باہم مشورہ کر رہے ہیں

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ (مؤمن آل فرعون) فرعون کے چچا زاد بھائی تھے اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے اور اقصائے مدینہ سے دوڑتے ہوئے آئے تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے ولیعہد تھے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے ایمان کو سو برس تک اُنکو پوشیدہ رکھا تھا اور وہ مجذوم تھے۔ اور انکی انگلیاں گر گئی تھیں اپنے دونوں ہاتوں سے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے۔

يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ } اے قوم میرا اتباع کرو میں تمکو راہ راست کی ہدایت کرونگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے مصاحب تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے اُنہوں نے ہی مادر حضرت موسیٰ کے لئے تابوت بنایا تھا جس میں انکی حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈالدیا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ سو برس تک فرعون کے خزانچی رہے بالآخر فرعون نے انکو قتل کروڈالا۔ ۱۲

اور قاضی بیضاوی نے قول باریتعالی وقال رجل مؤمن من آل فرعون کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ۔

من اقاربه وقیل متعلق لقوله یکتم ایمانه والرجل اسرائیلی او غریب موحد کان ینافقهم۔

اُس مؤمن نے کہا جو فرعون کے اقربا میں سے تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ فقرہ یکتم ایمانه سے تعلق ہے اور یہ شخص اسرائیلی ہے یا کوئی اجنبی جو انکے ساتھ بطور نفاق بسر کرتا تھا اتحاد

اور قاضی صاحب کی اس عبارت سے بھی مؤمن آل فرعون کا اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھنا اور آل فرعون سے کے ساتھ حالت نفاق میں زندگی کو بسر کرنا ثابت ہوتا ہے جس کا تقیہ کے جائز ہونے بلکہ پیش خدا اُسکے ممدوح ہونے پر دلالت کرنا بہت واضح ہے۔

صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے توراۃ کے بعض وہ فقرات جنکو خداوند عالم نے مناجات حضرت موسیٰ کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے اسطرح وارد کئے ہیں

واکتم مکنون سری فی سریرتك واظهر فی علانیتك المداراة عنی لعدوی وعدوك من خلقی ولا تستسب لی عندهم باظهارك مکنون سری فتشرك عدوك وعدوی فی سبی۔

تم میرے پوشیدہ راز کو اپنے دل میں چھپائے رکھو اور ظاہر میں میرے اور اپنے دشمن کے لئے مدارات کا اعلان کرو اور میرے پوشیدہ راز کو ظاہر کرکے تم اُس سبب نہ قرار پاؤ کہ میری سب و شتم میں میرے اور اپنے دشمن کے شریک ہو جاؤ۔

معلی بن خنیس نے حضرت امام جعفر صادق ع سے روایت کی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ۔

یا معلی اکتم امرنا ولا تذعه فانه من کتم امرنا ولم یذعه اعزه الله به فی الدنیا وجعله نورا بین عینیه فی الآخرة یقوده فی الجنة

اے معلی ہمارے امر کو پوشیدہ رکھو اور اُسکو شہرت نہ دو جو شخص کہ ہمارے امر کو پوشیدہ رکھیگا اور اُسکو مشہور نہ کریگا حق تعالیٰ اُسکو دنیا میں عزت عطا فرمائیگا اور آخرت میں اُسکی دونوں آنکھوں کے درمیان ایسا نور پیدا کریگا جو اُسکو بہشت کی طرف کھینچکر پہنچائیگا

یا معلی من اذاع امرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع النور من بین عینیہ فی الاخرۃ وجعلہ ظلمۃ یقودہ الی النار یا معلی ان التقیہ من دینی و دین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ۔ یا معلی ان اللہ یحب ان یعبد فی السر کما یحب ان یعبد فی العلانیۃ یا معلی ان المذیع لامرنا کالجاحد لہ	اے معلی جو شخص کہ ہمارے امر کو مشہور کریگا اور اسکو پوشیدہ نرکھیگا تو حق تعالے اسکو دنیا میں ذلیل کریگا اور آخرت میں اسکی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کو کھینچ لے گا اور اسکو ایسی تاریکی بدل دیگا جو اسکو دوزخ کی طرف کھینچ لے جائیگی اے معلی تقیہ میرے اور میرے آبا و اجداد کے دین میں داخل ہے اور جس شخص کے لئے کہ تقیہ نہیں ہے اسکے لئے دین بھی نہیں ہے اے معلے حق تعالے مخفی طور پر اپنی پرستش کئے جانے کو اسیطرح دوست رکھتا ہے جس طرح کہ ظاہر بظاہر اپنی پرستش کئے جانے کو دوست رکھتا ہے۔ اے معلے جو شخص کہ ہمارے امر کو مشہور کرتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو اسکا انکار کرتا ہے۔

کتاب المختصر میں کتاب الشفار والجلاء سے نقل کرکے بروایت معاویہ بن عماد جناب امام جعفر صادق ع سے ایک حدیث طویل کے ذیل میں منقول ہے۔

فلما انقضت نبوۃ ادم وفنی اجلہ اوحی اللہ الیہ قد انقضت نبوتک وفنیت ایامک فانظر الی اسم اللہ الاعظم وما علمتک من الاسماء کلہا واثرۃ النبوۃ وما یحتاج الناس الیہ	پس جبکہ حضرت آدم کی نبوت کا زمانہ منقضی اور اُنکی عمر کی مدت ختم ہوگئی تو حقتعالے نے انکی طرف وحی کی کہ تمہاری نبوت منقضی ہوگئی اور تمہاری عمر کے دن فنا ہوگئے تم خدا کے اسم اعظم اور ان جملہ اسماء کی طرف جو سب ہمنے تمکو تعلیم کئے ہیں اور آثار نبوت اور اُن چیزوں کی طرف جنکی لوگوں کو حاجت ہے نظر کرو

فادفعه الی شیث وامره ان یقبله بکتمان وتقیة من اخیه لئلا یقتله (الحدیث)

اور اُسکو شیث کے حوالہ کردو اور اُنکو حکم دو کہ اُسکو اپنے بھائی (قابیل) سے پوشیدہ رکھیں تاکہ وہ اُنکو قتل نکردے آہ انتہی ملخصاً

اور حضرت امام جعفر صادق ع نے ایک حدیث کی ضمن میں ہمارے ارشاد فرمایا کہ آیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سُنا ہے

فلا یعدون سری وسرک ثالثا الا کل سر جاوز اثنین شائع

ان کی مثل اور بھی بہت سے اخبار ہیں جنکا اس مقام پر وارد کرنا مناسب نہیں ہے۔

پانچواں امر حقتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔
پارہ ۲۰ سورۃ القصص

یہی وہ لوگ ہیں جنکو بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا دُہرا اجر دیا جائیگا۔ اور یہی بدی کو نیکی کے ذریعہ دفع کرتے رہتے ہیں۔

اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق ع سے منقول ہے کہ اُسمیں صبر سے تقیہ پر صبر کرنا اور حسنہ سے تقیہ اور سیئہ سے اذاعت (حدیث وغیرہ کا مشہور کرنا) مراد ہے اس مقام پر بعض علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ شاید اجر کے دو مرتبہ دیے جانے سے مراد ہو کہ دنیا میں سلامتی اور آخرت میں ثواب حاصل ہوگا یا ایک اجر اُس عمل کی عوض حاصل ہوگا جو ظاہر میں بطور تقیہ واقع ہوا ہے۔ اور دوسرا اجر اُس اعتقاد باطنی کے عوض حاصل ہوگا جو حق سے متعلق ہے۔

اور اس مقام پر لفظ حسنہ کی تفسیر میں تقیہ کا وارد ہونا اور سیئہ کی تفسیر میں اذاعت کا وارد ہونا اس امر کے منافی نہیں ہے کہ ان دونوں کی عفو اور افند کے ساتھ تفسیر کی جائے اسلئے کہ

ہ اس شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ پس چاہیئے کہ میرا اور تمہارا راز کسی تیسرے شخص تک سرایت نہ کرے۔ آگاہ ہو کہ ہر وہ راز جو دو سے تجاوز کرتا ہے شائع ہو جاتا ہے ۱۲

آیات قرآنیہ بیشمار معنوں کو متضمن ہیں جنکو اہل عصمت کی سوا کوئی شخص نہیں جانتا۔ اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ انکو صبر کے عوض دو مرتبہ اجر کے عطا ہونے سے یہ مراد ہے کہ انکو ایک اجر خود ان کے دین کے ساتھ تمسک کرنے کے عوض دیا جائیگا تا اینکہ انہوں نے حضرت رسول خدا صلعم کا ادراک کیا اور آپ پر ایمان لائے اور دوسرا اجر انکو حضرت پر ایمان لانے کے عوض عطا کیا جائیگا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انکے صبر کرنے سے پہلی کتاب اور دوسری کتاب پر صبر کرنا اور دونوں کتابوں کے احکام پر ایمان لانا مراد ہے اور یہی قول قتادہ کا منقول ہوا ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انکے صبر کرنے سے اپنے دین پر صبر کرنا اور کفار کی اذیت اور شقتوں کے تحمل کرنے پر صبر کرنا مراد ہے اور حسنہ کے ساتھ سیئہ کو دور کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ کلام حسن سے اس کلام قبیح کو دور کرتے ہیں جسکو وہ کفار سے سنتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ امر معروف سے امر منکر کو دفع کرتے ہیں اور یہی قول سعید بن جبیر سے منقول ہوا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ جاہل کے جہل کو حلم کے ساتھ دفع کرتے ہیں اور یہ قول یحییٰ بن سلام سے منقول ہے۔ اور اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ۔

ومعناه يدفعون بالمداراة مع الناس اذاهم من انفسهم وروي مثل ذلك ابي عبدالله عليه السلام	اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ تقیہ اور مداراۃ کرکے ان کی اذیت کو اپنے نفسوں کے دفع کرتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مثل اسی مطلب کے منقول[1] ہوا ہے۔

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک قول قبل ازیں مرقوم ہو چکا ہے۔ اور حضرت موصوف سے قول آیہ

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ { پارہ ۲۴ سورہ حم السجدہ } اور نیکی اور بدی تو برابر ہوتی نہیں۔

کی نسبت منقول ہوا ہے۔

اور اس آیۂ شریفہ کی اُس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جسکو ثقۃ الاسلام نے اُصول کافی میں بروایت درست واسطی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

ما بلغت تقیۃ احد تقیۃ اصحاب الکہف ان کانوا لیشھدون الاعیاد ویشدون الزنانیر فاعطاھم اللہ الاجر مرتین۔	کسی شخص کا تقیہ اُس حد تک نہیں پہونچا جس حد تک کہ اصحاب کہف کا تقیہ پہونچا تھا وہ لوگ اپنے مخالفین کے عیدوں میں حاضر ہوتے تھے اور زناروں کو (اپنے جسموں پر) باندھتے تھے پس حقتعالیٰ نے اُنکو دو مرتبہ اجر عطا فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۶) الحسنۃ التقیۃ والسیئۃ الاذاعۃ۔ } حسنہ سے تقیہ مراد ہے اور سیئہ سے اذاعت (راز کا افشا کرنا)

اور قول واجب تعالےٰ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ (پارہ ۱۸ سورہ المومنون) } (اے رسول تم بدی کو اُس چیز سے دفع کرو جو بہت ہی اچھی ہو۔) کی نسبت منقول ہوا ہے۔

التی ھی احسن التقیۃ فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم }

اور اس مقام پر بعض علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ فقرہ لا تستوی اگرچہ لفظوں میں خبر ہے لیکن باعتبار معنی حسنہ کے اختیار کرنے اور سیئہ کے ترک کرنے کا امر ہے اور حضرتؑ نے ان دونوں کی تقیہ اور اذاعت کے ساتھ اس لئے تفسیر فرمائی ہے کہ وہ دونوں (تقیہ واذاعت) حسنہ وسیئہ کے اعظم افراد میں منسلک ہیں۔ اور حضرتؑ کی اس حدیث میں کہ قول واجب تعالیٰ اَلَّتِی ھی احسن سے تقیہ مراد ہے لفظ سیئہ کی کوئی تفسیر منقول نہیں ہے۔ پس ممکن ہے کہ اس تفسیر کی بنا پر سیئے سے اذاعت بہ حدیث یا وہ ضرر مراد ہو جو ترک تقیہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ اور حسنہ کی تفسیر میں تقیہ کو حضرتؑ نے اس لئے بیان فرمایا ہے کہ تقیہ اُس (حسنہ) کے افراد میں داخل ہے۔ پس سابق میں حسنہ کی عفو وغیرہ کے ساتھ جو تفسیر کیگئی ہے وہ اس کے منافی نہوگی ۱۲۔

اور تقیہ کے جائز ہونے پر حضرات معصومینؑ سے بھی بہت سی اخبار منقول ہوئی ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد اُسکے جائز یا راجح ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر بعض اخبار کا وارد کرنا مناسب ہو۔

پہلی خبر ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

التقیۃ من دین اللہ	تقیہ دین خدا میں داخل ہو۔

مینے عرض کیا کہ کیا تقیہ دین خدا میں داخل ہے پس حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔

ای واللہ من دین اللہ وقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ماکان سقیما۔	خدا کی قسم وہ (تقیہ) دین خدا میں داخل ہو تحقیق کہ حضرت یوسف نے فرمایا تھا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو بخدا کہ اُنھوں نے کوئی چیز چُرائی نہ تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوں بخدا کہ وہ بیمار نہ تھے۔

بعض علماء نے اس حدیث شریف کی شرح میں جو کچھ فرمایا ہے اُسکا حاصل یہ ہے کہ تقیہ کو حقتعالی نے دین اسلام میں اس لئے داخل کیا ہے کہ ہر زمانہ میں اکثر مخلوقات نے بدعت اور دین حق کی مخالفت کو اپنا شیوہ قرار دیا ہے لہذا حقتعالی نے اپنے خالص بندوں کے لئے اُن کے نفسوں اور اُنکی جانوں اور اُنکی آبرؤں اور اُنکے مالوں وغیرہ کی حفاظت کے لئے تقیہ کو مقرر فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو دین خدا بالکلیہ باطل ہو جاتا اور اہل ایمان باقی نہ رہتے۔ پس تقیہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اُسکی وجہ سے دین اسلام باقی رہتا اور اہل حق محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اہل حق کو حضرت امیر المومنینؑ کی سب و شتم پر مجبور کرتا ہے اور وہ حضرت کی سب و شتم کو اختیار کرکے اپنے آپ کو اسکے ضرر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور حضرت کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہیں یا کوئی شخص اُنکو وضو میں پاؤں دھونے پر مجبور کرتا ہو اور وہ اعتقاد

رکھتے ہیں کہ حکم شریعت اس مقام پر مسح پا ہے پس اگر ان موارد میں تقیہ مشروع نہ ہوتا تو وہ (اہل حق) ہلاک ہو جاتے اور دین حق رفتہ رفتہ نیست و نابود ہو جاتا اسی لئے عقائد میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ از قبیل اسرار ہیں جن پر حقتعالے کے سوا کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا اور حضرتؑ نے اس حدیث شریف میں تقیہ کے دین خدا ہونے پر دو چیزوں کے ساتھ استدلال فرمایا ہے۔

اول قول حضرت یوسفؑ کہ آپنے قافلہ والوں کو سارق فرمایا حالانکہ وہ در اصل سارق نہ تھے اِس لئے کہ یہ کلام بمصلحت صادر ہوا تھا جسکو وہی بہتر جانتے تھے اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اُس (مصلحت) سے اپنے بھائی کا روک لینا مطلوب تھا جبکہ کسی وجہ سے حقتعالیٰ نے اُنکو مامور فرمایا تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُنپر لفظ سارق کا محض اسلئے اطلاق کیا گیا ہو کہ مال غیر اُن کے سامان میں برآمد ہوا تھا جسکی وجہ سے اُن کو سارق سے مشابہت حاصل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت نے اپنے اس کلام میں توریہ کیا ہو اور مراد یہ ہو کہ تم نے یوسف کا اُن کے پدر بزرگوار سے سرقہ کیا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیۂ مبارکہ سے فقط تقیہ کے جائز ہونے پر استشہاد کرنا مقصود ہے۔

دوم قول حضرت ابراہیمؑ کہ آپ نے اپنے کو بیمار فرمایا حالانکہ آپ در اصل بیمار نہ تھے اور غرض یہ ہے کہ آپنے اس کلام میں توریہ فرمایا تھا اور بیمار ہونے سے اپنے محزون ہونے کو مراد لیا تھا۔ اس لئے کہ آپ کی قوم بتوں کی پرستش کرتی تھی اور حق سے عناد رکھتی تھی جسکی وجہ سے آپ محزون رہتے تھے۔ یا آپکو نجوم پر نظر کرنے سے حضرت امام حسینؑ کے شہید ہونے کا علم حاصل ہوا تھا جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے اور محتمل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ مراد ہو کہ وہ آیندہ بیمار ہونے والے ہیں اور حضرت نے اس حدیث میں تقیہ پر اس لئے استدلال فرمایا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو درحقیقت اُن کی

ہمراہ جانا منظور نہ تھا جسکو آپ نے بوجہ خوف تقیتہً ظاہر نفرمایا اور اپنے نہ جانیکی وجہ میں اپنے سقیم ہونے کو بیان فرمایا۔ اور علامہ طریح نجفی نے آیہ شریفہ انی سقیم کے ذیل میں تحریر فرمایا ہو کہ۔

إِنِّي سقيم اي سقم ويقال هو من
معاريض الكلام وربما نوى به
ان من كان اخره الموت سقيم
وفي حديث الباقر والصادق عليهما السلام
انهما قالا والله ما كان سقيما و
ما كذب وقيل استدلال
بالنظر في النجوم الحمى كانت تأتيه
وكان زمانه زمان
نجوم وقيل
ان ملكهم ارسل
اليهم ان غدا عيدنا
ناخرج معنا فاراد التخلف
عنهم فنظر الى النجم
فقال هذا النجم لا يطلع
الا اسقم وقيل انى سقيم
برؤية عبادتكم غير الله۔

سقیم ہونے سے یہ مراد ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونگا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ کلام از قبیل توریہ ہے اور غرض یہ تھی کہ جس شخص کا آخر موت ہے وہ بیمار ہے۔ اور حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہو کہ بخدا وہ بیمار نہ تھے۔ اور اُنہوں نے دروغ بھی نہیں فرمایا اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آپنے نجوم میں نظر فرما کر اُس تپ پر استدلال کیا تھا جو حضرت کو آیا کرتی تھی اور آپ کا زمانہ نجوم کا زمانہ تھا اور بعض لوگوں نے کہا ہو کہ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ کل کو ہماری عید ہے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے اور آپکو اُن کے ساتھ جانا منظور نہ تھا پس آپنے ایک ستارہ کی طرف نظر کی اور فرمایا کہ یہ ستارہ جب نکلتا ہے میں بیمار ہو جاتا ہوں اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرتؑ کی مراد یہ تھی کہ میں تمہارے اس امر کو دیکھکر بیمار ہوں کہ تم غیر خدا کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری خبر ثقۃ الاسلام نے کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہو کہ آپنے ارشاد فرمایا۔

ان تسعة اعشار الدين فى التقية لا دين لمن لا تقية له والتقية فى كل شئ الا فى النبيذ والمسح على الخفين۔	دین کی دس چیزوں میں سے نو چیز تقیہ میں ہیں۔ جس شخص کے لئے تقیہ نہیں ہے اُسکے لئے دین بھی نہیں ہے اور نبیذ کے استعمال کرنے اور موزوں پر مسح کرنیکے سوا ہر ایک چیز میں تقیہ ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حق اور اہل حق کو باطل اور اہل باطل سے وہ نسبت ہے جو ایک کو دس سے نسبت ہو یعنی کہ اگر ایک حصہ بے تقیہ کے فرض کیا جائے جو اہل حق کے ساتھ مخصوص ہے تو نو حصے اہل باطل کے فرض کئے جائینگے جنھیں تقیہ کرنا مناسب ہے پس اہل حق کے لئے اہل باطل کے ساتھ اُس زمانہ میں مماشاۃ کرنا لازم ہوگا جبکہ اُن کے تسلط اور غلبہ کا دورہ فرض کیا جائے تاکہ وہ (اہل حق) اُنکی شرارت سے محفوظ رہیں اور اس حدیث شریف میں جو لا دین لمن لا تقية له مذکور ہوا ہے اُس سے اصل دین کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کمال دین کی نفی مقصود ہے چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص تقیہ پر عمل نہیں کرتا اُسکا ثواب اُس شخص کے عمل سے کم ہوتا ہے جو تقیہ پر عمل کرتا ہے لکن وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور تقیہ پر عمل کا واجب ہونا اور ترک تقیہ کی صورت میں گنہگار ہونا اصل ایمان کے منافی نہیں ہے اگرچہ کمال ایمان کے منافی ہے۔ اور حضرت نے جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ والتقية فى كل شئ اس سے یہ مراد ہے کہ اُس (تقیہ) پر عمل کرنا فقط احکام اور اعمال دینیہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ افعال عرفیہ میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے اہل باطل کے ساتھ میل جول کرنا۔ اُنکے مریضوں کی عیادت کرنا۔ اُنکے جنازوں کی مشایعت کرنا وغیرہ۔ چنانچہ ہشام کندی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق ؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ۔

ایاکم ان تعملوا عملاً یعیّر بنا فان ولد السوء یعیّر | تم ایسا عمل ہرگز نہ کرنا جسکی وجہ سے ہم ملامت کیے جائیں اسلئے کہ برے لڑکے کی بد فعالی کی

والدہ بجماله کونوا لمن انقطعتم الیه زینا ولا تکونوا علیه شینا صلوا فی عشائرهم وعودوا مرضاهم واشهدوا جنائزهم ولا یسبقونکم الی شیء من الخیر فانتم اولی به منهم واللہ ما عبد اللہ بشیء احب الیه من الخباء قلت وما الخباء قال التقیة	وجہ سے اسکے باپ کو عیب لگایا جاتا ہے تم جس شخص کی طرف کہ رجوع کرتے ہو اسکے لئے سبب زینت قرار پاؤ اور اُسکے لئے موجب عیب نہو اُن کی قبیلوں میں نماز پڑھو اور اُن کے بیماروں کی عیادت کرو اور اُنکے جنازوں میں حاضر ہو اور وہ تم سے کسی بھلائی میں سبقت نکریں کیونکہ تم بہ نسبت اُن کے نیکی بجالانے کے لئے بہتر ہو بخدا حق تعالیٰ اُسکی ایسی چیز کے ساتھ پرستش نہیں کیا گیا جو خباء سے بہتر ہو۔ ہشام کندی کہتے ہیں میںنے عرض کی کہ خباء کیا چیز ہے حضرت نے فرمایا کہ تقیہ۔

اور حدیث شریف میں جو نبیذ کے استعمال کرنے اور موزوں پر مسح کرنے کا تقیہ کی استثنا کیا گیا ہے اُسکی نسبت شہید اول علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ اُنہوں نے اپنی کتاب ذکریٰ میں اسکی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اہل باطل ان دونوں کو ضروری نہیں قرار دیتے بلکہ اُنہیں کے اکثر لوگ سکر کو حرام سمجھتے ہیں اور پاؤں کے دھونیکو مسح کرنیکی بہ نسبت اولے جانتے ہیں پس اُن کے نزدیک موزے کا اُتارنا اور پاؤں کا دھونا بہ نسبت اسکے بہتر ہے کہ موزے ہی پر مسح کرلیا جائے اب اگر شاذ و نادر اسمیں بھی کسی قسم کے ضرر کا خوف فرض کیا جائے تو تقیہ جائز ہوگا۔ اور جناب شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ ان دونوں میں تقیہ اس لئے نہیں ہے کہ یہاں پر جو مشقت فرض کیجاتی ہے وہ بہت کم ہے۔ اور اُسکی وجہ سے نفس یا مال پر کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

اور اگر نفس یا مال کا خوف فرض کیا جائے تو تقیہ جائز ہو گا۔

ور بعض علماء سے منقول ہوا ہے کہ ان دونوں میں تقیہ کرنا سزاوار نہیں ہے اگرچہ
ر عظیم یا حاصل ہوتا وقتیکہ ہلاکت کا خوف نہ ہو۔

بعض علماء سے منقول ہوا ہے کہ اس مقام پر تقیہ نہ کرنا مفید نہیں ہے کیونکہ ان دونو ںکا
معروف ہے۔ ھذا ما قاله بعض الاعلام فی شرح الحدیث اورد ناہ بتغییر یسیر
البین۔

مقام پر جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا مضمون وراخبار میں
وارد ہوا ہے جیسے قول معصوم علیہ السلام۔

ثة لا اتقی فیهن احدا المسح علی الخفین
شـرب النبیذ
متعـة الحج۔

تین چیزیں ایسی ہیں کہ میں اُنمیں کسی سے تقیہ نہیں کرتا
ایک تو موزوں پر مسح کرنا دوسرے نبیذ کا پینا
تیسرے متعۃ الحج۔

سری خبر عبد اللہ بن ابی یعفور نے حضرت امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے کہ

نوا علی دینکم واحجبوه بالتقیة
لا ایمان لمن لا تقیـة له انما
نتم فی الناس کالنحل فی الطیـر
ان الطیـر لو یعلم ما فی اجواف
نحل ما بقی منها شیئ الا اکلته
ن الناس علموا ما فی
جوافكم انكم تحبون اهل البیت
لاكلوكم بالسنتهم
ولنحلوكم فی السر
والعلانیـة

تم اپنے دین پر ڈرو اور اسکو تقیہ کے ساتھ پوشیدہ کرو
کیونکہ اُس شخص کے لئے ایمان نہیں ہے جسکے لئے
تقیہ نہیں ہے۔ تم لوگوں میں اُسی قدر ہو جسقدر کہ
پرندوں میں مگس شہد ہے۔ اگر پرندوں کو وہ چیز
معلوم ہو جائے جو مگس شہد کے شکم میں ہے تو وہ
(پرندے) اُن (مگس شہد) کو بالکل کھا جائیں تا اینکہ
اُن میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اور اگر لوگ اس چیز
کو معلوم کرلیں جو تمہارے دلوں میں ہے کہ تم اہلبیت
دوست رکھتے ہو تو وہ تمکو اپنی زبانوں سے کھا جائیں
(یعنی اذیت پہونچائیں) اور ظاہر و باطن میں تمکو

رحم اللہ عبدا منکم کان علی ولایتنا۔

بری چیزوں کی طرف منسوب کریں۔ خدا رحم کرے تم میں سے اُس بندہ پر جو ہماری ولایت پر ثابت ہو

چوتھی خبر حبیب بن بشر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ۔

سمعت ابی یقول لا واللہ ما علی وجه الارض شیء احب الی من التقیة۔ یا حبیب انه من کانت له تقیة رفعه اللہ یا حبیب من لم تکن له تقیة وضعه اللہ یا حبیب ان الناس انما هم فی هدنة فلو قد کان ذلک کان هذا۔

میں نے اپنے پدر بزرگوار کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قسم بخدا روئے زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میرے نزدیک تقیہ سے زیادہ محبوب ہو۔ جس شخص کے لئے تقیہ ہوگا خدا اُسکو بلند کریگا۔ اے حبیب جس شخص کے لئے تقیہ نہ ہوگا خدا اُسکو پست کریگا۔ اے حبیب اہل ایمان کو فی زمانہ اہل باطل کے ساتھ آشتی کے ساتھ رہنا مناسب ہے پس اگر زمانہ آشتی رہا تو تقیہ بھی ہوگا۔

اس حدیث میں حضرت نے بیان فرمایا ہے کہ اہل ایمان کے لئے اس زمانہ میں اہل باطل کے ساتھ تقیہ میں بسر کرنا مناسب ہے پس جبتک یہی صورت باقی رہیگی تقیہ بھی باقی رہیگا اور جبکہ دولت حق کا ظہور ہوگا تو تقیہ بھی برطرف ہو جائیگا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ زمانۂ رجعت تک مؤمنین کو تقیہ میں بسر کرنا ممدوح ہے۔

اور اخبار سابقہ کے علاوہ بھی بہت سے اخبار منقول ہیں جنسے تقیہ کا راجح یا واجب ہونا مستفاد ہوتا ہے اور ان اخبار کا ظاہر یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ تقیہ کرنا مطلقاً ممدوح ہے اگرچہ ایسی صورت کے اختیار کرنے پر قدرت بھی حاصل ہو جس سے تقیہ کرنے کی نوبت آئے بلکہ بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کرنے کی عادت کا بہم پہونچانا بلا وجہ بھی ممدوح ہے چنانچہ جناب شیخ مرتضیٰ رحمہ نے فرمایا ہے لا ریب فی تحقیق التقیة مع الخوف ﴿ جبکہ کسی خاص شخص کی نسبت خوف ہو تو ...

الشخص بان يخاف على نفسه
وغيره من ترك التقية
في خصوص ذلك العمل
ولا يبعد ان يكتفي بالخوف
من بنائه على ترك التقية
في سائر اعماله او بناء
سائر الشيعة على تركها
في العمل الخاص او مطلق
العمل النوعي في بلاد
المخالفين وان لم يحصل
للشخص بالخصوص خوف
وهو الذي يفهم من
اطلاق اوامر التقية
وما ورد من الاهتمام
فيها ويؤيده بل يدل
عليه اطلاق قوله ليس منا من لم يجعل التقية
شعاره ودثاره مع من يأمنه لتكون سجية
له مع من يحذره۔

ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے خواہ اس
عمل میں تقیہ کے ترک کرنے سے اُس شخص کو اپنے
نفس پر خوف ہو یا کسی دوسرے شخص کے نفس پر
اور یہ امر بعید نہیں ہے کہ حصول خوف میں اسقدر پر
اکتفا کرنا صحیح ہو کہ اگر یہ شخص یا تمام شیعہ تقیہ کو چھوڑنے
پر اپنے جملہ افعال میں بنا کر لینگے تو ضرر کا اندیشہ
ہوگا جبکہ اہل خلاف کے شہروں میں موجود ہوتا
فرض کیا جائے خواہ کسی عمل خاص میں ایسا ہو یا
مطلق عمل میں اگرچہ بالخصوص اس شخص کے لئے
کسی قسم کا خوف نہ بھی حاصل ہو اور یہی وہ مضمون
ہے جو اوامر تقیہ کے اطلاق سے مفہوم ہوتا ہے
یا اُس اہتمام سے معلوم ہوتا ہے جو اُس (تقیہ)
میں منقول ہوا ہے اور اسی مطلب کی حضرتؑ کے
قول کا اطلاق تائید کرتا بلکہ اُسپر دلالت کرتا ہے
ہم میں سے وہ شخص نہیں ہے جو تقیہ کو اُن لوگوں کے
ساتھ جنسے کہ اسکو کسی قسم کا خوف نہیں ہے اپنا
شعار و دثار قرار نہ دے تاکہ اسکی یہی عادت اُن
لوگوں کے ساتھ بھی باقی رہے جنسے کہ یہ خوف کرتا ہے

اخبار مذکورہ کے اطلاق سے وہ صورت باتفاق علماء خارج ہے جو نفس محترم کی
خونریزی سے متعلق ہو کہ ایسے مقام پر اپنے نفس کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا
انسان پر کسی نفس محترم کے قتل کر ڈالنے پر مجبور کیا جائے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے

ایسی صورت میں تقیہ کا جائز نہ ہونا منقول ہوا ہے حضرتؑ فرماتے ہیں کہ۔

انما جعلت التقیۃ لیحقن بها الدم فاذا بلغ الدم فلیس تقیۃ

تقیہ اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اُس کے ذریعے نفس محترم کا خون محفوظ کیا جائے۔ پس جبکہ خونریزی تک پہونچنا فرض کیا جائے تو تقیہ جائز نہ ہوگا

اور اس مطلب میں بظاہر کسی شخص نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مقام میں چارہ و تدبیر ممکن ہو تو وہاں بھی تقیہ کرنا ممدوح نہ ہوگا۔

تنبیہ چارہ و تدبیر کے نہ ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) وقت عمل اُس کی موافق واقع (مصادر) کرنے پر قادر نہ ہونا۔ پس اگر وضو میں کف دست سے پانی کو کہنی تک بہانے پر قدرت رکھتا ہو اور جس وقت کہ وہ (پانی) کہنی سے کفِ دست کی طرف رجوع کرے تو ہاتھ کے دھونے کی نیت کر سکتا ہو تو ایسے وقت میں تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ صورت مذکورہ میں راہِ چارہ و تدبیر کا موجود ہونا مفروض ہے جناب شیخ فرماتے ہیں کہ۔

بل التقیۃ علی هذا الوجه غیر جائزة فی غیر العبادات ایضا وکانه لا خلاف فیه

بلکہ اس وجہ پر تقیہ کرنا غیر عبادات میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور مستفاد یہ ہے کہ اس میں خلاف نہیں ہے۔

(۲) عمل مفروض کے بجالانے کا اُس مخصوص وقت میں جو اُس (عمل) کے لئے مقرر کیا گیا ہے ممکن نہ ہونا۔ پس اگر ادائے نماز کے لئے اُس نماز کے وقت معین میں کسی مقام امن میں چلے جانے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے وقت میں تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ صورت مذکورہ میں راہ چارہ و تدبیر کا موجود ہونا مفروض ہے لیکن ایسے چارہ و تدبیر کا موجود ہونا تقیہ کے جائز یا راجح ہونے میں قدح نہیں کر سکتا۔ جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ اس صورت کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

الظاهر عدم اعتباره لان حمل اخبار الاذن فی التقیة فی الوضوء والصلوٰة علی صورة عدم التمکن من اتیان الحق فی مجموع الوقت مما یاباه ظاهر اکثرها بل صریح بعضها ولایبعد یضا کوده ... فاقیا

ظاہر یہ ہے کہ اسکا اعتبار نہیں ہے کیونکہ جن اخبار سے وضو اور نماز میں تقیہ کرنیکی اجازت مستفاد ہوتی ہے۔ اُن (اخبار) کے اُس صورت پر محمول کرنے سے جہاں مجموع وقت میں حق کے بجالانے پر قدرت نہو اکثر اخبار کا ظاہر بلکہ بعض اخبار کا صریح منافی قرار پاتا ہے اور اس امر کا اتفاقی ہونا بھی بعید نہیں ہے۔

(۳) عمل مفروض میں موضوع امن کے ساتھ موضوع تقیہ کے بدل دینے پر قدرت کا حاصل نہ ہونا۔ پس اگر کوئی شخص اُن (گروہ مخالفین) کے بازار یا مسجد میں موجود ہو اور وہاں پر اُس (عمل) کا موافق واقع ادا کرنا ممکن نہ ہو لیکن کسی دوسری خالی جگہ پر جا سکتا ہو یا وہاں سے مخالف کو کسی بہانہ سے نکال سکتا ہو تا کہ وہ (مخالف) سکو دیکھ نہ سکے تو ایسے وقت میں تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ صورت مذکورہ میں راہ چارہ و تدبیر کا موجود ہونا مفروض ہے لیکن ایسے چارہ و تدبیر کا موجود ہونا بھی تقیہ کے جائز یا راجح ہونے میں قادح نہو گا اس لئے کہ اخبار تقیہ سے مخالفین کے نعال متعارفہ میں اُس (تقیہ) پر عمل کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے اور اُن (مخالفین) سے مزاحمت کرنا ثابت نہیں ہوتا اور تقیہ بھی اسی بنیاد پر تجویز کیا گیا ہے کہ شیعوں کے لئے اپنے اُمور میں آسانی ہو اور عسر و حرج لازم نہ آئے لیکن بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کرنا فقط اُسی شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو بغیر اُسکے کوئی حیلہ توریہ یا چارہ و تدبیر نہ کر سکتا ہو۔ پس اگر موضوع تقیہ کا بدل دینا یا صحت عمل کے لئے تقیہ کے علاوہ کسی صورت کا پیدا کر لینا ممکن ہوگا تو تقیہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس مقام پر بعض اخبار کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

(۱) التقیة فی کل شیٔ یضطر الیه ابن آدم فقد احله الله۔

ہر ایسی چیز میں تقیہ کرنا مشروع ہے جسکی طرف آدمی مضطر ہوتا ہے پس خدا نے اُسکو مباح کر دیا ہے

(۲) وہ مکاتبہ ہے جو حضرت امام محمد تقی عٔ کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا اور حضرت کی طرف سے اُسکا جواب صادر ہوا تھا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ساتھ تقیہ کرنا اُسی صورت میں صحیح ہوگا جبکہ بغیر تقیہ کے کسی عمل کا بجا لانا متعذر و دشوار ہو۔ چنانچہ ابراہیم بن شیبہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے حضرت کی خدمت میں اس مضمون کا ایک عریضہ جاری کیا جسمیں اُس شخص کے ساتھ نماز میں اقتدا کرنا پوچھا گیا تھا جو حضرت امیرالمؤمنین عٔ کی ولایت کا قائل ہوا اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز جانتا ہو یا کوئی شخص موزوں پر مسح کرنے کو حرام جانتا ہوا اور پھر مسح کرتا ہو۔ پس حضرت نے اُسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

ان جامعك وایاهم موضع لاتجد بدا من الصلوٰة معهم فاذن لنفسك فاقم فان سبقك الی القرأة فسبح

اگر کسی ایسے مقام پر تم اُن لوگوں کے ساتھ جمع ہو جاؤ جہاں پر تمکو بغیر اس کے کہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو کوئی چارہ نہو تو تم اپنے لئے اذان و اقامت کہو اگر وہ قرأت کی طرف تم سے پہلے سبقت کر جائے تو تم تسبیح پڑھتے رہو۔

جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس خبر کا ظاہر یہ ہے کہ تقیہ کرنے میں اگر ساتھ نماز کے ترک کرنے کا متعذر ہونا معتبر ہے اور یہ کہ بغیر تعذر اُس (نماز) کے ہمراہ مخالفین کے پڑھنے میں تقیہ کرنا درست نہیں ہے۔ انتہی بحاصلہ۔

(۳) وہ روایت مرسلہ ہے جو حضرت امام موسیٰ کاظم عٔ سے منقول ہوئی ہے۔

ولا تصل خلف احد الا خلف رجلین احدهما من تثق به وبدینه وورعه واٰخر من تتقی سیفه وسوطه وشره

تم دو شخصوں کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو ایک وہ شخص جسکے دین اور پرہیزگاری پر تمکو وثوق ہو دوسرے وہ شخص جسکی تلوار اور کوڑہ اور اُسکی بدی

ورواتقة وشيعته فصل خلفه على سبيل التقية والمداراة واذن لنفسك واقم واقرأ بها فانه غير مؤتمن به الحديث	اور اُس کے فتنوں اور اُسکے اتباع سے ڈرتے ہو پس اُس شخص کے پیچھے ازراہ تقیہ نماز پڑھو اور اپنے لئے اذان واقامت کہو اور نماز میں قرأت کرو اس لئے کہ وہ امین نہیں ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

(۴) معمر بن یحییٰ کی وہ روایت ہے جو اموال کے رہا کرانے کی نسبت وارد ہوئی ہے۔

كلما خاف المومن على نفسه فيه الضرر فله فيه التقية	جس چیز میں کہ مومن اپنے نفس پر ضرر کا اندیشہ کرتا ہو تو اس کے لئے اُس میں تقیہ ہے۔

(۵) وہ روایت ہے جو حضرت امام محمد تقی سے دعائم الاسلام میں مرقوم ہوئی ہے۔

لا تصلوا خلف ناصب ولا كرامية الا ان تخافوا على انفسكم ان تشهروا ويشار اليكم فصلوا في بيوتكم ثم صلوا معهم واجعلوا صلوتكم معهم تطوعاً	تم کسی ناصب یا فرقہ کرامیہ کے ساتھ نماز میں اقتدا نکرو مگر یہ کہ تم اپنے نفسوں پر مشہور ہونے یا مشار الیہ ہونے سے خوف کرو پس تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بعد ازآں اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔ اور حکم ہے کہ اُن کے ساتھ ادا کرو اُسکو سنتی نماز قرار دیدو۔

روایات کو نقل کرنے کے بعد جناب شیخ مرتضےٰ اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان رکا ظاہر یہ ہے کہ تقیہ کرنا اُسی وقت صحیح ہوگا جبکہ انسان مضطر ہو اور اضطرار اُسوقت نہیں دق آتا جبکہ اُس (انسان) کے لئے موضوع تقیہ کے بدل دینے پر قدرت ہو یا ایسے مقام ن کیطرف جاسکتا ہو جہاں پر عبادت کو بدون تقیہ بجالا سکتا ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر اس کے التزام کرنے میں کسی قسم کا ضیق لازم آئے۔ جس سے مخالفین کا تجسس کرنا اور اُسکی حالت کا منکشف ہوجانا مراد ہے تو یہ صورت بھی داخل اضطرار ہوگی پھر فرماتے ہیں

بالجملة فمراعاة عدم المندوحة في الجزء من الزمان الذي يوقع فيه الفعل	خلاصہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں کہ یہ شخص فعل کو واقع کرنا چاہتا ہے اُسمیں چارہ و تدبیر کے نہ ہونیکا اعتبار کرنا

اقویٰ مع انہ احوط نعم تاخیر الفعل عن اول وقتہ بتحقق الامن ارتفاع الخوف مما لا دلیل علیہ بل الاخبار بین ظاہر و صریح فی خلافہ۔

اقویٰ اور احوط ہے ہاں اول وقت سے فعل کا اس لئے مؤخر کرنا کہ امن حاصل ہو اور خوف مرتفع ہوئے دلیل ہے بلکہ اخبار کا ظاہر و صریح اس مطلب کے خلاف پر دلالت کرتا ہے۔ انتہیٰ ملخصاً

بہر حال آیات و روایات اور علماء فریقین کے کلمات سے تقیہ کا وجود شرائط کی صورت میں جائز اور راجح ہونا اور عدم شرائط کی صورت میں مرجوح بلکہ ناجائز ہونا ثابت ہوا اس مقام پر جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اما المستحب من التقیۃ فالظاہر وجوب الاقتصار فیہ علی النص وقد ورد النص بالحث علی المعاشرۃ مع العامۃ وعیادۃ مرضاھم وتشییع جنائزھم والصلوۃ فی مساجدھم والاذان لھم فلا یجوز التعدی عن ذلک الی مالم یرد النص من الافعال المخالفۃ للحق کذم بعض رؤساء الشیعۃ للتحبب الیھم وکذلک المحرم والمباح والمکروہ فان ھذہ الاحکام علی خلاف عمومات التقیۃ فیحتاج الی الدلیل الخاص۔

اور تقیہ مستحب میں ظاہر یہ ہے کہ وہاں نص پر اقتصار کرنا واجب ہے اور نص میں مخالفین کے ساتھ معاشرت کرنے اور اُنکے بیماروں کی عیادت کرنے اور اُنکے جنازوں کی مشایعت کرنے اور اُنکی مسجدوں میں نماز پڑھنے اور اُنکے لئے اذان دینے کی حث و ترغیب وارد ہوئی ہے پس امور مذکورہ سے دیگر اُن افعال کی طرف جو مخالف حق ہیں تجاوز کرنا جائز نہ ہوگا جیسے بعض رؤسائے شیعہ کی مذمت کرنا تاکہ اُن (مخالفین) سے دوستی پیدا کیجائے اور فعل حرام اور مباح اور مکروہ کا بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ وہ احکام ہیں جو عمومات تقیہ کے خلاف ہیں پس اُن کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہوگی۔ انتہی ملخصا

اقسام تقیہ کے علماء اعلام نے تقیہ کو پانچ قسموں پر منقسم کیا ہے۔

پہلی قسم واجب اور اس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں نفس محترم کو لیے ضرر سے محفوظ رکھنا مطلوب ہو جس کا دفع کرنا لازم ہے ایسی صورت میں ہر ایک فعل واجب کا ترک کرنا اور ہر ایک فعل حرام کا بجالانا مباح ہو جاتا ہے اس لئے کہ ضرر کا دفع کرنا واجب ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ مضطر سے مواخذہ کرنا صحیح نہیں ہے جیسے حدیث مشہور
رفع[1] عن امتی تسعۃ اشیاء } میری امت سے نو چیزیں برطرف کی گئی ہیں۔
دلالت کرتی ہے۔

[1] یہ حدیث خصال و توحید میں بلفظ رفع عن امتی اہ وارد ہوئی ہے۔ اور اصول کافی کے آخر باب لکفر والایمان میں بلفظ وضع عن امتی اہ منقول ہوئی ہے۔
اور جناب شیخ رہ نے اسکو رسائل میں بھی وارد کیا ہے۔ اور بعض الفاظ میں فی الجملہ تعرفہ بھی ہے جیسا کہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔
اصول کافی میں یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسطرح منقول ہوئی ہے۔

قال رسول اللہ ص وضع عن امتی تسعۃ اشیاء	جناب رسول خدا ص نے ارشاد فرمایا کہ میری امت سے نو چیزیں برطرف کی گئی ہیں۔
الخطاء والنسیان و	(۱) خطا (۲) نسیان (بھول چوک)
مالا یعلمون و	(۳) جو چیز نہ جانتے ہوں۔
مالا یطیقون و	(۴) جس چیز کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔
ما اضطروا الیہ و	(۵) جس چیز کی طرف مضطر ہوں۔
ما استکرھوا علیہ و	(۶) جس چیز پر مجبور کئے جائیں۔
لطیرۃ و	(۷) بدشگونی۔
لوسوسۃ فی التفکر فی الخلق و	(۸) پیدائش عالم میں فکر کرنے سے جو وسوسہ پیدا ہو
الحسد مالم یظھر بلسان او بید	(۹) حسد تا وقتیکہ زبان یا ہاتھ سے ظاہر ہو ۱۲

دوسری قسم مستحب ہے اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں سر دست ضرر کا خوف نہ ہو لیکن آیندہ اُس (ضرر) کے پیش آجانے کا اندیشہ ہو جیسے گروہ مخالفین سے مدارات کا ترک کرنا۔ اُن کی صحبت سے پرہیز کرنا اس لئے کہ ایسی صورت میں اُن (گروہ مخالفین) سے مباینت کے پیدا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے جو موجب ضرر ہے ہاں باختلاف اشخاص و احوال اُس (تقیہ) کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں اس مقام پر شہید اول علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ قسم مستحب وہ ہے جہاں سر دست ضرر نہ ہو اور آیندہ اُسکا ضرر متوہم ہو یا ایسا ضرر خفیف پیش آتا ہو جسکا تحمل آسان ہو یا کسی مستحب کام میں تقیہ کا اختیار کرنا فرض کیا جائے جیسے تسبیح جناب سیدہؑ کی ترتیب یا فصول اذان میں سے بعض کا حذف۔

تیسری قسم مباح ہے اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں کسی کام کا بجالانا یا ترک کرنا نظر شارعؑ میں مساوی ہو جیسے کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا۔ جناب شیخ مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ

والمباح ما كان التحرز عن الضرر وفعله مساويا في نظر الشارع كالتقية في اظهار كلمة الكفر على ما ذكره جمع من الاصحاب ويدل عليه الخبر الوارد في رجلين اخذا بالكوفه وامرا بسبّ امير المؤمنين عليه السلام۔

اور مباح سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں پر ضرر سے تحفظ کرنا اور اُس کا بجالانا نظر شارع میں مساوی ہو جیسے اظہار کلمۂ کفر میں تقیہ کرنا جیسا کہ اصحاب کی ایک جماعت نے ذکر فرمایا ہے۔ اور اُسپر وہ خبر دلالت کرتی ہے جو اُن دو شخصوں کی نسبت وارد ہوئی ہے جو کوفہ میں ماخوذ ہوئے تھے اور جناب امیر المومنینؑ کی سب و شتم پر مامور کئے گئے تھے۔ انتہیٰ

اور جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ نے اپنی اس کلام میں جس خبر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اُس سے وہ روایت مراد ہے جو اصول کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے بروایت عبد اللہ بن عطا منقول ہے وہ (عبد اللہ) کہتے ہیں کہ۔

قلت لأبی جعفر علیہ السلام رجلان من اہل الکوفۃ اخذا فقیل لہما ابراء من امیر المومنین فبرء واحد منہما و ابی الاخر فخلے سبیل الذی برئ وقتل الاخر فقال علیہ السلام اما الذی برئ فرجل فقیہ فی دینہ واما الذی لم یبرء فرجل تعجل الی الجنۃ۔	یس نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اہل کوفہ کے دو شخص گرفتار کیے گئے پس اُنسے کہا گیا کہ تم جناب امیر المؤمنین سے برائت کرو پس ایک نے برأت کرلی اور دوسرے نے انکار کیا۔ پس جس نے کہ برأت کی تھی چھوڑ دیا گیا اور دوسرا قتل کرڈالا گیا۔ پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جس نے برائت کی وہ اپنے دین میں مرد فقیہ ہے اور جس نے برائت نہیں کی اُس نے داخل جنت ہونے میں تعجیل کی

تنبیہ نبی وامام سے بدون تقیہ برأت (بیزاری) کرنا حرام ہے اور اُس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے اور مقام تقیہ میں اظہار برائت کا مباح یا مستحب یا واجب یا حرام ہونا محل نزاع ہوسکتا ہے اور اسمیں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں جناب علیین مکان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مقام تقیہ میں اُسکا ترک کرنا اگرچہ مباح ہے لیکن اُسکا ترک کرنا افضل ہوا اور فاضل مقداد علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہے کہ اُنھوں نے اس مطلب پر حضرت امیر المؤمنینؑ کے اس قول سے استدلال فرمایا ہے۔

اما السب فسبّونی فانہ لی زکوٰۃ ولکم نجاۃ واما البرأۃ فلا تبرؤا منّی فانی ولدت علی الفطرۃ۔	مجھپر سب وشتم کرو اس لئے کہ وہ میرے لئے موجب طہارت ہو اور تمہارے لئے سبب نجات لیکن مجھسے برائت نکرو اس لئے کہ میں فطرت پر پیدا ہوا ہوں۔ انتہی ملخصاً

اور دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ۔

واما البرائۃ فمدوا دونہا الاعناق	برائت سے پہلے اپنی گردنیں دراز کرو (یعنی قتل ہوجانیکو گوارا کرو مگر برائت نکرو)

اور یہ دلیل افضلیت ہی علی الخصوص جبکہ یہ شخص اُس گروہ میں داخل ہو جسکی ساتھ اقتدا کیجاتی ہو اور اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مقام تقیہ میں حضرتؑ کا سب وشتم کرنا اور نکرنا مساوی ہی بخلاف برائت کے کہ اُسکا ترک کرنا افضل ہی لکن اس باب میں روایت مختلف ہے اس کی بعد جناب موصوف نے فاضل مقداد علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہی کہ یعقوبؒ بن سکیت کا متوکل کے ساتھ جو واقعہ گذرا ہی کہ اُسنے اُسکے لڑکوں کو حسن حسین علیہما السلام پر فضیلت نہیں دی تھی اسی قبیل سے شمار کیا جائیگا اس لئے کہ فاسق کا اُن بزرگواروں پر فضیلت دینا

لہ جناب علیین مکان علیہ الرحمہ نے خود فاضل مقداد علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہی کہ یعقوب بن سکیت نحوی کا جو واقعہ کہ متوکل کے ساتھ پیش آیا تھا اُسکو جناب قاضی نوراللہ شستری علیہ الرحمہ نے مجالس المؤمنین میں اسطرح تحریر فرمایا ہے کہ یعقوب بن سکیت کے فضائل مشہور ہوئے تو متوکل عباسی کی صحبت میں جو ناصبی اور دشمن اہلبیت تھا موجود ہنے کا اتفاق ہوا اور جس زمانہ میں کہ وہ اُس شقی کی صحبت میں تشریف رکھتے تھے اور وہ متوکل اُنپر انعام اکرام کرتا تھا ایک روز اسکے دونوں بیٹے معتز اور مؤید حاضر ہوئے پس متوکل نے اُنسے پوچھا یا یعقوب انہما احب الیک ابناء هذا ام الحسن والحسین کہ ای یعقوب تمہارے نزدیک میرے یہ دونوں فرزند زائد محبوب ہیں یا حسن حسینؑ یعقوب بن سکیت کی غیرت دینی حرکت میں آئی ... جواب میں فرمایا۔

واللہ ان قنبر الخادم امیر المؤمنین احب الی منک ومن ابنیک کہ قسم بخدا کہ قنبر خادم حضرت امیر المؤمنینؑ میری نزدیک تجھسے اور تیرے دونوں بیٹوں سے زیادہ محبوب ہیں پس متوکل نے اُن کی زبان گدی سے باہر نکلوا کر قطع کرا دیا اور اُنکو عقوبت کے ساتھ شہید کیا اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہی کہ متوکل شقی نے اپنے ترکی غلاموں کو حکم دیا کہ اُن کے شکم پر طمانچے لگائیں اور جبکہ اُنکو اُٹھا کر اُن کے مکان پر لیگئے تو وہاں جاکر دوسرے روز اُنہوں نے انتقال کیا پس یعقوب بن سکیت نے جو اُسکے دونوں بیٹوں کی تفضیل کو حسنین علیہما السلام پر ترک کیا تھا اُسکی وجہ یہی تھی کہ اُسکے فرزندوں کا فضیلت دینا وہی حکم رکھتا تھا جیسے حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام سے برائت اور حضرت رسول مختارؐ کے قول الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنۃ کی تکذیب لازم آئی اس کے بعد جناب علیین مکان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہی کہ اُس ملعون کے کلمہ خبیثہ کو سنکر اُنکا دل دکھ گیا اور وہ بیقابو ہو گئے یا شاید وہ گمان رکھتے ہوں کہ باوجود اظہار خلوص ومحبت کے وہ شقی کلمہ حق پر اسقدر ناراض نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ملاعین ایسی حالت میں اکثر اوقات پہلو تہی کیا کرتے تھے۔ لکن شیطان اُسکی رگ حمیت کو حرکت میں لایا اور اُسنے اُس فعل شنیع کا ارتکاب کیا جو کرنے کے قابل نہ تھا ۱۲

برات کا حکم رکھتا ہے بلکہ حضرت رسول خدا ص کے ارشاد۔

هما سيدا شباب اهل الجنة	یہ دونوں (حسنین) نوجوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔

کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اور جس خبر کو کہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ نے اس مقام پر وارد کیا ہے۔ اُسی کے مضمون کی دیگر روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں چنانچہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے جناب امیر ع کا یہ قول منقول ہوا ہے اور اُسکے مستفیض ہونے کا بھی دعوے فرماتا ہے

ستعرضون من بعدی علی سبّی فسبّونی ومن عرض علیه البرائة فلیمدد عنقه فان برء منّی فلا دنیا له ولا آخرة۔	میرے بعد تم لوگ میرے سب و شتم پر آمادہ کئے جاؤ گے پس تم میرے سب و شتم کو اختیار کرنا اور جس پر مجھ سے برات پیش کیجائے وہ اپنی گردن کو دراز کر دے۔ پس اگر مجھ سے برات کریگا تو اُسکے لئے نہ دنیا حاصل ہوگی نہ آخرت نصیب ہوگی

اور اس خبر سے حضرت کی برات میں تقیہ کرنے کا حرام ہونا مستفاد ہوتا ہے۔ اور کتاب کشی میں میثم تمار ہروانی سے بروایت یوسف بن عمران میثمی منقول ہے۔ وہ (میثم تمار) کہتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ

یا میثم کیف انت اذا دعاك دعی بنی امیة عبید الله بن زیاد الی البراءة منّی	اے میثم جبکہ تمکو عبید اللہ بن زیاد مجھ سے برات کرنے کی طرف بلائیگا تو تم کیسا کرو گے۔

میں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین واللہ میں آپ سے برات نکرونگا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔

اذا والله یقتلك ویصلبك	اُسوقت بخدا وہ تمکو قتل کروائے گا اور سولی دیگا۔

میں نے عرض کیا کہ میں صبر کرونگا اس لیے کہ راہ خدا میں اس پر صبر کرنا خفیف سی بات ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ۔

یا میثم اذا تکون معی فی روضتی	ایسی صورت میں اے میثم تم میری جنت میں میرے ساتھ رہوگے۔

اس روایت سے برات میں تقیہ نہ کرنے اور قتل ہوجانے کو بظاہر رجحان ثابت ہوتا ہے

جس سے لااقل قتل ہوجانیکا افضل و مستحب ہونا اور اختیار برارت کا مفضول و مکروہ ہونا مستفاد ہوتا ہے - اور اسی خبر کے مثل عبداللہ بن عطاء کی وہ روایت بھی معلوم ہوتی ہے. جو اصول کافی سے اوپر مذکور ہو چکی ہے - اُس سے بھی برارت کی باب میں تقیہ نکرنے کا بظاہر رجحان ہی ثابت ہوتا ہے اگرچہ اُسمیں تقیہ کرنے نہ کرنے کی مساوات کا احتمال زائد قوی ہے اس لئے کہ اُسمیں برارت کرنے والے اور قتل ہوجانے والے دونوں کی مدح مذکور ہے - اور احتجاج طبرسی میں حضرت امیرالمؤمنین ؑ سے ایک حدیث طولانی کے بعض فقرات باین الفاظ منقول ہوئے ہیں

وامرك ان تستعمل التقية في دينك فان الله عزوجل يقول لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ، وقد اذنت لك في تفضيل اعدائنا ان الجائك الخوف اليه وفي اظهار البرائة ان ملك الرجل عليها . وفي ترك الصلوٰة المكتوبات ان خشيت على حشاشتك الافات والعاهات وتفضيلك اعدائنا عند خوفك لاينفعهم ولايضرنا وان اظهار

اور میں تمکو دین میں تقیہ کے استعمال کرنے کا حکم دیتا ہوں اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "مؤمن مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا تو اُس سے اور خدا سے کوئی واسطہ نہیں سوائے اُس صورت کے کہ تم اُنسے کسی قسم کا خوف رکھتے ہو" اور میں نے تمکو اس امر کی اجازت دی کہ ہمارے دشمنوں کو ہمپر فضیلت دو اگر تمکو اُس کی طرف خوف مضطر کرے اور میں نے تمکو اس امر کی بھی اجازت دی کہ ہمسے برارت (بیزاری) کا اظہار کرو اگر اسپر تمکو کوئی شخص پریشان کرے اور میںنے تمکو نماز ہائے واجبی کے ترک کردینے کی بھی اجازت دی اگر تمکو اپنے نفس پر آفتوں کے وارد ہونیکا اندیشہ ہو اور تمہارا ہمارے دشمنوں کو وقت خوف ہمپر فضیلت دینا اُن کے لئے نفع نہیں دیسکتا - اور ہمارے لئے ضرر نہیں پہونچا سکتا اور وقت تقیہ تمہارا

برائتك عند تقيتك لا يقدح فينا
ولا تبرء منا ساعة بلسانك
وانت موال لنا بجنانك لتبقى على
نفسك روحها التي بها قوامها
ومالها الذي به قيامها وجاهها
الذي به تمكنها وتصون بذلك
من عرف من اوليائنا واخواننا فان
ذلك افضل من ان تتعرض للهلاك
وتنقطع به عن عمل في الدين وصلاح
اخوانك المؤمنين واياك ثم
اياك ان تترك التقية التي
امرتك بها فانك شائط بدمك
ودماء اخوانك متعرض لنفسك
ولنفسهم للزوال مذل لهم
في ايدي اعداء الدين وقد
امرك الله باعزازهم فانك
ان خالفت وصيتي كان
ضررك على
اخوانك ونفسك
اشد من ضرر الناصب
لنا الكافر بنا۔

ہم سے برائت کرنا ہم پر قدح نہیں کر سکتا اور تم ہم پر
ایک ساعت کے لئے بھی بری نہیں ہو سکتے۔ جبکہ
تم اپنے دل سے ہمارے دوست ہو اس لئے کہ تم
تقیہ کرکے اپنی اُس جان کو محفوظ رکھتے ہو جس سے
تمہاری بقا ہے اور اپنے اُس مال کو بچاتے ہو جس سے
تمہارا قیام ہے اور اپنی اُس جاہ و منزلت کی
حفاظت کرتے ہو جس سے کہ تمہارا اقتدار ہے
اور تم اپنے فعل سے ہمارے اُن دوستوں
اور بھائیوں کو محفوظ رکھتے ہو جو پہچانے جا چکے ہیں
پس تمہارا یہ فعل اس امر سے افضل ہے کہ تم ہلاکت کے
درپے ہو اور دین میں کسی عمل خیر کے بجالانے سے
معذور ہو جاؤ اور اپنے برادران ایمانی کے خیر و صلاح
نظر نہ کر سکو اور تم اس تقیہ کو ہرگز نہ چھوڑنا جس کا کہ میں نے
تمکو حکم دیا ہے ورنہ تم اپنے اور اپنے برادران ایمانی
کے خون میں آلودہ ہوگے اور اپنی اور اُنکی جانوں کو
معرض زوال میں داخل کروگے اور اُنکو دشمنان دین
کے ہاتھوں میں ذلیل کروگے حالانکہ حقتعالی نے
تمکو اُن کے معزز رکھنے پر مامور کیا ہے اب اگر تم ہمارے
اس وصیت کے خلاف کروگے تو تمہارے اور تمہارے
بھائیوں کے نفسوں پر وہ ضرر وارد ہوگا جو ناصبی و
کافر کے ضرر سے بھی زائد اور شدید تر ہوگا۔ انتہی ملخصاً

اس روایت سے بھی بظاہر تقیہ کرنے کا رجحان یا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور اس روایت کی اُس حدیث شریف سے بھی تائید ہوتی ہے جسکو محمد بن مروان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ۔

ما منع میثم رحمہ اللہ من التقیۃ فواللہ لقد علم ان ھذہ الآیۃ نزلت فی عمار و اصحابہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان

میثم کو تقیہ کرنے سے کیا امر مانع ہوا پس قسم بخدا کہ انکو آیۃ الا من اکرہ کا عمار اور انکے اصحاب کی شان میں نازل ہونا معلوم ہو چکا تھا

بلکہ بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے اپنے آپ سے تقیہ میں برارت کرنیکی ممانعت نہیں فرمائی اور یہ کہ اس مطلب کا حضرت کی طرف منسوب کرنا از قبیل کذب و افترا ہے چنانچہ روایت مسعدہ بن صدقہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہوا ہے۔ وہ (مسعدہ) کہتے ہیں کہ۔

قیل لابی عبداللہ ان الناس یروون ان علیا قال علی منبر الکوفۃ ایھا الناس انکم ستدعون الی سبی فسبونی ثم تدعون الی البراءۃ فلا تبرؤا منی فقال ما اکثر ما یکذب الناس علی علی ثم قال انما قال ستدعون الی سبی فسبونی ثم ستدعون الی البرائۃ منی

حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ لوگ اس امر کی روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر المؤمنینؑ نے ممبر کوفہ پر فرمایا تھا کہ اے لوگو تم عنقریب میرے سب و شتم کی طرف بلائے جاؤگے پس تم میری سب و شتم کرنا بعد ازآن تم مجھ سے برارت کرنے کی طرف بلائے جاؤگے پس تم مجھ سے برارت نکرنا حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ جناب امیر المؤمنینؑ پر کسقدر افترا کرتے ہیں بعد ازآن فرمایا کہ جناب امیرؑ نے اسیقدر بیان کیا تھا کہ تم عنقریب میری سب و شتم کی طرف بلائے جاؤگے پس تم مجھکو سب و شتم کرنا بعد ازان تم مجھ سے برارت کرنے کی طرف بلائے جاؤگے

وانی لعلی دین محمد
لم یقل لا تبرؤ منی
فقال له السائل
ارأیت ان اختار القتل
دون البراءة فقال والله
ما ذاک علیه وماله
الا ما مضی علیه عمار بن
یاسر حیث اکرهه
اهل مکه وقلبه
مطمئن بالایمان
فانزل الله تعالی الا من اکره
وقلبه مطمئن بالایمان فقال النبی یا عمار
ان عاد وافعد فقد انزل الله عزوجل عذرک
وامرک ان تعود ان عادوا۔

اور میں حضرت محمد مصطفےٰ ص کے دین پر ہوں
اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ مجھ سے برأت
نہ کرنا۔ پس حضرت سے سائل نے عرض کیا کہ آپ کے
نزدیک اگر وہ اپنے قتل ہو جانے کو اختیار کر لیتا
اور برأت کو اختیار نہ کرتا تو کیسا تھا۔ حضرت نے
فرمایا کہ بخدا اُسکی یہ تکلیف نہ تھی اور اُس کے لئے
اُسی امر کا اختیار مناسب تھا جس پر کہ عمار بن یاسر
گذر گئے جبکہ اُن کو اہل مکہ نے مجبور کیا تھا اور اُنکا
دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ پس حقتعالیٰ نے
اُنکے بارہ میں آیۂ شریفہ الا من اکرہ وقلبہ
مطمئن بالایمان کو نازل فرمایا۔ پھر اُنسے
جناب رسولخدا ص نے ارشاد فرمایا کہ اے عمار اگر وہ عود کریں
تو تم بھی عود کرو کیونکہ حقتعالیٰ نے تمہارا عذر نازل کیا ہے
اور تمکو حکم دیا ہے کہ اگر وہ عود کریں تو تم بھی عود کرو۔

اس حدیث سے اُن اخبار کی بصراحت تکذیب ہوتی ہے جنمیں کہ جناب امیرالمومنین ع کا اپنی برأت سے حالت تقیہ میں ممانعت کرنا منقول ہوا ہے۔

اور غور و تامل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حالت تقیہ میں برأت سے منع کرنے اور سب و شتم کی اجازت دینے کا قواعد عقلیہ پر منطبق ہونا بھی خالی از اشکال نہیں ہے اس لئے کہ بغیر تقیہ کے جس طرح امام سے برأت کرنا حرام اور موجب کفر ہے۔ اُسی طرح امام کا سب و شتم کرنا بھی حرام اور موجب کفر ہے لیکن جبکہ ضرورت تقیہ کی وجہ سے سب و شتم کا مباح ہو جانا فرض کر لیا گیا تو برأت کے مباح ہونے کی

کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ باعتبار اعتقاد اُن دونوں کا مساوی ہونا مفروض ہے پس عدم اعتقاد کی صورت میں محض زبان پر کلمہ برارت اور سب وشتم کے جاری کرنیمیں تفرقہ کرنا بے وجہ معلوم ہوتا ہے بلکہ سب وشتم کا مباح ہونا برارت کے مباح ہونیکو بدرجہ اولے مقتضی ہے اس لئے کہ سب وشتم کرنا اعدار دین کی نسبت بھی جائز نہیں ہے بخلاف برارت کے کہ اُسکا اعدار دین سے متعلق ہونا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب سب وشتم کی جو بہ نسبت برارت کے افحش ہے اباحت فرض کرلی گئی ہے تو کلمہ برارت جاری کرنیکی بدرجہ اولیٰ اباحت ہونی چاہئے پس جبکہ اباحت سب وشتم اور اباحت برارت میں تلازم قرار پایا تو اُن اخبار کی تاویل معین ہوگی جنمیں کہ برارت سے ممانعت کرنا حضرت امیرالمؤمنینؑ کی طرف منسوب ہوا ہے پس ممکن ہے کہ برارت سے برارت حقیقیہ مراد ہو اور غرض یہ ہو کہ اعدار دین اگر تمکو میری ولایت سے درحقیقت ہٹانا اور اہل برارت میں داخل کرنا چاہیں تو تم ہرگز ایسا نکرنا۔

جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے شیخ مفید کی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

وظاهرها حرمة التقية فيها كالدماء ويمكن حملها على ان المراد الاستمالة والترغيب الى الرجوع حقيقة من التشيع الى النصب

اور اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت سے برارت کرنے میں تقیہ کرنا مثل خونریزی کے حرام ہو اور اس روایت کا اس مطلب پر حمل کرنا ممکن ہے کہ اُس سے مذہب تشیع سے درحقیقت عدول کرکے مذہب نصب عداوت اہل بیت کی طرف رجوع کرنے کی رغبت مراد لیجائے۔

اور اس تاویل کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص درحقیقت مذہب تشیع سے عدول کرنیکی رغبت دلائے اور ناصبی بنجانے کی فرمائش کرے تو اُسکو ہرگز منظور نکرنا اور اس تاویل کے مناسب وہ فقرہ بھی ہے جو روایت مشار الیہا میں مذکور ہے۔

فان براءمنی فلا دینا له ولا آخرة اس لئے کہ اعتقاد ولایت کے بعد محض لفظ برارت کے زبان پر جاری کرنے سے دنیا وآخرت دونوں کا برباد ہوجانا بظاہر بے وجہ معلوم ہوتا ہے اور جبکہ روایت مذکورہ کا اس تاویل پر حمل کیا جائے تو کسی قسم کی قباحت لازم نہیں آتی۔

ور جناب ملا صالح مازندرانی نے روایت مسعدہ بن صدقہ کی شرح میں فرمایا ہے کہ حضرت کے اس قول سے کہ وانی لعلی دین محمدؐ یہ مراد ہے کہ میرا دین محمدیؐ ہے لہذا باعتبار باطن مجھ سے برارت کرنا سزاوار نہیں ہے اور حضرت نے اُنکو باعتبار ظاہر اپنی برارت سے وقت حاجت حفظ نفس کی غرض کر ممانعت نہیں فرمائی پس جسطرح کہ وقت ضرورت سب وشتم کرنا جائز ہے اُسی طرح وقت ضرورت برارت کرنا بھی جائز ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ باعتبار عقل وشرع جس طرح کہ اولیائے خدا سے ولایت واجب اور اُنسے برارت حرام ہے اسیطرح اعدار خدا سے برارت کرنا واجب اور اُنکی ولایت حرام ہے پس جبکہ اعدار خدا سے برارت کا اعتقاد اور انکی ولایت کا ازراہ تقیہ زبانی اقرار کرنا جائز ہے اسیطرح اولیار خدا کی ولایت کی ساتھ ازراہ تقیہ اُنسے برارت کرنے کا زبانی اقرار بھی جائز ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ دونوں امور میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے اور جواز تقیہ کے عمومات بھی بظاہر دونوں امور کو شامل ہیں۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ اگر اعتقاد ولایت کے بعد محض اظہار برارت کی وجہ سے انسانکی دنیا وآخرت کا تباہ وبرباد ہونا فرض کیا جائے جیسا کہ منطوق روایت ہے تو لازم آئے گا کہ ولایت کے اعتقاد اور عدم اعتقاد کو انسان کی نجات میں کسی قسم کا دخل نہ رہے جس کا باطل ہونا بہت ظاہر ہے

اسکے علاوہ یہ ہے کہ اس صورت میں شئے کے زبانی وجود کا نفس الامری وجود کے ساتھ متحد ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ اس تقدیر پر باوجود اعتقاد ولایت کے محض زبان

اظہار برارت پر برارت کے واقعی آثار کا مرتب کرنا لازم آتا ہے جو زبانی وجود اور واقعی وجود کے متحد ہو جانے کو مقتضی ہے۔ پس اس باب میں جو مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں اُن میں سے جواز تقیہ کی روایتوں کا ترجیح دینا اور تقیہ کے جائز نہ ہونیکی روایتوں میں تاویل کرنا معین ہوتا ہے۔ اگر اُن اخبار کو جن میں کہ از روئے تقیہ برارت کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے راجح اور قابل عمل قرار دیا جائے تو اُن اخبار کو جنمیں برارت کی اجازت دیگئی ہے ترک کر دینا یا اُنمیں تاویل کرنا ضروری ہوگا۔ اس صورت میں برارت کرنیکی حالت تقیہ میں بھی حرمت ثابت ہوگی اور اُن سے افضلیت ترک پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا ہاں اگر دونوں قسموں کی روایتوں کا باعتبار سند و ولایت مساوی اور باہم متعارض ہونا فرض کیا جائے تو افضلیت ترک پر استدلال کرنا صحیح ہوگا۔ وھو بعد لایخلو عن اشکال[1] واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

چوتھی قسم مکروہ ہے اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں تقیہ کا ترک کرنا اور ضرر کا تحمل کر لینا اُسکے بجالانے سے بہتر ہو جیسا کہ بعض علماء نے اظہار کلمۂ کفر کی نسبت لکھا ہے اور یہ کہ ایسے مقام پر تقیہ کا اُن حضرات کے لئے جنکے ساتھ لوگ اقتدا کرتے ہیں ترک کر دینا اولی ہے اس لئے کہ یہ امر اعلاء کلمۂ اسلام اور اعزاز دین میں داخل ہے۔ جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مکروہ سے وہ امر مراد ہے جس کی ضد افضل ہو۔

پانچویں قسم حرام ہے اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں فی الحال اور آیندہ کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ نہو یا کسی نفس محترم کے قتل کر ڈالنے میں امر کا دائر ہونا فرض کیا جائے یا بر تقدیر تقیہ کسی دینی مفسدہ کے پیش آنیکا یقین ہو جیسے حق کا باطل کے ساتھ ملتبس ہو جانا یا اُس (حق) کا بالکلیہ نیست و نابود ہو جانا وغیرہ۔

---

[1] وجہ اشکال یہ ہے کہ جواز تقیہ کی بہت سی خبروں سے بالخصوص اس صورت میں تقیہ کو اختیار کرنیکا راجح یا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اگر دونوں قسموں کی روایتوں کے رجحان سے قطع نظر کیا جائے تو اس صورت مخصوصہ میں فعل و ترک دونوں کی اباحت و مساوات ثابت ہوگی اور کسی ایک قسم کی افضلیت پر استدلال کرنا درست نہ ہوگا حالانکہ بظاہر اس کا کوئی قائل معلوم نہیں ہوتا فتامل ۱۲

البتہ چونکہ تقیہ بھی منجملہ احکام الٰہیہ ایک حکم ہے جو افراد مکلفین اور مصالح اوقات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اور باعتبار ضرورت اُسکے شرائط میں تفاوت ہوتا ہے۔ علی الخصوص انبیاء اور اوصیاء کی تکلیفیں یکساں نہیں ہوسکتیں۔ اور ہر ایک بزرگوار جس حکم پر منجانب اللہ مامور ہوتے تھے اُسی پر عمل کرتے تھے۔ اور نفس کا ہلاکت میں مبتلا کرنا ہر جگہ ممنوع نہیں ہے ورنہ لازم آئیگا کہ راہ خدا میں دشمنوں سے جہاد کرنا بالکل مسدود ہو جائے پس آیۂ شریفہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ میں وہی ہلاکت مراد ہوگی جو جہت شرعیہ اور احکام الٰہیہ کے مخالف ہو۔ اور آیۂ شریفہ میں وہ ہلاکت مراد نہیں ہوسکتی جو اوامر خدا کے امتثال اور اطاعت کے وجہ سے حاصل ہو اس لئے کہ ایسی ہلاکت موجب سعادت ابدیہ ہے چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
(پارہ ۴ سورۂ آل عمران)

اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے گئے ہیں اُنکو ہرگز ہرگز مردہ نہ گمان کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ اُنکو دیا ہے وہ اُس سے خوش ہیں۔

اس مقام پر جناب صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تقیہ کے بارہ میں نبی و امام کا حال یکساں ہے کیونکہ جب نبی اپنی نبوت کو ظاہر کر دے اور ثبوت دعوے کی غرض سے معجزہ کو ظاہر کر چکے بعد ازاں خوف اعدا کی بنا پر اپنی نبوت کو پوشیدہ کرے تو کسی قسم کا مضائقہ نہ ہوگا۔ اور اس مطلب کی اُس روایت سے بھی تائید ہوتی ہے جسکو صاحب مواہب نے نقل کیا ہے

قال ابو عبیدة بن عبد اللہ بن مسعود ما زال النبی مستخفیا حتی نزلت فاصدع بما تؤمر

ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا اپنے آپکو برابر پوشیدہ کئے رہے تا آنکہ آیۂ شریفہ فاصدع بما تؤمر نازل ہوا پس اُسوقت آپ نے

(ترجمہ) اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو ۱۲

نجھر ھو و اصحابہ	اور آپ کے اصحاب نے اعلان شروع کیا۔

اور کچھ کلام کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

قالوا وکان ذلک بعد ثلث سنین من النبوۃ وھے المدۃ التے اخفی رسول اللہ ص امرہ۔	راویان اخبار نے بیان کیا ہے کہ وہ (اعلان) نبوت سے تین سال کے بعد واقع ہوا تھا اور یہ وہی مدت ہے جسمیں حضرت نے اپنے امر کو مخفی رکھا تھا

اور جناب سید مرتضےٰ اور علامہ طبرسی علیہما الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کے لئے اُس امر کا پوشیدہ کرنا جائز نہیں ہے جسکی تبلیغ پر کہ وہ مامور ہوئے ہیں اگرچہ خوف قتل رکھتے ہوں اسلئے کہ اُنکو اس امر کا یقین حاصل ہے کہ حقتعالیٰ نے اُنکو مبعوث برسالت اُسی وقت کیا ہے جبکہ وہ اُنکو قتل سے محفوظ رکھیگا تا اینکہ لوگوں تک خدا کا پیام پہونچ جائے اور دعوت تمام ہوجائے ورنہ لازم آئے گا کہ خداوند عالم خود ہی ناقض غرض ہو چنانچہ سید مرتضےٰ علیہ الرحمہ کتاب تنزیہ الانبیاء میں تحریر فرماتے ہیں

لا یجوز للنبی ان یکتم ما ارسل بہ خوفا من القتل لانہ یعلم ان اللہ لم یبعثہ للاداء الا وھو عاصم لہ من القتل حتی یقع الاداء ویسمع الدعوۃ والا کان نقضا للغرض (انتہی کلامہ بتغیر یسیر)	نبی کو خوف قتل سے اُس امر کا پوشیدہ کرنا جائز نہیں ہے جسکے پہونچانے پر کہ وہ مامور ہوا ہے اسلئے کہ وہ اس امر کو جانتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے اُن کو ادائے حکم کے لئے اُسی وقت مبعوث کیا ہے جبکہ وہ اُنکو قتل سے محفوظ رکھنے والا ہے تا اینکہ وہ ادائے حکم سے فارغ ہوں اور دعوت مسموع ہو ورنہ خدا کا ناقض غرض ہونا لازم آئے گا۔

اور قاضی ناصر الدین بیضاوی نے قول باریتعالےٰ۔

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (پ ۱۹ سورۂ شعراء)	اور تو اپنے عمر کے چند برس ہمارے ہاں رہا اور تونے وہ کرتوت کی جو کچھ بھی کی اور تو احسان فراموش (ثابت) ہوا

کے ذیل میں لکھا ہے۔

وانت من الكافرين بنعمتي حتي عمدت لي قتل خواصي وممن تكفرهم الآن فانه کان يعايشهم بالتقية	اور تم میری نعمت کا کفران کرتے تھے تا اینکہ تم نے میری خواص کے قتل کر ڈالنے کا قصد کیا۔ یا تم اُن لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے جنکو کہ تم اب کافر کہتے ہو کیونکہ حضرت موسیٰؑ اُن (قبطیوں) کے ساتھ اپنی زندگی تقیہ کی حالت میں بسر کرتے تھے۔

اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے احتجاج میں روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے جناب امیر المومنینؑ پر طعن و تشنیع شروع کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لي اسوة بسبعة من الانبياء اولهم نوح اذ قال الله تعالى مخبرا عنه اني مغلوب فانتصر والثاني ابراهيم الخليل اذ قال واعتزلكم وما تدعون من دون الله۔ والثالث ابن خالته لوط اذ قال لقومه	مجھ امر میں سات نبیوں کے ساتھ تاسی کرتا ہوں۔ اول حضرت نوحؑ ہیں چنانچہ حق تعالیٰ انکی حالت کی خبر دیتا ہے کہ وہ میں مغلوب ہوں میری نصرت کر۔ دوسرے حضرت ابراہیمؑ ہیں جبکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں تم سے اور ان چیزوں سے جنکو تم خدا کے سوا پکارتے ہو علٰحدگی اختیار کرتا ہوں۔ تیسرے حضرت لوطؑ ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی خالہ زاد بھائی تھے انہوں نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا تھا

۵ اس فقرہ کی شرح میں بعض علماء نے لکھا ہے ای فعلتها والحال انك في ذلك الوقت من القوم الذين تزعم الآن انهم كافرون (تم اُس وقت اُن لوگوں میں داخل تھے جنکو اب کافر بتلاتے ہو) ۱۲
اس فقرہ کی شرح میں بعض علماء نے لکھا ہے۔

من المراد انه يظهر اعتقاد الوهية فرعون قبل عدم اظهار انه يعتقد خلافه صريحا اظهره بعد البعثة۔	یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اُس (فرعون) کی الوہیت کے اعتقاد کو ظاہر کرتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اسکو خلاف کے اعتقاد کا صریحاً اظہار نہ فرماتے تھے جیسا کہ بعد بعثت اسکو ظاہر فرمایا ۱۲

لو ان لی بکم قوۃ۔
والرابع یوسفؑ اذ قال رب السجن احب الیّ مما تدعوننی الیہ۔
والخامس موسیٰؑ اذ قال ففررت منکم لما خفتکم
والسادس ہارونؑ اذ قال یا بن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔
والسابع اخی محمدؐ لما ہرب الی الغار۔

"اے کاش مجھکو تمہارے مقابلہ میں کسی قسم کی قوت حاصل ہوتی"
چوتھے حضرت یوسفؑ ہیں جبکہ اُنہوں نے فرمایا تھا کہ "اے میرے پروردگار میرے نزدیک قیدخانہ اس امر سے محبوب تر ہے جسکی طرف کہ یہ عورتیں مجھ کو بلاتی ہیں"
پانچویں حضرت موسیٰؑ ہیں جبکہ اُنہوں نے فرمایا تھا "میں جبکہ تم سے خائف ہوا تو تمہارے پاس سے چلا گیا"
چھٹے حضرت ہارونؑ ہیں جبکہ آپ نے فرمایا تھا کہ "اے بھائی قوم نے مجھکو ضعیف سمجھ لیا قریب تھا کہ مجھکو قتل کرڈالیں"
ساتویں میرے بھائی حضرت محمد مصطفےٰؐ ہیں جبکہ آپ غار کی طرف چلے گئے تھے۔

اور حضرت امیرالمؤمنینؑ نے ان ساتوں پیغمبروں میں سے ہر ایک بزرگوار کا ذکر کرکے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ یہ کہو کہ یہ کلمات وحالات ازراہ خوف صادر نہ ہوئے تھے تو قرآن کا انکار لازم آئیگا۔ اور اگر تم کہو کہ اُنھوں نے اُمور مذکورہ کو ازراہِ خوف اختیار کیا تھا تو وصی معذور تر ہے۔

اور قاضی ناصرالدین بیضاوی نے قول باری تعالیٰ الا ان تتقوا منہم تقاۃ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

الا ان تخافوا من جہتہم ما یجب اتقاءہ۔

مگر یہ کہ تم اُن (کفار) سے تقیہ کرو یعنی ان لوگوں کی جہت سے اس قسم کا خوف کرو جس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

اور کچھ فاصلہ کے بعد لکھا ہے کہ۔

منع من موالاتهم ظاهراً و باطناً في الاوقات كلها الا وقت المخافة فان اظهار الموالاة حينئذ جائز كما قال عيسى كن وسطا وامش جانبا ويحذركم الله نفسه و الى المصير فلا تتعرضوا السخطه بمخالفة احكامه و موالاة اعدائه وهو تهديد عظيم مشعر بتناهي المنهي في القبح۔

خداوند عالم نے جملہ اوقات میں اُنکی دوستی سے ظاہراً اور باطناً منع کیا ہے سوائے وقت خوف کے کہ اسوقت میں اظہار موالات جائز ہے جیسا کہ حضرت عیسےؑ نے فرمایا ہے کہ تم درمیان میں ہو اور کنارہ پر چلو اور خدا تمکو اپنے نفس سے ڈراتا ہے اور اُسی کی طرف بازگشت ہے پس تم اُس کے احکام کی مخالفت اور اُسکے دشمنوں کی دوستی کرکے اُسکی ناراضی کے درپے نہو اور یہ بہت بڑی دھمکی ہے اور اُسمیں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت کیگئی ہے وہ حد درجہ کی برائی پر مشتمل ہے۔

اور عیون اخبار رضاؑ سے منقول ہے کہ۔

قال سهل بن قاسم قال رجل للرضاؑ يابن رسول الله انه يروى عن عروة بن زبير انه قال توفي النبي وهو في تقية فقال اما بعد قوله يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك الخ فانه ازال كل تقية بضمان الله ولكن قريشا فعلت ما اشتهت بعده واما قبل نزول هذه الآية فلعله

سہل بن قاسم نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ عروۃ بن زبیر سے منقول ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے حالت تقیہ میں وفات پائی حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ نزول آیہ شریفہ یا ایها الرسول الخ کے بعد خدا کی ضمانت[۱] نے ہر تقیہ کو زائل کر دیا لیکن قریش نے حضرت رسولخداؐ کے بعد جو چاہا کیا لیکن نزول آیہ شریفہ کے قبل پس حضرت کے تقیہ کرنیکا احتمال ہے[۲]۔

۱ حضرتؑ نے لفظ ضمان سے قول باریتعالی والله يعصمك من الناس کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آخر آیہ شریفہ میں مذکور ہے لیکن آیہ شریفہ از بسکہ حضرت امیر المؤمنینؑ کی امامت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اسلئے حضرتؑ نے اسکے بعد فرمایا لیکن قریش نے جو چاہا کیا جس سے حضرتؑ کی یہ مراد ہے کہ قریش نے عہد شکنی کی اور حضرت امیر المؤمنینؑ کے حق کو چھین لیا۔

۲ اس روایت میں حضرت امام رضاؑ نے جو اجمال فرمایا ہے وہ بظاہر تقیہ پر مبنی ہے۔ ۱۲

اور اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق ع سے حضرت ابراہیم ع اور حضرت یوسف علیہما السلام کا تقیہ کرنا منقول ہوا ہے۔ چنانچہ ابو بصیر نے حضرت سے نقل کیا ہے کہ۔

ولقد قال یوسفؑ ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیمؑ انی سقیم واللہ ما کان سقیما	اور حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا کہ اے قافلہ والو تم سارق ہو قسم بخدا کہ انہوں نے کوئی چیز نہ چرائی تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوں بخدا کہ وہ بیمار نہ تھے۔

اور اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق ع کا تقیہ فرمانا بھی منقول ہوا ہے چنانچہ موسیٰ بن اُشیم سے روایت ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ سے قرآن کی ایک ایک آیت کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے اُسکو تبلا دی بعد ازآں ایک دوسرا شخص آیا اور اُسنے بھی اُسی آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے اُسکو پہلے شخص کے خلاف جواب دیا پس میرے دل میں ایسے امر نے خطور کیا کہ گویا میرے دل کو کسی نے چھریوں سے پارہ پارہ کر دیا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں ہشام بن ابو قتادہ[1] کو چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ واو تک کی غلطی نہیں کرتا اور اُنکے پاس آیا ہوں کہ یہ بالکل غلط بیان کرتے ہیں پس میں اسی تردد میں تھا کہ تیسرا شخص آیا اور اُسنے بھی اُسی آیت کی تفسیر کو دریافت کیا تو آپ نے ایسی تفسیر بتائی جو پہلے دونوں تفسیروں کے خلاف تھی۔ اُسوقت میرے نفس کو سکون ہوا اور مجھکو معلوم ہوگیا کہ حضرت سے یہ اختلاف بیانی از راہ تقیہ صادر ہوئی ہے۔ بعد ازآں حضرت میری طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کہ۔

یا ابن اُشیم ان اللہ عزوجل فوض الیٰ سلیمان بن داؤدؑ فقال ھذا عطائنا فامنن	اے پسر اُشیم حقتعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد کو بعض اُمور سپرد کئے تھے اور فرمایا تھا کہ یہ عطا ہے۔

[1] یہ شخص اہل سنت وجماعت کا مشہور مفسر ہے جو امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا اور اہل سنت کے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا معاصر ہے ۱۲

وامسك بغير حساب وفوض الى نبيه فقال ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا فما فوض رسول فقد فوضه الينا۔	اور حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو بعض امور سپرد کئے تھے اور فرمایا تھا کہ جو کچھ تم سے رسول بیان کریں اُسکو لیلو اور جس چیز سے کہ منع فرمائیں اُس سے باز رہو۔ پس حقتعالیٰ نے جس چیز کو کہ رسول خداؐ کو سپرد فرمایا تھا اُسکو حضرت نے ہمارے سپرد فرمادیا ہے۔

اور فاضل گلستانہ نے صحیح بخاری واحمد صحیح مسلم اور ترمذی اور نسائی اور موطا مالک و جامع الاصول ابن اثیر سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن ابی بکر نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ نے جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے اُن (عائشہ) سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ تمہاری قوم نے جب وہ خانہ کعبہ کی تجدید کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ کے اُن قواعد (بنیادوں) سے جنپر آپ نے خانہ کعبہ کی بنا قرار دی تھی کمتر کردیا ہے۔ پس حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ اے رسول خدا آپ بناء خانہ کعبہ کو قواعد حضرت ابراہیمؑ پر کیوں نہیں قائم فرما دیتے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم کفر سے قریب العہد نہ ہوتے تو میں ایسا ہی کرتا۔

اور مسلم و بخاری سے دوسری روایت نقل کی ہے کہ حضرتؐ نے عائشہ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم کفر و جاہلیت سے قریب العہد نہ ہوتی اور مجکو یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ خانہ کعبہ میں دیوار کے داخل خانہ کرنے اور درِ خانہ کعبہ کے مساوی زمین کرنے پر آزردہ ہونگے تو میں ضرور ایسا ہی کرتا۔

اور بخاری سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ حضرتؐ نے اُن (عائشہ) سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم جاہلیت سے قریب العہد نہ ہوتی تو میں خانہ کعبہ کے منہدم کرنے اور اُس (خانہ کعبہ) میں اُن چیزوں کے داخل کرنے کا جنکو کہ اُن لوگوں نے باہر رکھ دیا حکم دیتا۔ اور درِ خانہ کعبہ کو زمین کے ساتھ چسپان کردیتا اور خانہ کعبہ کے لئے دو دروازے

قرار دیتا ایک شرقی اور ایک غربی - اور خانہ کعبہ کو اُسی اساس پر پہونچا دیتا جس پر کہ حضرت ابراہیم ؑ نے قرار دیا تھا - فاضل مذکور فرماتے ہیں کہ ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا ؐ قریش کی ایک جماعت سے جو بظاہر مسلمان تھی تقیہ فرماتے تھے اسی مقام پر جناب علیین مکان فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے وصایت حضرت امیر المومنین ؑ کے اعلان میں حضرت رسول خدا ؐ جراءت نہیں فرماتے تھے اور اپنے نفس مبارک پر خائف تھے تا اینکہ حق تعالیٰ نے تاکید تبلیغ اور وعدہ عصمت کو نازل فرمایا اور حضرت نے غدیر خم میں اس مہم کا اعلان کیا -

اور ارشاد القلوب میں روایت کی ہے کہ حقتعالیٰ نے حضرت امیر المومنین ؑ کا حضرت رسول خدا ؐ کی حیات میں سات مقاموں پر امتحان لیا - اور یہ جملہ امتحانات حضرت کی شجاعت اور دلیری سے متعلق تھے جنمیں تنہا حضرت ہی ثابت قدم رہے اور اُن مقامات میں دوسرے بہادر اور شجاع لوگوں کا قدم متزلزل ہو گیا -

اسی طرح حقتعالیٰ نے آپکا حضرت رسول خدا ؐ کی وفات کے بعد بھی سات مقاموں پر امتحان فرمایا اور وہ جملہ مقامات آپکے صبر و تحمل سے تعلق رکھتے تھے پس آپ نے حد درجہ کا صبر و تحمل کیا اور غایت استقلال سے وہاں بھی پائے ثبات کو لغزش نہیں ہونے دی - اگرچہ یہ امر بدیہی ہے کہ شجاعان روزگار کو اشرار کے مقابلہ میں صبر و تحمل کرنا جان دینے سے بھی زائد صعب و دشوار ہوتا ہے - لیکن حضرت نے دونوں حالتوں میں اطاعت باریتعالیٰ کو ہر ایک امر پر مقدم کیا اور رضاء خدا کے حاصل کرنے میں کسی شخص کی طعن و تشنیع پر التفات نہیں فرمایا -

بہر حال از بسکہ خداوند عالم کے جملہ احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں پر بنا قائم ہوتی ہے لہذا وہ انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کو جس امر کے بجا لانے یا ترک کرنے پر مامور فرماتا ہے

وہ اسی کا امتثال کرتے ہیں۔ پس جبکہ کسی مقام پر تقیہ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہاں پر تقیہ کرتے ہیں اور جس جگہ اظہار حق پر مامور ہوتے ہیں وہاں اُسکو بدون تقیہ ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ حق تعالیٰ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو اُس مقام پر تقیہ کا حکم نہیں دیسکتا جہاں پر تقیہ کرنا غرض بعثت و ہدایت کے منافی فرض کیا جائے اسلئے کہ ایسے موارد میں تقیہ کے جائز نہ ہونے پر عقل مستقل حاکم ہے۔ اس بنا پر اظہار کلمہ کفر کے جائز یا واجب ہونے سے انبیاء ع کا مستثنے کرنا ضروری ہوگا اس لئے کہ اس مقام تقیہ کرنا غرض بعثت کے منافی ہے۔

علاوہ بریں اس مقام پر انبیاء علیہم السلام کا مستثنے ہونا اجماع سے بھی ثابت ہے جیسا کہ فاضل مقداد کی کنز العرفان سے منقول ہوا ہے پس اس مقام پر انبیاء ع کا تقیہ کرنا قسم حرام میں داخل ہوگا۔

اسی طرح انبیاء کا کذب کے واجب یا جائز ہونے سے مستثنے کرنا بھی ضروری ہوگا جس کی وجہ واضح ہے اسیطرح انبیاء علیہم السلام کو مقام تقیہ میں توریہ کا اختیار کرنا معین ہوگا اور ایسے کلمہ کے ساتھ اُن کو تکلم کرنا جائز نہ ہوگا جو محمل صحیح نرکھتا ہو کیونکہ انبیاء ع کی شان مرتفع ہوتی ہے اور وہ اپنے ذکاء و فطنت کی وجہ سے ہر ایک مقام پر توریہ کے استعمال کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اسی لئے اُنمیں اور عامۂ مکلفین میں فرق کیا گیا اور اسی مقام سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر غیر نبی کا توریہ پر قادر ہونا فرض کیا جائے تو اُسکو تقیہ کا ضمن توریہ میں اختیار کرنا معین ہوگا۔ اب اگر غیر انبیاء ع بلکہ خود انبیاء ع بھی تقیہ کے بدون توریہ جائز ہونے کو مطلقاً تجویز کریں تب بھی اسمیں کسی شخص کے لئے توجہ کرنے کا محل نہ ہوگا اس لئے کہ جواز تقیہ کے شواہد و دلائل جو اُس کے مطلقاً جائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں قبل ازیں مذکور ہو چکے ہیں۔

اور اسیطرح ان حضرات پر اُس جگہ تقیہ کرنا بھی جائز نہ ہوگا جہاں کہ صورت تقیہ میں

حق کا باطل کے ساتھ ملتبس ہونا یا حق کا نیست و نابود ہو جانا فرض کیا جائیگا یہی وجہ ہے
کہ عہد بنی اُمیہ میں اتمام حجت اور اظہار حق کی مصلحت سے حضرت سید الشہداء نے
تقیہ کو برطرف کر دیا اور اعداء دین سے ظاہر بظاہر مقابلہ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہونیکو
اختیار فرمایا تاکہ دین خدا بالمرہ پوشیدہ نہ ہو جائے۔ اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے
کہ اگر وہ حق کی طرف دعوت کرتے تو ہم اُن کی نصرت و مدد کرتے اور لوگوں پر ظاہر
ہو جائے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ ع کے زمانہ میں جو لوگ حضرت کی اطاعت کا دم
بھرتے تھے وہ محض زبانی جمع خرچ تھا اور درحقیقت اُن کو دین حق کے باقی رہنے سے کوئی دلچسپی
نہ تھی پس جبکہ حق واضح ہو گیا اور حجت خدا تمام ہو گئی اور امت کا غدر و شقاوت میں
منہمک ہونا ظاہر ہو گیا تو حضرت امام زین العابدین ع کے لئے اکثر امور میں تقیہ کرنے کے
سوا کوئی چارہ نہ رہا تا اینکہ رفتہ رفتہ حکومت بنی اُمیہ میں ضعف و اضمحلال کے آثار
بہم پہونچے اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کو تقیہ کی
اُسقدر حاجت نہ رہی جو حکومت بنی اُمیہ کی قوت و استحکام کے زمانہ میں پیش آتی تھی
اسی لئے ان دونوں بزرگواروں نے اظہار حق کے مقام پر بہ نسبت دیگر حضرات کے
بہت کم تقیہ فرمایا۔ اسی طرح ان بزرگواروں سے اُس مقام پر بھی تقیہ کا وجوب
یا جواز مستثنیٰ ہو گا جہاں کہ اعلان دعوت اور اظہار نبوت کا واجب ہونا فرض کیا جائیگا
اسی طرح انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے لئے اُس مقام پر بھی تقیہ کرنا جائز نہو گا جہاں پر کسی
امر حق کے معلوم ہونے کا بغیر اُن کے بیان کے کوئی طریقہ نہ ہو اور بغیر اُس کے بندوں پر
خدا کی حجت تمام نہ ہو سکتی ہو یہ مطلب اگرچہ واضح ہے اور عقول سلیمہ اُسکے ادراک میں
مستقل ہیں لیکن مزید تائید کے لئے اس مقام پر جناب شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ کے کلام کا
جو اُنکی کتاب تلخیص الشافی کے مقامات مختلفہ پر مذکور ہے بطور تیمن و تبرک وارد کرنا
مناسب معلوم ہوتا ہے جسمیں مطالب مذکورہ کا مفصل تذکرہ موجود ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ما الرسول فانما تجز التقية عليه
لان الشريعة لا يعرف الا من جهته ولا يوصل اليها
الا بقوله فمتى جازت التقية عليه لم يكن لنا الى العلم
بما كلفناه طريق وليس العلم بان الامام منصوص
عليه موقوفا على قول الامام ولا يعلم الا
من جهته حتى يكون تقية دافعة لطريق العلم
فبان الفرق بين الامرين۔ فان قيل
اليس من قولكم ان قول الامام
حجة في الشرايع وقد يجوز
عندكم ان ينتهي الامر
الى ان يكون الحق لا يعرف
الا من جهته وبقوله بان
يعرض الناقلون عن النقل
فلا يرد الا من جهته من لا تقوم
الحجة بقوله وهذا يوجب مساواة الامام
للرسول عليه السلام فيما فرقتم بينهما فيه
قلنا اذا كانت الحال في الامام على
ما صورتموه وتعينت الحجة في قوله فان التقية
لا تجوز عليه
كما لا تجوز على النبي
عليه السلام۔

رسول پر تقیہ کرنا اسلئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اُن کے شریعت
معلوم نہیں ہو سکتی اور اُسکے حاصل ہونیکا اُنکے قول
کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے پس اگر اُن پر تقیہ جائز ہوگا تو ہمارے
لئے تکلیفات شرعیہ کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ
باقی نہ رہیگا بخلاف امام کے کہ انکا منصوص ہونا
قول امام پر موقوف نہیں ہے اور نہ یہ کہ بغیر اُنکے معلوم
نہو سکتا تا اینکہ اُنکے تقیہ کرنے سے حصول علم کا کوئی
طریقہ باقی نہ رہے۔ پس نبی اور امام میں فرق ظاہر ہو گیا
اگر کہا جائے کہ آیا تم اس امر کے قائل نہیں ہو کہ
احکام شریعت میں امام کا قول حجت ہے اور تمہارے
نزدیک جائز ہے کہ کسی وقت ایسی حالت پیدا
ہو جائے کہ حق اُسوقت تک معلوم نہو جبتک کہ امام
اُسکو بیان نکردے باینطور کہ احکام شریعت کے
روایت کرنے والے نقل کرنے سے اعراض کریں
اور اُن احکام کو ایسے ہی لوگ نقل کریں جنکا قول
حجت نہو۔ پس اس صورت میں امام کا اُن چیزوں میں
مساوی رسول ہونا لازم آئیگا جنمیں کہ تم نے فرق کیا تھا
تو ہم جواب دینگے کہ جب امام کے لئے صورت
پیش آئیگی کہ جسکو تم نے بیان کیا ہے اور حجت کا
اُنہیں کے قول میں منحصر ہونا فرض کیا جائیگا تو امام
بھی تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا جس طرح کہ نبی کو جائز نہیں ہے

فان قيل فلو جوزنا ان النبي عليه السلام قد بين جميع الشرائع والاحكام التي يلزمه بيانها حتى لم تبق شبهة في ذلك ولا ارتياب كان يجوز في الحال هذه عليه التقية في بعض الاحكام قلنا ليس يمتنع عند قوة اسباب الخوف الموجبة للتقية ان يتقي اذا لم يكن تقية مخلة بالوصول الى الحق ولا منفرة عنه۔

اگر کہا جائے کہ اگر نبی شریعت کے اُن تمام احکام کو بیان کرے جنکا بیان کرنا اُنپر لازم تھا تا اینکہ اُسمیں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے تو آیا ایسی حالت میں بھی اُنپر بعض احکام میں تقیہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں تو ہم جواب دینگے کہ جب خوف کے ایسے اسباب کا مجتمع ہونا فرض کیا جائے گا جو موجب تقیہ ہیں تو نبی کا ایسی حالت میں تقیہ کرنا ممتنع نہ ہوگا بشرطیکہ اُنکا یہ تقیہ حق کے حاصل ہونے میں مخل اور اُنسے نفرت کرنے کا سبب نہ ہو۔

اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

ان الامام لا يجوز ان يتقي فيما لا يعلم الا من جهته ولا طريق اليه الا من جهة قوله وانما تجوز التقية عليه فيما قد بان بالحجج والبينات ونصبت عليه الدلائل حتى لا يكون فتياه فيه مزيلة لطريق اصابة الحق وموقعة للشبهة ثم لا يتقي في شيء الا ويدل على خروجه منه مخرج التقية اما بما يصاحب كلامه او يتقدمه او يتاخر عنه

امام پر اُن چیزوں میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے جو بغیر اُنکے بیان کے معلوم نہ ہو سکتے ہوں اور اُن (امام) پر اُنہیں چیزوں میں تقیہ کرنا جائز ہوگا جو دلیل و براہین سے معلوم ہو چکی ہیں تاکہ اُنکے فتوے سے حصول حق کا طریقہ زائل نہو اور اُس (فتوے) کی وجہ سے کوئی شبہہ پیدا نہو بعد ازآں امام جب کسی شے میں تقیہ کرینگے تو اُنپر اس امر کا بیان کر دینا لازم ہوگا جس سے اُن کے کلام کا مقام تقیہ میں صادر ہونا معلوم ہوجائے خواہ اپنے کلام کے ساتھ کوئی ایسا امر بیان کردیں جو اس مطلب پر دلالت کرتا ہو یا اُس کلام سے قبل یا بعد کسی ایسی چیز کو ظاہر کردیں جس سے اُسکا

ومن اعتبر جمیع ما روی عن ائمتنا علیہم السلام علے سبیل التقیۃ وحدہ لا یعری مما ذکرناہ۔	مقام تقیہ میں صادر ہونا معلوم ہوجائے اور جو شخص کہ ہمارے ائمہ ؑ کی اُن جملہ روایتوں میں غور کریگا جو بر سبیل تقیہ نقل کئے گئے ہیں تو انکو اُن چیزوں سے خالی نہ پائیگا جنکو کہ ہمنے بیان کیا۔

اور تیسرے مقام پر تحریر فرمایا ہے کہ۔

ان التقیۃ لا تجوز علی النبی والامام فیما لا یعلم الا من جھتہ	نبی اور امام پر اُن چیزوں میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے جو بغیر اُن کے معلوم نہیں ہوسکتیں۔

تقیہ کے جائز ہونے پر بعض شبہات اور اُن کا دفعیہ

اس مقام پر بعض لوگوں نے تقیہ کے جائز ہونے پر کچھ شبہات کئے ہیں لہذا انکا نقل کرنا اور بروجہ اجمال اُنسے تعرض کرنا مناسب ہے۔

پہلا شبہہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقیہ اور نفاق میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک میں کسی ایک امر کا پوشیدہ کرنا اور اُسکے خلاف کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اور چونکہ نفاق حرام ہے لہذا تقیہ بھی حرام ہوگا۔

جواب۔ نفاق اور تقیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ نفاق سے کفر کا اعتقاد کرنا اور اُس کا دل میں پوشیدہ رکھنا اور ایمان کا ظاہر کرنا مراد ہوتا ہے اور تقیہ سے امر حق کا اعتقاد رکھنا اور اس کا پوشیدہ رکھنا اور باطل کا محض زبان سے ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے لہذا ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا مع الفارق اور نفاق و تقیہ کو ایک قرار دینا ذہنی ہے

دوسرا شبہہ۔ اگر انبیاء ؑ پر تقیہ کرنا تجویز کیا جائے گا تو لازم آئیگا کہ وہ دروغ گوئی کے مرتکب ہوں حالانکہ اگر انبیاء پر اگرچہ ازراہ تقیہ ہی سہی دروغ گوئی کا اختیار کرنا جائز ہو تو اُن کے قول پر اعتماد و وثوق باقی نہیں رہ سکتا اور اس صورت میں غرض بعثت حاصل نہ ہوگی۔

اور احکام نہیہ کا اُمت تک پہونچانا ممکن نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اول امر میں جبکہ کوئی ناصر و معین موجود نہیں ہوتا تو انبیاء کو تقیہ کی حاجت زائد ہوتی ہے۔ پس اگر اوائل امر میں اُنسے حکم الٰہی کی ممانعت تجویز کیجائے گی اور قوم کی ایذا رسانی کا خوف فرض کیا جائیگا تو احکام الٰہی کے معلوم ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔

جواب۔ انبیاء ع پر دروغ گوئی کو کسی عالم نے تجویز نہیں کیا اور علماء فریقین نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انبیاء ع جس امر پر منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں اُسکو بجا لاتے ہیں۔ پس جو بزرگوار کہ اسکے خلاف کا دعوے کریں وہ اپنی راست گوئی پر کوئی شاہد بیّن قائم کریں۔ اور اگر انبیاء ع پر از راہ تقیہ دروغ گوئی کو بھی تجویز کیا جائے تب بھی اعتراض کرنا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ انبیاء ع کا تقیہ پر عمل کرنا کتب فریقین سے ثابت ہے اور انبیاء ع کے تقیہ کرنے سے غرض بعثت اُسی وقت باطل ہوگی جبکہ اُنکا ہر ایک مقام پر ہر وقت تقیہ کرنا تجویز کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُنکا تقیہ کرنا نہ کرنا مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تقیہ کے فی الجملہ تجویز کرنے سے اصل نبوت اور غرض بعثت کا حاصل نہ ہونا لازم نہیں ہے جسکی شرح ہو چکی ہے۔

شبہہ۔ تقیہ کا جائز ہونا فقط صدر اسلام ہی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے کہ مومنین نحیف و ضعیف تھے لیکن قوت اسلام کے بعد وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ علت (سبب) کا منتفی ہونا معلول (مسبب) کے منتفی ہونے کو مقتضی ہے۔ اور یہ قول مجاہد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

جواب۔ یہ شبہہ مغالطہ پر مشتمل ہے اس لئے کہ جب خود اس شبہہ سے جواز تقیہ کا مستضعفین پر مبنی ہونا معلوم ہوا تو صدر اسلام کے بعد بھی ہر زمانہ میں یہ حکم اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جبکہ کسی مسلمان کو کسی وقت کچھ ضعف عارض نہو۔ حالانکہ شوکت اسلام کے زمانہ میں بھی ضعف کے مطلقاً مرتفع ہو جانے کا قائل ہو جانا صحیح نہیں ہے پس ارتفاع علت

وسبب کی صورت میں وجود معلول وسبب کا قائل ہونا نادانی یا فریب ہی پر مبنی ہوگا۔ فرض کرو کہ کسی دیہات میں کوئی یکہ وتنہا مسلمان کفار ومشرکین کے نرغہ میں گھر جائے اور امر حق کے ظاہر کرنے میں اُسکے ہلاک ہونے کا یقین ہوجائے تو ایسی حالت میں بحکم عقل وشرع اُس (تقیہ) کا اختیار کرنا لازم ہوگا۔ حالانکہ یہ زمانہ صدر اسلام کا نہیں ہے۔ پس یہ کہنا کہ صدر اسلام کے بعد اُسکی شوکت کے سبب سے حکم تقیہ قیامت تک کے لئے بالکل برطرف ہوگیا محض بے معنی ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ تقیہ کا حکم بھی باقی احکام کی طرح وجود شرائط کی صورت میں تا قیامت باقی ہے۔ چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح کے باب الاکراہ میں آیۂ شریفہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اور آیۂ شریفہ الا ان تتقوا منہم تقاۃ کے بعد فرمایا ہے کہ تقاۃ سے تقیہ مراد ہے۔ اور حسن بصری کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ

التقیۃ الی یوم القیامۃ } تقیہ تا قیامت باقی ہے۔

اور یہ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

الاعمال بالنیۃ } اعمال نیت کے ساتھ ہیں۔

اور فاضل گجراتی نے مجمع بحار میں لفظ تقاۃ سے جو قرآن مجید میں واقع ہوا ہے تقیہ کی مراد ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور تقیہ کے معنی لکھے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ما فی الضمیر (عقیدہ وغیرہ) کے ظاہر کرنے سے خوف کرنا جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے اور امام فخر الدین رازی نے حسن بصری کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ۔

وھذا القول اولی لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامکان۔ | اور یہ قول اس لئے بہتر ہے کہ نفس سے ضرر کا بقدر امکان دفع کرنا واجب ہے۔

اور امام رازی کے اس قول سے بھی تقیہ کا ہر زمانہ میں واجب ہونا مستفاد ہوتا ہے

کیونکہ یہ وہی دلیلؐ عقلی ہے جسکو علماء اسلام نے تقیہ کے جواز پر وارد کیا ہے

له اس مقام پر زیادہ تر عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں ایسے مطالب تحریر کئے ہیں جن سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا تقیہ کے شرائط پر مطلع نہ ہونا اور حفاظت نفس کے درپے نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس بارہ میں حجام کی برابر بھی سمجھ نہ رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ابتدار اسلام اور ضعف مسلمین کے زمانہ میں دعوت اسلام کا بالاعلان خطبہ پڑھا جسکے بعد کفار قریش نے اُن کی جناب میں بیحد گستاخی اور بے ادبی کی۔ اور جبکہ شوکت اسلام کا زمانہ آیا تو جنگ حنین میں مسلمانوں کو انکی کثرت پر چشم زخم لگا کر حضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر فرار کر گئے۔ چنانچہ حسین بن محمد بن حسین دیار بکری نے کتاب خمیس میں جس جگہ کہ حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام کا ذکر کیا ہے حافظ ابو قاسم دمشقی سے نقل کیا ہے کہ۔

ان اسلامه کان یوم ضرب ابوبکر حین ظهر النبی صلی الله علیه وسلم قبل اسلام عمر من دار الارقم وروی ان ذلك کان قبل اسلام عمر بثلاثة ایام والتوفیق بین الاحادیث کلها ممکن کذا فی ذخائر العقبی وفی المنتقی وکان حمزة بن عبد المطلب اسلم یوم ضرب ابوبکر وذلك ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ورضی عنهم لما اجتمعوا وکانوا تسعة وثلاثین رجلا الح ابوبکر علی رسول الله م فی الظهور فقال ابابکر انا قلیل فلم یزل یلح علیه حتی ظهر رسول الله م فی نواحی المسجد وقام ابوبکر فی الناس خطیبا ورسول الله علیه وسلم جالس

حضرت امیر حمزہ کا اسلام اُس روز واقع ہوا تھا جس روز کہ حضرت ابوبکر کی زدوکوب کی گئی تھی۔ جبکہ حضرت رسول خداؐ اسلام حضرت عمر کے قبل خانہ ارقم سے ظاہر ہوئے تھے۔ اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے تین روز قبل ہوا تھا اور جملہ احادیث میں جمع کرنا ممکن ہے جیسا کہ کتاب ذخائر العقبی میں مرقوم ہے اور کتاب منتقی میں لکھا ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب اُس روز اسلام لائے تھے جس روز کہ حضرت ابوبکر کی زدوکوب کی گئی تھی اور یہ واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ جب حضرت رسول خداؐ کے اصحاب مجتمع ہوئے اور وہ اُنتالیس آدمی تھے تو حضرت ابوبکر نے حضرت رسول خداؐ سے ظاہر ہونے میں اصرار فرمایا پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر ہم قلیل ہیں پس وہ حضرت سے برابر اصرار کرتے رہے یہانتک کہ حضرتؐ نے نواحی مسجد میں ظہور فرمایا اور حضرت ابوبکر نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور حضرت رسول خداؐ بیٹھے ہوئے تھے

(بقیہ حاشیہ متعلق صفحہ ۴۲۸)

وکان اول خطیب دعا الی اللہ عز وجل والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثار المشرکون علی ابوبکر وعلی المسلمین یضربونھم فی نواحی المسجد ضربا شدیدا ووطی ابوبکر وضرب ضربا شدیدا ودنا منہ الفاسق عتبہ بن ربیعہ فجعل یضربہ بنعلین مخصوفتین ویحرفھما بوجھہ واثر علی وجہ ابی بکر حتی مایعرف انفہ من وجھہ وجاءت بنو تیم تتعادی فاجلو المشرکین عن ابی بکر وحملوا ابابکر فی ثوب حتی دخلوہ بیتہ ولا یشکون فی موتہ

اور حضرت ابوبکر پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے خدا ورسول کی طرف دعوت دی تھی۔ اور حضرت ابوبکر اور دوسرے مسلمانوں پر مشرکین ٹوٹ پڑے اور نواحی مسجد میں انکی بہت زدوکوب کی اور حضرت ابوبکر روند ڈالے گئے اور ضرب شدیدہ سے مجروح کئے گئے۔ اور عتبہ بن ربیعہ فاسق انکے پاس گیا اور انکو اپنی دونوں جوتیوں سے جنمیں پیوند لگے ہوئے تھے مارنا شروع کیا اور انکو حضرت ابوبکر کے چہرہ پر مارتا تھا اور ان دونوں جوتیوں نے حضرت ابوبکر کے چہرہ پر اثر کیا تا اینکہ انکی ناک انکے چہرہ سے ممتاز نہ ہوتی تھی۔ اور بنی تیم (جو حضرت ابوبکر کی قوم کے لوگ تھے) دوڑتے ہوئے آئے اور مشرکین کو حضرت ابوبکر کے پاس سے ہٹایا اور حضرت ابوبکر کو ایک کپڑے میں اٹھایا تا اینکہ انکو انکے گھر میں داخل کیا۔ اور وہ انکے مرجانے میں شک رکھتے تھے۔

رہا یہ امر کہ حضرت ابوبکر نے شوکت اسلام کے زمانہ میں فرار اختیار کیا اُسی کی طرف اشارہ کرنے کو آیۂ شریفہ ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم الخ اور روایت لن نغلب الیوم عن قلۃ (آج کے دن ہم قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے) کافی ہے۔ جسکی تفصیل کسی موقع پر آیندہ مذکور ہوگی۔ اور اسی واقعہ کی طرف فاضل علامہ عبد الحمید

لے الحدید معتزلی نے جو منجملہ اعاظم علمائے اہل سنت وجماعت ہیں اپنی ان شعروں میں اشارہ کیا ہے ؎

واعجب انسانا من القوم کثرۃ فلو تغن شیئا ثم ھرول مدبرا
ولیس بنکر فی حنین فرارہ ففی احد قد فر خوفا خیبرا

جسکا محصل یہ ہے کہ منجملہ اہل اسلام ایک انسان کو کثرت لشکر نے بہت متعجب کیا لیکن وہ کثرت اُن کے لئے کچھ بھی مفید نہ ہوئی۔ اور پشت پھیر کر فرار کر گئے۔ اور انکا جنگ حنین میں فرار کرنا قابل انکار نہیں ہے کیونکہ وہ جنگ احد اور خیبر میں بھی

چوتھا شبہہ - اگر انبیاء ع کا تقیہ پر عمل کرنا تجویز کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ انبیاء ع کے لئے کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا اور اُسمیں تقیہ کا اختیار کرنا بھی جائز ہو اور اس صورت میں تبلیغ احکام کا معطل ہونا لازم آتا ہے جسکا جائز نہ ہونا بہت واضح ہے۔

جواب - انبیاء ع پر تقیہ کے فی الجملہ تجویز کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کے لئے ہر ایک مقام پر تقیہ کرنا جائز ہو۔ اور تبلیغ احکام کا معطل ہونا اُسی وقت لازم آسکتا ہے۔ جبکہ انبیاءؑ کے لئے ہر ایک وقت میں تقیہ پر عمل کرنا جائز ہوتا تجویز کیا جائے۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ ضرورت تبلیغ کے مقام پر فریقین میں سے کسی عالم نے انبیاءؑ کی لئے تقیہ کو تجویز نہیں کیا

اسکے علاوہ یہ ہے کہ کسی عالم نے انبیاء ع کی نسبت اس امر کو ہرگز تجویز نہیں کیا کہ اُن کو کلمۂ کفر کی زبان پر جاری کرنے میں تقیہ کرنا جائز ہے بلکہ اُسکے مستثنےٰ ہونے پر فریقین نے اتفاق کیا ہے اور اگر اس سے قطع نظر کیجائے تو چونکہ جو کلام از راہ تقیہ واقع ہوتا ہے وہ حقیقت کفر سے خارج ہے کیونکہ حقیقت کفر سے اعتقاد ایمان کا حاصل نہ ہونا یا منافیات ایمان کا اعتقاد کرنا مراد ہوتا ہے۔ اور جس مقام پر کلمۂ کفر کا از راہ تقیہ فقط زبان پر جاری ہونا فرض کیا جاتا ہے سو وہاں پر ایمان کے صحیح ہونے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۹) کفار کے ڈر سے بھاگ گئے تھے۔

اسی طرح علماء سنت وجماعت نے حضرت عمر بن الخطاب کی نسبت بھی تحریر فرمایا ہے کہ وہ باوجود تند خوئی اور درشتی مزاج کے جنگ کے موقع پر بھاگ جایا کرتے تھے۔ حالانکہ ابتداء اسلام میں اُنکا یہ مقولہ مشہور تھا۔

یا رسول اللہ اللات والعزیٰ یعبدان علانیۃ ویعبد اللہ سرًا	اے رسول خداؐ لات و عزیٰ کی عبادت تو علانیہ کیجائے اور خدا کی عبادت پوشیدہ کیجائے۔

اور حضرت عمر کے قول مذکور کو بعض لوگوں نے اس طرح نظم کیا ہے ؎

ایعبد اللات والعزیٰ علانیۃ ویعبد اللہ سرا قالہ عمر

آیا لات و عزیٰ کی عبادت علانیہ کیجائے اور خدا کی عبادت پوشیدہ طور سے کیجائے اس مطلب کو حضرت عمر نے ارشاد فرمایا ہے

کفر کے باطل ہونے کا اعتقاد حاصل ہوتا ہے۔ لہذا کلمہ کفر کا از راہ تقیہ صادر ہونا حقیقت کفر کے مغائر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تقیہ کا انبیاؑ پر تجویز کرنا بالکل بے اشکال ہوگا۔

پانچواں شبہہ اگر نبی اور غیر نبی دونوں پر تقیہ کا اختیار کرنا تجویز کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ حجت خدا باطل ہو ۔ پس اگر غیر نبی پر تقیہ کا جائز ہونا تجویز بھی کیا جائے تو اسکا نبی کے لئے تجویز کرنا بہر حال باطل ہوگا۔

جواب اگرچہ علماء فریقین نے تقیہ کو نبی اور غیر نبی دونوں پر تجویز کیا ہے۔ اور یہ کہ انبیاؑ پر فی الجملہ اور غیر انبیاؑ پر اُن مقامات کے سوا جو بدلیل خاص مستثنیٰ ہو چکے ہیں اُس (تقیہ) کو اختیار کرنا راجح یا واجب ہے لیکن حجت خدا کا باطل ہونا اُسی وقت لازم ہوگا جبکہ نبی اپنی نبوت کو اور ثبوت دعویٰ کی غرض سے معجزہ کو ظاہر نہ کرے۔ پس اگر اظہار معجزہ کے بعد خوف اعداء کی بنا پر نبوت کا مخفی کرنا فرض کیا جائے تو کسی قسم کا مضائقہ نہ ہوگا۔ اور حجت خدا ہرگز باطل نہ ہوگی۔ جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔

چھٹا شبہہ قول باری تعالےٰ۔

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۷ سورۃ الانعام) } اور اگر شیطان تمکو بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔

سے تقیہ کا انبیاؑ اور اوصیاءؑ پر جائز نہ ہونا مستفاد ہوتا ہے لہذا ان بزرگواروں پر تقیہ کا تجویز کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور یہ قول جبائی کی طرف منسوب ہے۔

جواب اعلام فریقین نے انبیاؑ اور اوصیاءؑ پر تقیہ کو اُسیوقت تجویز کیا ہے جہاں لوگوں پر حجت تمام نہ ہو چکی ہو اور دلیل قطعی جو مفید علم ہو قائم ہو چکی ہو لیکن جس مقام پر بدون نبی و وصی کی معرفت نہ ہو سکتی ہو اور کوئی قطعی حجت اُسپر قائم نہو تو اُنپر تقیہ کو کسی شخص نے تجویز نہیں کیا ہے اسی طرح جبکہ نبی نے کسی حکم شرعی میں حجت کو تمام کر دیا ہو تو اُن کو وقت مصلحت و سری حالت میں اُسکے بیان کا چھوڑ دینا جائز ہوگا۔ اور اس مقام پر جناب مقدس اردبیلی علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ اس آیت سے نفی تقیہ پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ مطلق ہے جو عدم

خوف و ضرر کے ساتھ مقید ہوسکتی ہے۔
اسکے علاوہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کا صلح حدیبیہ کے وقت تقیہ کرنا علماء فریقین کی تصریح سے ثابت ہے چنانچہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

ان رسول اللہ محا اسمہ یوم الحدیبیہ واعطاھم امورا ھو محارب علیہا فی الباطن وھو قریب من التقیہ۔	حضرت نے اپنے نام کو حدیبیہ کے دن محو کیا تھا اور انکو ایسے اُمور عطا فرمائے تھے کہ خود انپر باطن میں جنگ کرنیکا ارادہ رکھتے تھے اور یہ تقیہ سے قریب ہے۔

اور جو کچھ کہ اس عبارت میں بیان فرمایا ہے وہ واقعہ کے مطابق اور جواز تقیہ کے مؤیدات میں منسلک ہے کیونکہ تقیہ اُسی مقام پر جائز ہوتا ہے جہاں پر کہ ضرورت و مصلحت کی وجہ سے ایسے اُمور کا التزام کیا جاتا ہے جو مخالف شریعت ہیں اور صلح حدیبیہ میں بھی ازراہ مصلحت ایسی ہی شرطیں منظور کی گئی تھیں جو خلاف شرع تھیں۔
قسطلانی نے کتاب مواہب میں بیان کیا ہے کہ اگر کہا جائے کہ اس امر میں کیا مصلحت تھی کہ حضرت پیغمبر خداؐ نے صلح حدیبیہ میں سہیل بن عمرو سے اس شرط کو قبول فرمالیا کہ اگر کوئی مسلمان کفار کے پاس سے بھاگ کر حضرتؐ کی خدمت میں چلا آئیگا تو حضرت اُسکو اُن کفار کی طرف واپس کردینگے تو ہم کہینگے کہ اس صلح میں جو مصلحت ملحوظ تھی اُسکے فوائد ظاہرہ میں یہ امر داخل ہے کہ آخر کار مکہ معظمہ فتح ہوا اور اہل مکہ کا اسلام بروجہ احسن جلوہ گر ہوا اور لوگوں نے دین اسلام میں فوج فوج داخل ہونا شروع کیا۔
اور بخاری سے نقل کیا ہے کہ جس وقت شرائط مصالحت طے کئے جاتے تھے تو ابو جندل بن سہیل جو کفار کے ہاتھوں میں اسیر تھے وہ بیڑی اور زنجیر پہنے ہوئے اسفل مکہ سے برآمد ہوئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈالدیا پس سہیل بن عمر نے جو وکیل قریش تھا کہا کہ یہ پہلی وہ شرط ہے جسمیں ہم گفتگو کرتے ہیں یعنی ہم چاہتے ہیں کہ شرط کے موافق انکو ہماری طرف واپس بھیجئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہنوز مصالحت کی تحریر انجام کو نہیں پہونچی۔ سہیل بن عمرو نے کہا

کہ قسم بخدا اس تقدیر پر میں مصالحت کو برہم کرونگا اور ہرگز مصالحت نہ ہوگی پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میری خوشی سے اس امر کو چھوڑ دو سہیل نے کہا کہ میں ہرگز ایسا نکرونگا پس حضرتؐ نے مکرر ارشاد فرمایا اور وہ انکار ہی پر اصرار کرتا رہا۔ جبکہ ابوجندل مایوس ہوگیا تو کہنے لگا کہ اے گروہ مسلمین میں مشرکوں کی طرف پھر لوٹایا جاتا ہوں حالانکہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ آیا تم اس امر کو نہیں دیکھتے کہ مینے ان لوگوں کی تعدی سے کسقدر صعوبتوں کا تحمل کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے ابوجندل سے ارشاد فرمایا

اصبر واحتسب فانا لا نغدر وان الله جاعل لك فرجا ومخرجا۔ } تم صبر کرو اور امیدوار ثواب رہو۔ ہم غدر نہیں کرتے اور حقتعالی تمہارے لئے کشادگی اور راہ چارہ پیدا کریگا

اس کلام کے بعد صاحب مواہب کہتے ہیں کہ علماء نے ابوجندل کے واقعہ کی دو توجیہیں کی ہیں (۱) یہ کہ حق تعالی نے تقیہ کو مسلمانوں کے لئے خوف ہلاکت کے وقت مباح کردیا ہے اور کلمہ کفر کے ساتھ جبکہ دلمیں ایمان کا اعتقاد پوشیدہ ہو تکلم کرنیکی اجازت دی ہے بشرطیکہ توریہ کرنا ممکن نہو۔ پس ابوجندل کا کفار کی طرف لوٹا دینا اس قبیل سے نہ ہوگا کہ حضرت نے اسکو مقام ہلاکت پر پہونچا دیا اس لئے کہ وہ تقیہ کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرسکتا تھا۔

(۲) یہ کہ حضرت اس (ابوجندل) کو اسکے باپ کے سپرد کیا تھا اور غالب یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ہلاک نہیں کرتا باوجود اس کے کہ تقیہ بھی اسکے لئے جائز تھا رہا فتنہ پس دنیا محل آزمائش ہے اور حقتعالی اپنے بندوں کا صبر میں امتحان کرتا ہے جناب علیین مکان فرماتے ہیں کہ صاحب مواہب کا یہ کلام ہمارے مطلب کی کئی وجہوں سے تائید کرتا ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ اس کلام سے تقیہ کا مقام خوف میں علی الاطلاق جائز ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ پیغمبر خداؐ نے خوف اعداء کے سبب سے ایسے امور کا التزام فرمایا تھا

جو شریعت میں امن کے مقام پر جائز نہیں ہیں اور یہ بھی معنی تقیہ میں داخل ہے۔
اور اگر پیغمبروں کے لیے تقیہ کرنا مطلقاً جائز نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ کا فرعون کے پاس تقیہ میں بسر کرنا جیسا کہ قاضی بیضاوی کی تصریح سے معلوم ہوا کیونکر صحیح ہوتا۔ اکثر اوقات انبیاء علیہم نے اوقات فرصت کا انتظار کیا ہے اور ابتداء دعوت میں بھی اُسوقت تک اظہار نبوت پر جسارت نہیں کی جب تک کہ اعوان و انصار بہم نہیں پہونچے۔ یا مہمات ملکی کا حتمی حکم صادر نہیں ہوا پس بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ابتداء دعوت میں تقیہ کی حاجت زائد ہوتی ہے اگر انبیاء کو تقیہ کرنا جائز ہوگا تو ہدایت کا دروازہ بند ہوجائیگا بالکل بے سمجھی کی بات ہے اس لئے کہ باب ہدایت کا مسدود ہونا اُسی وقت لازم آئیگا جبکہ ہم انبیاء کے لئے تقیہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں تجویز کریں حالانکہ ہم اسکے قائل نہیں ہیں پس ابتداء دعوت میں بھی انبیاء اولوالعزم سے فرصت کی تلاش اور مہلت کا انتظار ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ اہل کفر و عدوان کی صحبتوں میں یا ضرر کے دوسرے مقامات میں انبیاء نے اظہار دعوت سے احتراز فرمایا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی علیہما السلام کی سیرت دلالت کرتی ہے۔ اور اس اجمال کی جناب غفران مآب نے حسام الاسلام میں اسطرح تفصیل فرمائی ہے کہ باب ہدایت کا مسدود ہونا اُسی وقت لازم آئیگا جبکہ انبیاء علیہم السلام کے افعال و اقوال کا وجود مصلحت پر مبنی ہونا نہ فرض کیا جائے۔ حالانکہ ان بزرگواروں کے جملہ افعال و اقوال اُسیطرح حکمت و مصلحت کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں جسطرح کہ خداوند عالم کے جملہ افعال و اقوال کا حکمت و مصلحت پر مبنی ہونا معلوم ہے اس لئے کہ یہ حضرات اُسی امر کو بجالاتے ہیں جسپر منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں کبھی اپنے امر کو پوشیدہ فرماتے ہیں کبھی اعلان کے مقام پر اظہار کرتے ہیں اور اپنے جملہ اُمور میں حکمتوں اور مصلحتوں کی مراعات فرماتے ہیں اور اُنپر بڑے بڑے فائدے مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ صاحب مواہب کے کلام سے بھی واضح ہوچکا ہے۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ علماءِ اسلام نے وقت اکراہ اس امر کو تجویز کیا ہے کہ اگر کوئی شخص دفع ضرر کی نیت سے کلمۂ کفر کا اظہار کرے تو اُس سے مواخذہ نکیا جائیگا اور از بسکہ وقت اکراہ تقیہ کا جائز ہونا غیر نبی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا لہذا ثابت ہوگا کہ انبیاءؑ پر بھی کلمۂ کفر کے ساتھ تکلم کرنا جائز ہو۔

پس بعض لوگوں نے جو بعض عمومات کی بنا پر علماء کو الزام دیا تھا اُسکا علماءِ اعلام کی تصریح سے باطل ہونا ثابت ہوا۔ اب اگر اُس حکم سے انبیاءؑ کا مستثنےٰ ہونا فرض کیا جائیگا تو کہہ سکتے ہیں کہ جب انبیاءؑ کو تبلیغ احکام کا حکم دیا جائیگا تو اُنکو تقیہ کرنے کی اجازت نہوگی اور اگر غیر وقت دعوت میں انبیاءؑ کا تقیہ کرنا فرض کیا جائیگا تو اُن (انبیاء) کو توریہ کا اختیار کرنا متعین ہوگا اس لئے کہ تحفظ ضرر کے مقام پر توریہ کرنا بھی داخل تقیہ ہے جیسا کہ اوپر کی عبارتوں میں مذکور ہو چکا ہے اور اس صورت میں انبیاءؑ کا بعض اوقات اعلان پر اور بعض اوقات کتمان پر مامور ہونا ثابت ہوگا اس لئے کہ کسی عالم نے انبیاء کے لئے کلمۂ کفر و دروغ کے ساتھ کلام کرنے کو تجویز نہیں کیا۔ بلکہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ نے کنز العرفان میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ حکم مذکورہ سے انبیاءؑ بالاجماع خارج ہیں۔ اور جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ نے اس مقام پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہماری کتابوں میں اس امر کا نشان تک موجود نہیں ہے کہ ہم انبیاءؑ پر کلمۂ کفر کے ظاہر کرنے کو از راہ تقیہ تجویز کرتے ہیں اور احادیث تقیہ کی اس مطلب پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کی ایک قسم توریہ بھی ہے اور اُس سے ایسے لفظ کا جو کئی معنی رکھتا ہو استعمال کرنا اور دشمنوں کے خوف سے بیان مقصود میں ابہام کرنا مراد ہے اور کلمۂ دروغ کے ساتھ تکلم کرنا تقیہ کے لئے ہرگز لازم نہیں ہے جسکی تفصیل میں قبل ازیں کلام ہو چکا ہے۔

ساتواں شبہہ تقیہ کرنے اور خدا کے سوا کسی سے خوف نکرنے میں منافات ہے

اور حدیث کافی میں وارد ہوا ہے کہ۔

وقل الحق للامن والخوف ولا تخش الا اللہ۔ { امن و خوف دونوں میں سچ بات کہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

پس انبیاءؑ اور اوصیاءؑ پر تقیہ کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

جواب خدا کے سوا کسی سے خوف نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ہر ایک حالت میں پروردگار عالم کی اطاعت کیلئے۔ اور ہر ایک کام پر اُسکی خوشی مقدم رکھی جائے۔ اگر قتل ہو جانے یا داخل آتش ہو جانے میں اُسکی خوشی ہو تو اُسکو بطیب خاطر بجالائے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت جرجیسؑ یا حضرت امام حسینؑ کے واقعات اس مطلب پر شاہد ہیں۔ اور صفحات تاریخ میں تا روز قیامت جلی حرفوں سے ناصیہ روزگار پر چمکتے رہینگے۔ اور اگر حقتعالیٰ بندہ کو تقیہ اور توریہ کا حکم دے تو اُس سے ہرگز دل تنگ نہوا اور خلاف مقتضائے طبع پر صبر و تحمل کے ساتھ اُسکو بجالائے اور کسی کے طعن و تشنیع کرنیکی طرف التفات نکرے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ سے فرعون کے گھر میں۔ اور حضرت رسول خداؐ سے غار ثور میں۔ اور حضرت امیر المومنینؑ سے خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں صادر ہوا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حقتعالیٰ نے حکم تقیہ کے ساتھ ہی ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۔ پارہ ۳ سورہ آل عمران } اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے۔

جو خداوند عالم سے خوف کرنے میں مزید اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں باہم کوئی منافات نہیں ہے اس لئے کہ اُس سے حسب تصریح قاضی ناصر الدین بیضاوی یہ مراد ہے کہ تم خدا کے احکام کی مخالفت کر کے اُسکی ناراضی کے درپے نہو۔ اور جو شخص کہ جواز تقیہ کے مقام پر اُس (تقیہ) کو اختیار کرتا ہے وہ ہرگز حکم خدا کی مخالفت نہیں کرتا اور اُسکی ناراضی کے درپے نہیں ہوتا۔ پس اگر خوف خدا سے تقیہ کا ممنوع ہونا

فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ خدا نے ایسے دو حکم دیے ہوں جنمیں باہم منافات اور تناقض ہے اور یہ محال ہے۔

آٹھواں شبہ بعض لوگوں نے خصوص حضرات ائمہ معصومین کے لئے تقیہ کے جائز ہونے پر اُس صحیفہ قدسیہ کے ساتھ استدلال کیا ہے جو امالی اور بحار الانوار میں منقول ہوا ہے۔ اور اُس میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی نسبت مذکور ہے۔

حدث الناس و افتهم و انشر علوم اهل بيتك و صدق بآبائك و لا تخافن غير الله فانه لاسبيل لاحد عليك

تم لوگوں سے حدیثوں کو بیان کرو اور اپنے اہل بیت کے علوم کو پھیلاؤ اور اپنے آبا کی تصدیق کرو۔ اور تم خدا کے سوا کسی سے خوف نکرو تم پر کسی شخص کو تسلط نہوگا

و اُسی صحیفہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسبت مرقوم ہے۔

حدث الناس و افتهم و لا تخافن احدا الا الله و انشر علوم اهل بيتك و صدق آبائك الصالحين فانك في حرز و امان۔

تم لوگوں سے حدیثیں بیان کرو اور اُن کو فتوے دو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ اور اپنے اہل بیت کے علوم کو پھیلاؤ اور اپنے آبا صالحین کی تصدیق کرو اس لئے کہ تم حفظ و امان میں رہوگے۔

پس بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے ان دونوں اماموں کو تقیہ سے محفوظ رکھا تھا اور خلافت بنی اُمیہ و عباسیہ دونوں میں اُنکو شر اعدا سے بچانے کا وعدہ فرمایا تھا پس بعض اعیانِ علم کا یہ کہنا کہ حضرت امام جعفر صادق ع کے فتاویٰ میں بہ نسبت دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کے تقیہ کا زائد استعمال ہوا ہے درست نہیں ہے اور شاید کہ اُنہوں نے بعد حمد فارسی کے اس شعر کو نہیں پڑھا جسمیں مذہب تشیع کو خصوص حضرت امام جعفر صادق ع ہی کی طرف منسوب کیا ہے ؎

جعفری باش گر خدا خواہی ٭ ورنہ در ہر طریق گمراہی

جواب جناب علیین مکان نے جو کچھ شبہ مذکورہ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اُسکا

خلاصہ یہ ہے کہ اس مقام پر مستدل نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُن کے سوءِ فہم کا نتیجہ اس لئے کہ اُنکا یہ کلام مثل اس کے ہے کہ قول باریتعالی

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿ پارہ ۲۴ سورۃ المؤمن } (سوال کیا جائیگا کہ آج سلطنت کس کی ہے (جواب) خدائے یکتا و زبردست کی۔

کی نسبت کہا جائے کہ اس سے مُلک کا مِلک واجب تعالیٰ میں داخل ہونا روزِ قیامت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کہ قیامت کے علاوہ باقی دنوں میں وہ (مُلک) اُس کا نہیں ہے۔ اسیطرح مستدل کا یہ کلام مثل اس کے قرار پائیگا کہ قول واجب تعالیٰ

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴿ پارہ ۸ سورۃ الانعام } (اے رسول) کہدو کہ مجھ پر جو وحی آئی ہے میں اُسمیں کسی کھانے والے پر (جو اشیاء مذکورہ چھوڑ کر) کچھ کھائے کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوا اسکے کہ مردار ہو یا اُچھل کر نکلا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ سب گندی چیزیں ہیں یا نافرمانی کا ذبیحہ غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

کی نسبت کہا جائے کہ اس آیۂ شریفہ سے حرام چیزوں کا اشیاء مذکورہ میں منحصر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس اُن کے علاوہ ہر ایک چیز حلال اور مباح ہوگی۔ اسی طرح مستدل کا یہ کلام مثل اس کے ہے کہ حدیث مشہور

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ } جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ داخل جنت ہوگا۔

کی نسبت کہا جائے کہ اس حدیث سے نجات متکلم کا اسی کلمۂ طیبہ میں منحصر ہونا ثابت ہے اگرچہ باقی ضروریات کا اقرار نہ کیا جائے۔ اور اگر مستدل اس کا التزام کریں تب بھی کوئی تعجب خیز بات نہ ہوگی اس لئے کہ حضرت عمر نے ابوہریرہ کے سینہ پر جبکہ اُن کو حضرت رسول خدا ص نے اس حدیث کے بیان کرنے پر مامور کیا تھا ایسی ضرب لگا

کہ وہ زمین پر گر پڑے پس حضرت عمر کے اتباع سے اِس قسم کی باتوں کا ظاہر ہونا تعجب نہیں ہے
لیکن جبکہ مقامات مذکورہ میں حصر اضافی فرض کیا جائیگا اور باقی نصوص و دلائل انکی تخصیص میں
کافی سمجھے جائینگے تو مانحن فیہ میں بھی اسی قسم کی تاویلات کا فرض کرنا لازم ہوگا اور اس تقلیل کی
صادق آتے ہیں جو صحیفہ قدسیہ سے منقول ہوئی ہیں اسیقدر کافی ہوگا کہ وجوب اعلان کو تمام ہر
کسی شخص کو تسلیم نہ ہو خصوصاً جبکہ ان دونوں اماموں کے لئے بہ نسبت باقی حضرات کے
اسباب اعلان کا زائد موجود ہونا بھی مفروغ از بحث ہو کیونکہ اسمیں شک نہیں ہے کہ ان
دونوں بزرگواروں علی الخصوص حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں احکام شرعیہ اسقدر منتشر
ہوئے ہیں جنکا حصر دشوار ہے۔ اور چار سو کتابوں کا چار سو مصنفوں کے لئے بہم پہونچنا اور ہزاروں
روایتوں کا منقول ہونا حضرت ہی کی ذات بابرکات کیساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے عام طور
پر لوگ آپکو تقیہ کی نسبت کہتے تھے لیکن بعض موارد میں جو حضرت نے حکم پروردگار کے موافق تقیہ اور
توریہ پر عمل فرمایا ہو وہ نشر احکام اور خوف خدا کے منافی نہ ہوگا۔ اگر حضرت کا بعض احکام میں
بحکم خدا تقیہ اور توریہ کو اختیار کرنا خوف خدا کے منافی فرض کیا جائیگا تو لازم آئے گا کہ حضرت
رسول خدا نے بھی خوف کفار کو خوف خدا پر مقدم کیا ہو جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا
اور اس مطلب کی فی الجملہ توضیح یہ ہے کہ جب حضرت رسول خدا منجانب اللہ مکہ معظمہ سے ہجرت
کرنے پر مامور ہوئے ہیں تو آپ نے کفار کے خوف سے غار ثور میں پوشیدہ ہونے کو اختیار فرمایا۔ اور
ابتدائے اسلام میں علانیہ اظہار دعوت سے احتراز کیا۔ تا اینکہ شیخین نے دل تنگ ہو کر اظہار دعوت پر
حضرت کی حث و ترغیب شروع کی اور آخر کار ایکدن حضرت ابوبکر نے مشرکین کے سامنے اظہار
دعوت کے متعلق خطبہ پڑھا تا اینکہ انپر مشرکین قریش کے ہاتھوں ان مصیبتوں کا سامنا ہوا جو کتب
تاریخ میں مذکور ہیں اور اوپر کی عبارتوں میں بھی فی الجملہ تذکرہ ہو چکا ہے اسی طرح حضرت عمر بھی اظہار دعوت
نکرنے پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ

ایعبد اللات والعزی علانیۃ ویعبد اللہ سراً؟

پس اگر حضرت امام جعفر صادق ؑ کا بعض امور میں تقیہ کرنا خوف خدا کے منافی فرض کیا جائیگا
تو حضرت رسول خدا صلعم کا تقیہ کرنا بھی منافی قرار پائیگا لیکن تالی کا اقرار کرنا قادح ایمان
ہو لہذا مقدم کا اقرار ... پس ... حکم جاری ... فقرہ فانہ لا سبیل لاحد علیک
او نفقرد ناذلک فی حرز و امان سے جو ... ہو وہ اضافی ہوگا جیسا کہ قرار پایا ...

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ الخ

۳ میں اشیاء محرمہ کا تسمیہ اضافی ہے اور اس مطلب کو دوسری تقریر میں ... کر دیا
فقرہ لا تخافن الا اللہ تمام اعلان میں ... ہے اور قیود واقعیہ کے ساتھ مشروط ہے
جس طرح کہ حدیث مشہور من قال لا الہ الا اللہ ... کا مضمون ... قیود واقعیہ
کے ساتھ مشروط ہے لیکن اعلان کے شروط واقعیہ کا حضرت ... اور حضرت
امام جعفر صادق ؑ کے زمانہ میں اکثر اوقات تحقق ہوتا رہا اور باقی ائمہ کے زمانہ میں
کمتر مجتمع ہوئیں

اس کے علاوہ یہ ہے کہ علوم اہل بیت کا بیان کرنا احکام تقیہ اور غیر تقیہ دونوں
سے عام ہے اس لئے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان التقیة دینی ودین ابائی } یقینا تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔

پس بعض مقامات پر حضرات کی روایات کا تقیہ پر محمول ہونا نشر احکام اہل بیت کے
منافی نہ ہوگا بہرحال انبیاء ؑ اور ائمہ ؑ کا بعض اوقات بحکم خداوند عالم تقیہ پر عمل کرنا
کتب فریقین سے ثابت ہوگیا۔ اور بعض لوگوں کا یہ خیال کہ انبیاء اور ائمہ
کسی وقت بھی تقیہ نہ کرتے تھے مہمل قرار دیا گیا۔

والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰة علیٰ رسولہ و آلہ باطناً
وظاهراً۔